آنگن ٹیڑھا

قانونی پیچیدگیاں، عدالتی کارروائی کے اہم رموز و نکات
زن، زر اور زمین کے تنازعوں میں جنم لینے والے مقدمات

آنگن ٹیڑھا

مرزا امجد بیگ (ایڈووکیٹ)

تحریر حسام بٹ

القریش پبلی کیشنز

سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

فون: 042-37652546-37668958

فہرست

آنگن ٹیڑھا 5

درست آید 56

کہنہ مشق 104

آخری کیل 159

چاند گہن 207

آنگن ٹیڑھا

ایک روز میں عدالت سے نکل کر پارکنگ کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اسٹیمپ فروش کے سٹال پر ایک شخص نے آواز دے کر مجھے روک لیا۔

"بیگ صاحب! ایک منٹ......!"

میں رک گیا اور مڑ کر پکارنے والے کو دیکھا۔ وہ ایک اسٹیمپ فروش تھا۔ میں نے اسے اکثر اس سٹال پر بیٹھے دیکھا تھا اور اس کا صورت آشنا ہی نہیں بلکہ نام شناس بھی تھا۔

"غوری صاحب...... فرمائیے؟" میں نے اس کے قریب جا کر پوچھا۔

"کیا ابھی آپ عدالت کے کمرے سے نکلے ہیں؟" غوری نے پوچھا۔

"ہاں......" میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "کوئی خاص بات؟"

اس نے رسٹ واچ پر نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔ "آپ تو روزانہ اس سے بہت پہلے رخصت ہو جاتے ہیں۔ آج کافی دیر نہیں ہو گئی؟"

"عدالتی چکروں میں دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے غوری صاحب۔" میں نے سرسری انداز میں کہا۔ "ادھر برآمدے میں ایک کلائنٹ نے گھیر لیا تھا۔ میں نے جان چھڑانے کی بہت کوشش کی پھر بھی وہ زبردستی منت کر کے مجھے کینٹین لے گیا اور جب تک میں نے اس کی جیب سے چائے کے ساتھ بسکٹ نہیں کھا لیے اس کی تسلی نہیں ہوئی۔ ابھی اسے مطمئن کر کے بھیجا ہے۔" میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی' پھر اضافہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"غوری صاحب! آپ کا چہرہ اور آنکھیں بتا رہی ہیں کہ آپ نے کسی وجہ سے مجھے روکا ہے......"

Pakistanipoint.com Waheed Amir

"وہ بات دراصل یہ ہے بیگ صاحب!" وہ سر کو اثباتی جنبش دینے کے بعد وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "ابھی چند منٹ پہلے ایک شخص آپ کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ ابھی تک عدالت میں موجود ہیں۔ میں نے اس سے کہہ دیا کہ بیگ صاحب تو جا چکے ہیں۔"

"اس شخص نے اپنا نام کیا بتایا تھا؟" میں نے استفسار کیا۔

"علی مراد......!"

میں نے اپنے ذہن پر زور ڈالا' لیکن فوری طور پر مجھے یاد نہ آسکا کہ میں نے کسی علی مراد کو آج عدالت آنے کا کہا ہو۔ اس دوران غوری یک ٹک مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے الجھن زدہ لہجے میں کہا۔ "یہ علی مراد مجھے کس سلسلے میں ڈھونڈ رہا تھا؟"

"آپ علی مراد کے حوالے سے زیادہ پریشان نہ ہوں۔" غوری نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میرا اندازہ تو یہ کہتا ہے کہ وہ آپ کے لیے کوئی نیا کلائنٹ ثابت ہوسکتا ہے۔ میں نے اسے آپ کے دفتر کا ایڈریس سمجھا دیا ہے۔ وہ آپ کو وہیں مل جائے گا۔ کافی ضرورت مند نظر آرہا تھا۔"

میں نے ایک گہری سانس خارج کی' غوری کا شکریہ ادا کیا اور تیز قدموں کے ساتھ اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

میں نے اپنے پسندیدہ مخصوص ہوٹل سے ڈٹ کر کھانا کھایا اور آفس پہنچ گیا۔ میرا آفس سٹی کورٹ کے نزدیک ہی ایک کثیر المنزلہ عمارت میں واقع تھا اور مذکورہ ہوٹل میرے راستے میں پڑتا تھا۔ یہ میرا روز کا معمول تھا کہ عدالتی بکھیڑوں سے فارغ ہونے کے بعد میں ہوٹل میں بیٹھ کر تسلی سے کھانا کھاتا' پھر آفس میں جا کر کلائنٹس سے ملاقات شروع کر دیتا تھا۔

اس روز میں حسب معمول جب اپنے آفس پہنچا تو وزیٹرز لابی خاصی آباد نظر آئی۔ میں نے وہاں موجود کلائنٹس پر ایک سرسری سی نگاہ ڈالی اور اپنے چیمبر کی جانب بڑھ گیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس وقت تک علی مراد میرے ذہن سے سلپ ہو چکا تھا۔

لگ بھگ ایک گھنٹے بعد میری سیکرٹری نے انٹرکام پر بتایا۔ "سر! ایک صاحب کافی دیر سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ ان کے پاس اپائنٹمنٹ نہیں تھا اس لیے میں نے انہیں روک کے

رکھا۔ ابھی میں انہیں بھیج رہی ہوں۔''

''کیا اپائنٹمنٹ والے تمام کلائنٹس نمٹ گئے؟'' میں نے پوچھا۔

''یس سر......!'' سیکرٹری کی پُر اعتماد آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

''ٹھیک ہے......تم ان صاحب کو اندر بھیج دو۔'' میں نے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک پستہ قامت' فربہ اور گول مٹول سا شخص میرے چیمبر میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی ڈاڑھی بھلی لگ رہی تھی۔ اس نے بڑے ادب سے مجھے سلام کیا۔ میں نے پیشہ ورانہ مسکراہٹ سے اس کا استقبال کیا اور بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''بیگ صاحب! میرا نام علی مراد ہے۔ میں دن میں آپ کی تلاش میں سٹی کورٹ کی طرف بھی گیا تھا......''

اسی لمحے غوری اسٹیمپ فروش کی بات میرے ذہن میں گھوم گئی۔ میں نے صورت حال کو سنبھالتے ہوئے اس کی تسلی کی خاطر کہا۔

''ہاں' مجھے پتا چل گیا تھا' لیکن میں ایک ایسے معاملے میں الجھا ہوا تھا کہ دفتر پہنچنے میں مجھے دیر ہوگئی خیر......'' میں نے لمحاتی توقف کے بعد اضافہ کیا۔ ''آپ بتائیں...... میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟''

بات ختم کرتے ہی میں نے رف پیڈ اور قلم سنبھال لیا۔

علی مراد نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''بیگ صاحب! آپ کے پاس مجھے نفیس احمد نے بھیجا ہے اور یقین دلایا ہے کہ آپ تسلی بخش انداز میں میرا کام کردیں گے۔''

''کون نفیس احمد؟'' میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''نفیس الیکٹرونکس والے نفیس صاحب۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''صدر کی الیکٹرونکس مارکیٹ میں جن کی فریج' فریزر اور واٹر کولر کی دکان ہے۔''

''اوہ...... وہ نفیس صاحب!'' میں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''آپ ان کو کیسے جانتے ہیں؟''

''نفیس احمد سے میری دیرینہ شناسائی تھی۔ مجھے یا میرے کسی بھی تعلق دار کو کبھی فریج یا فریزر وغیرہ خریدنا ہوتا اور وہ اس سلسلے میں مجھ سے مشورہ کرتا تو میں اسے سیدھا ''نفیس

الیکٹرونکس‘‘ کی راہ دکھا دیا کرتا تھا اور مجھے اس بات پر فخر ہے کہ نفیس احمد نے کبھی مجھے مایوس نہیں کیا تھا۔

’’الیکٹرونکس مارکیٹ ہی میں میری ٹی وی کی دکان ہے۔‘‘ علی مراد نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔’’ نفیس صاحب سے میری اچھی دعا سلام ہے۔‘‘

’’بہت خوب......!‘‘ میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی اور کہا۔’’اب آپ جلدی سے مجھے اپنے مسئلے کے بارے میں بتا دیں تاکہ میں فیصلہ کرسکوں کہ اس سلسلے میں آپ کی کیا مدد کرسکتا ہوں۔‘‘

’’مسئلہ میرا نہیں، فرقان کا ہے۔‘‘ علی مراد نے بتایا۔

’’یہ فرقان کون ہے؟‘‘ میں نے پوچھا۔

اس نے جواب دیا۔’’فرقان میرا داماد ہے۔‘‘

’’اوہ......!‘‘، میں نے علی مراد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔’’ کیا آپ کا داماد کسی انداز میں آپ کی بیٹی کو تنگ کر رہا ہے۔‘‘

’’نہیں جناب! ایسی کوئی بات نہیں۔‘‘ وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔’’فرقان تو اتنا اچھا انسان ہے کہ اس کی ذات سے کبھی کسی کو کوئی تکلیف پہنچ ہی نہیں سکتی اور شاید...... شاید اس کا یہی اچھا پن اس کے لیے مصیبت بن گیا ہے......‘‘

’’کیسی مصیبت علی مراد صاحب؟‘‘ میں نے چونکتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

’’فرقان کو پولیس نے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا ہے۔‘‘ وہ تھکے ہوئے انداز میں بولا۔

’’یہ کب کی بات ہے؟‘‘

’’دو روز پہلے کی۔‘‘ اس نے بتایا۔

’’فرقان پر کس کے قتل کا الزام ہے؟‘‘ میں نے سوال کیا۔

’’مسز نکہت کے قتل کا الزام......‘‘

’’یہ مسز نکہت کون ہیں؟‘‘ میں نے استفسار کیا۔

’’فرقان کے مالک مکان کی بیوی تھی وہ۔‘‘ اس نے جواب دیا۔’’فرقان کے ساتھ پے در پے زیادتی ہوئی ہے بیگ صاحب! نرگس کے شوہر قاضی وحید نے پہلے اسے اپنے گھر میں

ایک کرائے دار کی حیثیت سے رکھا۔ پھر گھر کی بالائی منزل پر شفٹ کر دیا اور آخر میں گھر فروخت کرنے کے بہانے اس کو بے دخل کر دیا۔ جب فرقان نے اس سے حساب مانگا تو ایک گہری سازش کے تحت اسے قتل کے الزام میں بند کروا دیا۔"

"اوہ...... دلچسپ اور افسوس ناک واقعہ ہے۔" میں نے رف پیڈ پر قلم گھسیٹتے ہوئے کہا' پھر نگاہ اٹھا کر علی مراد کی جانب دیکھتے ہوئے اضافہ کیا۔"آپ نے بتایا ہے کہ فرقان کو دو روز پہلے پولیس نے گرفتار کیا ہے۔ آج اٹھارہ اکتوبر ہے۔ اس کا مطلب ہے' فرقان کی گرفتار......"

"پندرہ اکتوبر کی رات۔" وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔"فرقان کو پندرہ اکتوبر کی رات میرے گھر سے گرفتار کیا گیا تھا۔"

"ہوں......" میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔"گویا پولیس نے سولہ اکتوبر کی صبح فرقان کو عدالت میں پیش کر کے اس کا ریمانڈ لے لیا ہوگا اور اس وقت وہ پولیس کسٹڈی میں ہے؟"

"جی...... آپ کا اندازہ درست ہے۔" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"وہ کون سے تھانے میں بند ہے؟" میں نے پوچھا۔ علی مراد نے متعلقہ تھانے کا نام بتا دیا۔

میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔"علی مراد صاحب! ابھی تک آپ نے مجھے اپنے داماد کے بارے میں جو بھی معلومات فراہم کی ہیں وہ بہت ہی الجھی ہوئی اور نامکمل ہیں۔ اس صورت حال میں' میں کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر ہوں۔ مجھے پوری تفصیل کے ساتھ یہ پتا ہونا چاہئے کہ آپ کے داماد اور قاضی وحید کے درمیان تعلقات کی نوعیت کیا رہی ہے اور سب سے اہم بات یہ کہ اس نازک موقع پر جبکہ فرقان قتل کے الزام میں ریمانڈ پر ہے تو اس کے گھر والے کہاں غائب ہیں...... ایسے حالات میں فرقان کے والدین کو تو سب سے آگے حرکت کرتے ہوئے نظر آنا چاہئے......؟"

"آپ بجا فرما رہے ہیں بیگ صاحب!" وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔"انہیں واقعی سب سے زیادہ متحرک نظر آنا چاہئے تھا مگر...... وہ لوگ فرقان سے سخت ناراض ہیں۔" علی مراد نے گہری سنجیدگی سے بتایا۔"سمجھ لیں کہ مرنا جینا ختم کیا ہوا ہے انہوں

نے......"

"اس بائیکاٹ کا کوئی خاص سبب؟"

"فرقان کی شادی......!"

"اوہ......!" میں نے متاسفانہ انداز میں کہا۔"یعنی وہ لوگ آپ کی بیٹی اور فرقان کی شادی کے خلاف تھے؟"

"سخت خلاف!" وہ قطعیت سے بولا۔"تاہم اس شادی کے موقع پر کسی طرح منت خوشامد کر کے فرقان نے انہیں راضی کر لیا تھا۔ وہ لوگ نہ صرف بڑے بھرپور انداز میں اس شادی میں شریک بھی رہے بلکہ شادی کے بعد لگ بھگ تین ماہ تک عظمیٰ اپنی سسرال میں بھی رہی تھی' پھر وہاں فتنہ فساد اس قدر بڑھ گیا کہ فرقان کو گھر چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس کے بعد ہی وہ کرائے کے مکان میں گیا تھا۔"

"عظمیٰ آپ کی بیٹی کا نام ہے......؟"

اس نے اثبات میں گردن ہلائی' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔"اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو عظمیٰ اور فرقان کی"لو میرج" ہے؟"

"آپ کا اندازہ سو فیصد درست ہے۔"

محبت کی شادیوں میں عموماً سماجی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کبھی لڑکی کو اور کبھی لڑکے کو اور بعض حالات میں دونوں کو۔ اسی کھینچا تانی اور کشمکش میں میاں بیوی ایسے معاشرتی جھمیلوں میں پھنس جاتے ہیں کہ انہیں ایک دوسرے پر توجہ دینے کی فرصت ہی میسر نہیں آتی۔ پیار محبت تو رہی دور کی بات' وہ ایک دوسرے سے ڈھنگ سے بات کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ لو میرج کرنے والوں کو ایک دوسرے سے سنگین شکایات پیدا ہو جاتی ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے جتنی شدت کی محبت اور چاہت کی توقع کر رہے ہوتے ہیں' زمینی حقائق اس کی اجازت نہیں دیتے۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے محبت کی شادیوں کی غالب تعداد ناکامیاب رہتی ہے۔ یا تو یہ بندھا قائم ہی نہیں رہتا اور یا پھر زہر کے گھونٹ پی پی کر زندگی گزارنا ہوتا ہے۔

"آپ نے فرقان کے والدین کو اس افسوسناک واقعے کی اطلاع دی؟" میں نے علی مراد سے استفسار کیا۔

"براہ راست تو نہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔" لیکن کسی تیسرے شخص کے توسط سے میں نے ان تک اس معاملے کی خبر پہنچا دی ہے۔"

"انہوں نے کیا ردعمل ظاہر کیا ہے؟"

"وہ اپنی ضد بالفاظ دیگر اپنی ہٹ دھرمی پر قائم ہیں۔" علی مراد نے دکھی لہجے میں جواب دیا۔" ان کا مؤقف بہت ہی سفاک اور انسانی ہے۔ان کے مطابق جب فرقان نے گھر چھوڑا تھا وہ ان کے لیے مر گیا تھا۔"

"ہوں......" میں نے پُرسوچ انداز میں کہا۔" یہ صورت حال خاصی گمبھیر اور افسوس ناک ہے۔ بہرحال......" لمحاتی توقف کر کے میں نے ایک گہری سانس لی' پھر اضافہ کرتے ہوئے استفسار کیا۔

"آپ مجھے فرقان اور قاضی وحید کے باہمی معاملے کے بارے میں بتا رہے تھے......؟"

"یہ معاملہ بھی خاصا الجھا ہوا اور پیچیدہ ہے۔" وہ پہلو بدلتے ہوئے بولا۔"آپ کو سمجھانے کے لیے تھوڑی تفصیل میں جانا ہو گا۔"

"میں سن رہا ہوں......" میں نے سنجیدہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔"آپ روانی سے بولتے جائیں۔"

آئندہ آدھے گھنٹے میں علی مراد نے مجھے جو تفصیل فراہم کی' میں اس میں سے غیر ضروری باتوں کو حذف کر کے خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تاکہ آپ اس کیس کے پس منظر سے اچھی طرح آگاہ ہو جائیں۔ واضح رہے کہ ان میں سے بہت ساری باتیں مجھے بعد میں اپنی تحقیق کے دوران معلوم ہوئی تھیں' لیکن واقعات کی ترتیب اور تسلسل کا خیال رکھتے ہوئے میں نے انہیں یہاں بیان کر دیا ہے۔اسی طرح چند باتیں میں فی الحال گول کر رہا ہوں۔ان کا ذکر عدالتی کارروائی کے دوران مناسب موقع پر کیا جائے گا۔

یہ بتانا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اسی شام متعلقہ تھانے جا کر میں نے ملزم فرقان سے بھی ایک تفصیلی ملاقات کر لی تھی۔فرقان بھرے بھرے بدن کا مالک ایک متناسب قامت اور گندمی رنگت والا جوان تھا۔اس کی عمر ستائیس سال رہی ہو گی۔ مجھے وہ ایک تعلیم یافتہ اور سلجھا ہوا انسان لگا۔اس نے میری معلومات میں گراں قدر اضافہ کیا تھا۔علی مراد کی زبانی مجھ تک جو

حالات پہنچے تھے‘ فرقان نے ان کی کماحقہ تصدیق بھی کی تھی۔

☆......☆......☆

فرقان نے کچھ عرصہ پہلے یونیورسٹی سے کامرس میں ماسٹرز کرنے کے بعد بینکنگ لائن جوائن کر لی تھی۔ اس فیلڈ میں قدم جمانے کے لئے اسے کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس کا باپ کفیل احمد ایک ریٹائرڈ بینکر تھا اور اس کی خواہش پر فرقان نے کامرس کا انتخاب کیا تھا۔ کفیل احمد ریٹائرمنٹ کے بعد ”شیئرز“ کی دنیا کی طرف نکل گیا تھا۔ سٹاک مارکیٹ پر اس کی گہری نظر تھی اور وہ مختلف طریقوں سے ماہانہ اتنا کما لیتا تھا کہ گھر میں کسی مالی تنگی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔

کفیل احمد کی تین اولادیں تھیں۔ سب سے بڑا فرقان‘ اس سے چھوٹی انیلا جس کی شادی فرقان سے پہلے ہو گئی تھی۔ انیلا کا شوہر فرہاد بھی ایک پرائیویٹ بینک ہی میں ملازم تھا۔ انیلا اپنی سسرال میں خوش اور مطمئن تھی۔ انیلا سے چھوٹا ایک بھائی عرفان تھا‘ جو ابھی محض تیرہ سال کا تھا اور ایک سکول میں پڑھتا تھا۔ فرقان کی والدہ شگفتہ ناز ایک گھریلو خاتون تھی تاہم اسے گھومنے پھرنے اور ہوٹلنگ وغیرہ کا بہت شوق تھا۔ شاپنگ بھی اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ ان کی رہائش بفرزون کے علاقے میں تھی۔

علی مراد کی بیوی سلمٰی کا انتقال ہو چکا تھا۔ سلمٰی طویل عرصے تک سرطان ایسے موذی مرض میں مبتلا رہنے کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملی تھی۔ علی مراد کی دو بیٹیاں تھیں۔ عظمٰی اور نادیہ۔ نادیہ‘ عظمٰی سے چند سال بڑی تھی اور اس کی شادی بھی عظمٰی سے دو سال پہلے ہو گئی تھی۔ نادیہ کی سسرال حیدر آباد میں تھی۔ اس کا شوہر خٹک پرانی گاڑیوں کی خرید وفروخت کا کاروبار کرتا تھا اور اس نے ادھر حیدر آباد ہی میں اپنا ایک شوروم بھی بنا رکھا تھا۔

جیسا کہ ابتدا میں بتایا جا چکا ہے کہ علی مراد کی صدر کی الیکٹرونکس مارکیٹ میں ٹی وی کی دکان تھی۔ اس کی رہائش بہادر آباد کے علاقے میں تھی۔ اس کی دکان میں عموماً نئے ٹی وی فروخت کئے جاتے تھے تاہم وہ چلتے ہوئے پرانے ٹی وی کے بدلے میں مزید رقم لے کر نیا ٹی وی بھی دے دیا کرتا تھا۔ پرانے ٹی وی کو وہ دوسری مارکیٹ میں فروخت کر دیتا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے بڑی ٹھیک ٹھاک سیٹنگ بنا رکھی تھی۔

عظمٰی اور فرقان کی پہلی ملاقات عظمٰی کے گھر ہی میں ہوئی تھی اور پہلی نظر ہی میں دونوں

نے ایک دوسرے کو پسند کر لیا تھا۔ دراصل فرقان اور نادیہ یونیورسٹی میں کلاس فیلو تھے لہٰذا نادیہ کی شادی میں فرقان بھی مدعو تھا۔ نادیہ کی مایوں اور مہندی میں بھی وہ گیا تھا اور جبھی اس کی عظمٰی سے ملاقات ہوئی تھی۔

نادیہ تو بیاہ کر حیدر آباد چلی گئی تھی' لیکن عظمٰی اور فرقان کی پہلی ملاقات آخری ثابت نہ ہوئی بلکہ اس کے بعد تو ان کے درمیان ملاقاتوں کا ایک سلسلہ چل نکلا۔ نادیہ نے اس معاملے میں دونوں سے حتی الامکان تعاون کیا اور ان کی محبت شادی کے بندھن کی جانب بڑھنے لگی۔

علی مراد کو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ فرقان اس کا دیکھا بھالا تھا اور وہ بھی اس کو پسند کرتا تھا۔ فرقان کے مزاج اور اخلاقیات نے علی مراد کو متاثر کیا تھا۔ پھر وہ تعلیم یافتہ تھا اور اس کے سامنے روشن مستقبل بھی نظر آ رہا تھا۔ ایک آئیڈیل داماد اور آئیڈیل شوہر کی تمام تر خوبیاں فرقان میں موجود تھیں۔ لہٰذا علی مراد اس رشتے سے انکار کر ہی نہیں سکتا تھا۔

انکار تو فرقان کے گھر کی طرف سے تھا۔ فرقان کی والدہ شگفتہ اپنی بہن کی بیٹی غزالہ سے اس کی شادی کرنا چاہتی تھی۔ غزالہ میڈیکل کے فائنل ایئر میں تھی لیکن فرقان' غزالہ کو پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ ہر صورت اور ہر قیمت پر عظمٰی ہی سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ یہ تنازع اس قدر بڑھا کہ فرقان نے دوٹوک انداز میں اپنے والدین سے کہہ دیا۔

"میں شادی کروں گا تو عظمٰی سے ورنہ کسی سے بھی نہیں۔"

"اور میں تمہاری شادی کروں گی تو غزالہ سے......" شگفتہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "ورنہ کسی اور سے بھی نہیں ہونے دوں گی۔"

"یہ تو سراسر زیادتی ہے امی!" فرقان نے جھنجلاہٹ آمیز انداز میں کہا۔ "میں غزالہ میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ آپ خوامخواہ کیوں یہ شادی مجھ پر مسلط کرنا چاہتی ہیں......؟"

"میں اپنی بہن کو اس رشتے کیلئے زبان دے چکی ہوں۔" شگفتہ نے حتمی لہجے میں کہا۔ "جیسے ہی غزالہ کی تعلیم مکمل ہوگی' میں تمہاری شادی کی تاریخ پکی کر دوں گی۔"

"ایسا کچھ نہیں ہونے والا امی!" فرقان بھی ضدی لہجے میں بولا۔ "آپ کو اپنی بہن کا بڑا خیال ہے' ہمارے جذبات کا کوئی احساس نہیں؟"

اس دوران کفیل احمد خاموش بیٹھا بڑی سنجیدگی سے ماں بیٹے کی باہمی تکرار کو سماعت کر رہا تھا۔ ابھی تک اس نے ایک بار بھی مداخلت کی کوشش نہیں کی تھی۔ شگفتہ نے سٹپٹائے ہوئے

انداز میں بیٹے سے سوال کیا۔
"فرقان! تم کس کے جذبات کی بات کر رہے ہو......؟"
"اپنے اور عظمٰی کے......" فرقان نے کہا۔ "اور کس کے جذبات......"
"اچھا...... تو وہ لڑکی جمعہ جمعہ آٹھ دن میں' تمہاری زندگی میں مجھ سے بھی زیادہ اہمیت اختیار کر گئی ہے۔" شگفتہ نے خفگی بھرے انداز میں کہا۔ "اور میں نے جو تمہیں جنم دیا...... اور پال پوس کر اتنا بڑا کیا...... میرا تم پر کوئی حق ہی نہیں رہا......؟"
"ایسی کوئی بات نہیں امی!" فرقان نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "آپ کا حق اور اہمیت اپنی جگہ قائم و دائم ہے۔ آپ الٹی سیدھی باتوں کو ذہن میں جگہ نہ دیں۔ میں تو صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ غزالہ مجھے پسند نہیں اس لئے میں اس سے شادی نہیں کر سکتا۔"
"جب غزالہ مجھے پسند ہے تو تمہیں اسی سے شادی کرنا ہوگی۔" شگفتہ کے فیصلے سے ہٹ دھرمی جھلکتی تھی۔
"فرقان!" کفیل احمد نے لب کشائی کی۔ "تمہاری ماں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ میں اس حقیقت سے واقف ہوں کہ اس نے غزالہ کی ماں کو اس رشتے کیلئے زبان دے رکھی ہے اور پھر......" لمحاتی توقف کر کے اس نے گمبھیر انداز میں کہا۔ "جہاں تم شادی کے لئے بہ ضد ہو وہ لوگ دوسری کمیونٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمارا کلچر اور خاندان ان سے بالکل الگ ہے۔"
"کلچر' خاندان' کمیونٹی......" فرقان نے بیزاری سے کہا۔ "آپ لوگ بھی پتا نہیں کن فضول باتوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں اور عظمٰی کا تعلق بھی ایک مسلم فیملی سے ہے' ہم دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ عظمٰی کے گھر والوں کو اس شادی پر کوئی اعتراض نہیں۔ آپ لوگ بھی معقولیت کا مظاہرہ کریں۔ میں کوئی غلط کام کرنے نہیں جا رہا' عظمٰی سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور یہ میرا قانونی و شرعی حق ہے۔"
"تو اب تم ہمیں بتاؤ گے کہ معقولیت کا مظاہرہ کس طرح کیا جاتا ہے۔" کفیل احمد نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "فرقان! میں ہر حال میں تمہاری ماں کا ساتھ دوں گا۔ اگر تمہیں ہماری عزت کا ذرا سا بھی خیال ہے تو تمہاری شادی وہیں ہوگی جہاں ہم چاہتے ہیں۔ اگر تم ہماری بات نہیں مانو گے تو پھر ہم تمہارے ساتھ نہیں ہیں۔"
"ساتھ نہیں ہیں...... کیا مطلب؟" فرقان نے حیرت بھری نظر سے اپنے باپ کو

دیکھا۔

"مطلب یہ کہ......" شگفتہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ "ہم تمہاری شادی میں شرکت نہیں کریں گے۔"

"اور اس شادی سے پہلے تمہیں یہ گھر چھوڑنا ہوگا۔" کفیل احمد نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "ہم سے ہر رشتہ ناتا توڑنا ہوگا۔"

فرقان کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ اس کے سگے والدین ہیں۔ درحقیقت کفیل احمد نے ایک نفسیاتی چال چلی تھی۔ وہ فرقان کو گھر سے نکالنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس دباؤ میں آ کر وہ عظمٰی کا خیال اپنے دل سے نکال دے گا' مگر فرقان پر بھی جیسے ضد سوار ہو گئی تھی۔

"ٹھیک ہے......" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں عظمٰی سے شادی کی خاطر یہ گھر چھوڑ دوں گا۔"

کفیل اور شگفتہ کو توقع نہیں تھی کہ فرقان ایسا سنگین فیصلہ کرے گا۔ اگلے روز فرقان نے علی مراد کو صورت حال سے آگاہ کیا تو وہ بھی پریشان ہو گیا۔ علی مراد بیٹی کا باپ تھا۔ اسے بہت کچھ سوچنا تھا۔ وہ تو یہی چاہتا تھا کہ فرقان کے والدین اس شادی کے لئے رضامند ہو جائیں۔ اگر وہ دل سے راضی نہیں بھی ہوتے تو کم از کم اس شادی میں بھرپور شرکت کریں اور عظمٰی رخصت ہو کر اپنی سسرال ہی میں جائے۔ بعد میں جو بھی ہوگا' دیکھا جائے گا۔

علی مراد ایک سمجھ دار اور دور اندیش شخص تھا۔ کافی سوچ بچار کے بعد اس نے ایک ڈرامائی منصوبہ ترتیب دیا جس کی کامیابی کو یقینی بنانے کے لئے فرقان کو اس کا ساتھ دینا تھا۔ یہ ایک جذباتی چال تھی' جس میں ایک موقع پر فرقان کو ہسپتال کی ایمرجنسی تک بھی جانا تھا۔ میں اس منصوبے کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ قصہ مختصر' فرقان نے کفیل احمد کی ہدایت کے مطابق اداکاری کی اور ان کی چال کامیاب رہی۔ فرقان کے والدین کو نہ صرف اس شادی میں شریک ہونا پڑا بلکہ عظمٰی بیاہ کر سیدھی اپنی سسرال بھی گئی تھی۔ یہ الگ بات کہ وہ زیادہ سے زیادہ تین ماہ تک ہی رہ سکی۔

شگفتہ نے عظمٰی کے ہاتھوں اپنی شکست کو ایک لمحے کے لئے بھی فراموش نہیں کیا تھا۔ اس نے ٹھان لی تھی کہ وہ عظمٰی کو ذلیل کر کے رہے گی۔ پہلے ہی دن سے ساس اور بہو کی روایتی

جنگ کا آغاز ہو گیا۔ عظمیٰ چونکہ اس جنگ کی حصے دار نہیں تھی لہٰذا شگفتہ کو اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے میدان خالی مل گیا۔ وہ ایسا کھل کر کھیلی کہ فرقان اور عظمیٰ کو وہ گھر چھوڑنا پڑا۔ عظمیٰ پر ہر روز ایک نیا الزام آ جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک موقع پر شگفتہ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش بھی کی کہ عظمیٰ نے اسے کھانے میں زہر دے کر مارنے کی کوشش کی ہے۔ شگفتہ نے مذکورہ زہریلا کھانا بلی کے آگے ڈالا تو وہ بلی تھوڑی ہی دیر میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ یہ ایک حقیقت تھی کہ عظمیٰ نے شگفتہ کی جان لینے کی ہرگز کوشش نہیں کی تھی' لیکن اس ڈرامہ باز عورت نے بڑا جاندار ناٹک کیا تھا۔ اس ناٹک کا سب سے زیادہ اثر کفیل احمد پر ہوا۔ اسے عظمیٰ سے شدید ترین نفرت ہو گئی۔ ان تین ماہ میں فرقان قدم قدم پر عظمیٰ کی حمایت کرتے کرتے تھک چکا تھا۔ اس معاملے میں جب اس نے اپنے باپ کے سامنے عظمیٰ کی پوزیشن کلیئر کرنے کی کوشش کی تو کفیل احمد نے واضح الفاظ میں کہہ دیا۔

''دیکھو فرقان! میں نے تمہاری خاطر شگفتہ کی مخالفت لے کر تمہاری شادی میں شرکت کی تھی اور آج تمہاری بیوی نے میری بیوی کو جان سے مارنے کی کوشش کی۔ جو کھانا بلی کے پیٹ میں گیا وہ اگر تمہاری ماں کھا لیتی تو سوچو......''

''ابو...... یہ عظمیٰ کے خلاف ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت کیا گیا ہے......'' کفیل احمد درشت لہجے میں بیٹے سے استفسار کرتا رہا۔

''اس میں شک کی گنجائش کہاں ہے؟'' فرقان دونوں ہاتھ پھیلاتے ہوئے طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''امی کی ناک میں ایسا کون سا انٹینا لگا ہوا ہے کہ کھانے کو سونگھتے ہی انہیں پتا چلا گیا کہ وہ زہریلا ہے اور یہ کہ کھانے میں زہر عظمیٰ نے ملایا ہے۔ کھانا کھانے کے بعد اگر ایسا کوئی انکشاف ہوتا تو وہ دوسری بات تھی۔''

''تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اگر تمہاری ماں وہ زہریلا کھانا کھا لیتی اور اس کے بعد شگفتہ کے ساتھ کوئی ناخوشگوار صورت حال پیش آتی تب تمہیں یقین آتا کہ عظمیٰ نے تمہاری ماں کو زہر دے کر مارنے کی کوشش کی؟''

''ہرگز نہیں'' فرقان نے قطعی لہجے میں کہا۔ ''میرا یہ مطلب نہیں ہے۔''

''پھر کیا مطلب ہے تمہارا؟'' کفیل احمد نے اکھڑے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

''میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ امی نے عظمیٰ کو ذلیل کرنے کے لئے یہ ڈرامہ رچایا ہے۔''

فرقان نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔ "زہریلے کھانے میں عظمیٰ کا کوئی کردار نہیں ہے۔"

"تو تمہارے خیال میں شگفتہ نے خود ہی کھانے میں زہر ملا کر یہ کھیل کھیلا ہے؟" کفیل احمد نے جارحانہ انداز میں پوچھا۔ "تم اپنی ماں پر شک کر رہے ہو......؟"

فرقان ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "جی...... میرا یہی خیال ہے۔"

"بکواس بند کرو......" کفیل احمد غصے کی شدت سے دھاڑا۔ "اور جتنی جلدی ہو سکے' اپنی بیوی کو لے کر اس گھر سے دفع ہو جاؤ۔ میں تمہیں اور تمہاری بیوی کو مزید برداشت نہیں کر سکتا۔"

"ٹھیک ہے ابو!" فرقان نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "جب آپ میں حق اور انصاف کا حوصلہ نہیں رہا اور ہر صورت میں آپ عظمیٰ ہی کو قصور وار سمجھ رہے ہیں تو ان حالات میں' میں خود بھی یہاں نہیں رہنا چاہوں گا۔ میں بہت جلد اپنی رہائش کا کہیں اور بندوبست کر لوں گا۔"

"بڑے شوق سے جاؤ اور میری ایک بات ذہن نشین کر لینا......" کفیل احمد نے رکھائی سے کہا۔

فرقان نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "کیا اب بھی کہنے کے لئے کچھ باقی رہ گیا ہے؟"

"ہاں...... ایک بات!" کفیل احمد کی سنجیدگی میں ذرا فرق نہیں آیا تھا۔ "بہت ہی اہم بات۔"

فرقان الجھن زدہ انداز میں اپنے باپ کو دیکھتا چلا گیا' لیکن مزید کوئی سوال نہ کیا۔ لمحاتی توقف کے بعد کفیل احمد نے حتمی لہجے میں کہا۔

"یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ تم میری اولاد ہو' لیکن تم میرے لئے شگفتہ سے زیادہ اہم نہیں ہو۔ کبھی واپس آنے کا ارادہ ہو تو میری ایک شرط یاد رکھنا۔"

"کیسی شرط؟" فرقان کی الجھن دوچند ہو گئی۔

"اس گھر کے دروازے تمہارے لئے ہمیشہ کھلے رہیں گے...... صرف تمہارے لئے۔" کفیل احمد نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "جب دل چاہے' واپس آ جانا مگر تمہارے ساتھ عظمیٰ کو قطعاً برداشت نہیں کیا جائے گا۔ تم اسے اپنی زندگی سے نکالنے کے بعد ہی ادھر کا رخ کر سکتے

ہو۔"

"میں عظمیٰ کو اپنی زندگی سے نکال دوں......" فرقان نے نفی میں گردن ہلائی۔"یہ کسی قیمت پر نہیں ہوسکتا۔"

"بس تو پھر آج کے بعد تم ہمارے لئے اور ہم تمہارے لئے مر گئے۔" کفیل احمد نے سفاکی سے کہا۔

"اب تم جانو اور تمہاری بیوی......"

اس کے بعد کچھ کہنے سننے کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ اس موقع پر شگفتہ نے بہت واویلا مچایا تھا۔ وہ بار بار ایک ہی بات کو دہرائے جارہی تھی کہ عظمیٰ اور اس کے گھر والوں نے کسی سے گنڈا عمل کرا کے فرقان کا دل و دماغ اپنی مٹھی میں کر رکھا ہے۔ وہ جورو کا غلام بن کر رہ گیا ہے۔ وہ والدین کی محبت' محنت اور قربانیوں کو بھول گیا ہے۔ میں بھی روز محشر اسے دودھ نہیں بخشوں گی وغیرہ وغیرہ......

آئندہ روز فرقان اپنی بیوی کو لے کر علی مراد کے پاس پہنچ گیا اور نہایت ہی جامع الفاظ میں اسے تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کرنے کے بعد گہری سنجیدگی سے کہا۔

"انکل! میں چند روز کے لئے عظمیٰ کے ساتھ آپ کے گھر میں رہنا چاہتا ہوں۔ بہت جلد میں کرائے کے گھر کا بندوبست کرلوں گا۔"

مکمل طور پر نہ سہی لیکن علی مراد بڑی حد تک فرقان اور عظمیٰ کے حالات سے واقف تھا۔ اس نے اپنائیت بھرے لہجے میں کہا۔

"چند دن کے لئے کیوں بیٹا تم چاہو تو مستقل اس گھر میں رہائش اختیار کرسکتے ہو۔"

فرقان نے متذبذب انداز میں اپنے سسر کو دیکھا۔

"میں یہ پیشکش رسماً نہیں کررہا۔" علی مراد نے بدستور گہری سنجیدگی سے کہا۔"اللہ نے مجھے دو بیٹیاں دے کر زندگی کے ساتھی کو واپس اپنے پاس بلالیا ہے۔ میری دونوں بیٹیاں اپنے گھروں کی ہوچکی ہیں۔ میرا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ میں اس گھر میں تنہائی کی زندگی گزار رہا ہوں۔ اگر تم لوگ مستقل یہاں آکر رہنے لگو گے تو میری تنہائی دور ہوجائے گی اور تم لوگوں کی رہائش کا مسئلہ بھی حل ہوجائے گا۔"

"انکل! میں آپ کے خلوص اور محبت کی دل سے قدر کرتا ہوں۔" فرقان نے بھرائی

ہوئی آواز میں کہا۔ ’’آپ کی یہ پیشکش سمجھیں ادھار رہی۔ فی الحال آپ ہمیں چند روز قیام کی اجازت دے دیں۔ اگر کبھی مستقل رہائش کی ضرورت محسوس ہوئی تو میں آپ کو ضرور زحمت دوں گا۔‘‘

’’پیشکش ادھار رہی...... میں کچھ سمجھا نہیں بیٹا؟‘‘ علی مراد نے سوالیہ نظر سے فرقان کی طرف دیکھا۔

جواب میں فرقان نے ان نکات کی وضاحت کر دی جن کی بنا پر وہ فی الحال اپنی سسرال میں مستقلاً ڈیرا ڈال کر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ فرقان کے والدین حتیٰ کہ بہن بھائی کا بھی یہی خیال تھا کہ عظمیٰ اور اس کے گھر والوں نے فرقان پر سفلی کرا رکھا ہے۔ وہ لوگ اسے اپنے والدین اور گھر کے دیگر افراد سے متنفر کر کے گھر داماد بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر فرقان عظمیٰ کے ساتھ مستقل طور پر علی مراد کے گھر میں ٹھہر جاتا تو اس کے گھر والوں کے کہے کو سند مل جاتی۔

علی مراد نے حالات کی نزاکت کو فوراً بھانپ لیا اور فرقان کو اس کے حالات کے مطابق نقل و حرکت کے لئے ذہنی اور جسمانی طور پر آزاد چھوڑ دیا۔ فرقان نے عظمیٰ کو علی مراد کے گھر میں رکھا اور خود کرائے کے مکان کی تلاش میں اٹھ کھڑا ہوا اور یہیں سے اس کی زندگی میں قاضی وحید کی انٹری ہوئی تھی۔

قاضی وحید جو عرف عام میں محض ’’قاضی‘‘ کے نام سے مشہور تھا‘ پیشے کے اعتبار سے وہ ایک پراپرٹی ڈیلر تھا۔ ناظم آباد کے علاقے میں اس کی ’’قاضی اسٹیٹ‘‘ کے نام سے ایک ایجنسی تھی۔ فرقان کی ڈیوٹی بینک کی جس برانچ میں تھی وہ حیدری کے علاقے میں واقع تھی۔ اس کی کوشش تھی کہ کرائے کا گھر کسی ایسے علاقے میں ہونا چاہئے‘ جہاں سے اس کی جاب زیادہ دور نہ ہو۔ وہ گھومتے پھرتے ہوئے قاضی وحید کی ایجنسی پر پہنچ گیا۔

قاضی نے اس کی ضرورت کو توجہ سے سنا اور آخر میں پُرخلوص انداز میں کہا۔ ’’فرقان صاحب! فی الحال میرے پاس کوئی چھوٹا فلیٹ کرائے پر اٹھانے والا تو ہے نہیں۔ سب تین یا چار بیڈ روم والے ہیں۔‘‘

’’یہ تو ہماری ضرورت سے بہت بڑے ہیں۔‘‘

فرقان نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ’’ہمیں تو کم از کم اور زیادہ سے زیادہ دو کمروں والا فلیٹ چاہئے۔ ایک میاں اور ایک بیوی کی ضرورت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے؟‘‘

''ہوں......'' قاضی گہری سوچ میں ڈوب گیا' پھر ٹٹولنے والی نظر سے فرقان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔ اگر آپ تیار ہو جائیں تو آپ کا مسئلہ چٹکی بجاتے میں حل ہو سکتا ہے۔''

''ایسی کون سی تجویز ہے؟'' فرقان نے دلچسپی لیتے ہوئے سوال کیا۔ ''ذرا میں بھی تو سنوں......؟''

''آپ کسی کے ساتھ شیئر کر کے رہ لیں گے؟''

''مطلب یہ کہ کسی فیملی کے ساتھ مل کر۔'' قاضی وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''سوگز کے ایک گھر میں' آپ ہی کی طرح کی ایک مختصر سی فیملی رہ رہی ہے۔ وہ گھر ان کی ذاتی ملکیت ہے' مگر ان کی ضرورت سے زیادہ ہے۔ دو بیڈ روم' ایک ڈرائنگ روم اور ایک کامن روم...... یہ ہے اس گھر کی مکانیت۔ اگر آپ تیار ہو جائیں تو اس میں دونوں کا بھلا ہے۔ ان کی آمدنی کا ایک ذریعہ بن جائے گا اور آپ کو بھی تنہائی کا احساس نہیں ہوگا۔ آپ دن بھر بینک میں رہیں گے تو آپ کی وائف گھر میں بوریت محسوس نہیں کرے گی۔''

''آئیڈیا تو بہت اچھا ہے۔'' فرقان نے سراہنے والے انداز میں کہا۔ ''لیکن یہ تو پتا چلے وہ فیملی آخر ہے کون؟ اجنبی لوگوں پر آنکھیں بند کر کے بھروسا بھی تو نہیں کیا جا سکتا نا......''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں فرقان صاحب!'' قاضی نے تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''لیکن بھروسے اور سکیورٹی کے حوالے سے آپ بالکل بے فکر ہو جائیں۔ وہ لوگ میرے دیکھے بھالے ہوئے...... بلکہ فرقان صاحب! آپ پہلی ہی ملاقات میں مجھے اتنے زیادہ پسند آ گئے ہیں کہ میں آپ سے صاف بات ہی کہہ دیتا ہوں۔''

اتنا بول کر قاضی رکا تو فرقان سوالیہ نظر سے اسے تکنے لگا کہ پتا نہیں وہ کون سی ''صاف بات'' بتانے والا ہے۔

قاضی نے کھنکار کر گلا صاف کیا' پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتایا۔ ''وہ میری فیملی ہے یعنی...... میں اور میری بیوی نگہت۔''

''اوہ......!'' فرقان نے ایک گہری سانس خارج کی اور حیرت بھرے لہجے میں بولا۔ ''قاضی صاحب! میرے اندازے کے مطابق آپ کی عمر پینتالیس اور پچاس کے درمیان ہے۔ کیا آپ نے لیٹ شادی کی ہے یا ابھی تک صاحب اولاد نہ ہونے کی کوئی اور وجوہات

ہیں؟'' لمحاتی توقف کر کے اس نے ندامت آمیز لہجے میں اضافہ کیا۔

''معاف کیجئے گا' میں نے آپ سے ایک انتہائی ذاتی نوعیت کا سوال کر دیا ہے۔''

''معذرت کی ضرورت نہیں ہے فرقان صاحب!'' قاضی نے اپنائیت بھرے لہجے میں کہا۔'' میں آپ جیسے صاف گو لوگوں کو پسند کرتا ہوں۔ آپ کے دل میں جو کچھ تھا وہ آپ نے زبان سے کہہ دیا۔ میں نے آپ کی بات کا قطعاً برا نہیں منایا......'' اس نے سانس ہموار کرنے کے لئے تھوڑا توقف کیا' پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''جہاں تک میری عمر کا تعلق ہے تو میں آپ کے اندازے کی داد دیتا ہوں۔ میں پچاس کے قریب ہوں اور یہ کہ میری شادی لیٹ نہیں ہوئی۔ ہمارے ہاں اولاد نہیں ہو سکتی کیونکہ نگہت بانجھ ہے۔''

''اوہ......!'' فرقان نے متاسفانہ انداز میں کہا۔'' آپ کے ذہن میں دوسری شادی کا خیال نہیں آیا...... اولاد کی خواہش تو سبھی کو ہوتی ہے نا؟''

''ہاں ہوتی ہے۔'' قاضی نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔'' یہ خواہش میرے دل میں بھی تھی' بلکہ ہم دونوں کے دل میں تھی۔ نگہت نے کئی بار مجھ سے کہا بھی کہ میں اولاد کے حصول کی خاطر دوسری شادی کر لوں' لیکن میں ایسا کرنا تو دور کی بات ہے' اس کے بارے میں سوچ بھی نہ سکا۔ نگہت کی محبت ہمیشہ اولاد کی خواہش پر غالب آ گئی۔ اس عورت نے میرے ساتھ ازدواجی زندگی کے پچیس سال گزار دیئے ہیں۔ وہ میری دکھ سکھ کی ساتھی ہے۔ میں اس پر سوتن لانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اگر وہ بانجھ ہے تو اس میں اس بے چاری کا کیا قصور ہے......''

فرقان' قاضی وحید کی کہانی سن کر بے حد متاثر ہوا تھا۔ قاضی نے اسے یہ بھی بتایا کہ نگہت آج کل بیمار رہنے لگی ہے۔ اس کی دور کی نظر بھی خاصی کمزور ہو چکی ہے۔ چشمے کے بغیر وہ گھر کے اندر بھی چل پھر نہیں سکتی۔ جواب میں فرقان نے بھی قاضی کو اپنے تازہ ترین حالات سے تفصیلاً آگاہ کر دیا' اس طویل میٹنگ کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ اگلے روز فرقان عظمٰی کے ساتھ قاضی کے گھر میں منتقل ہو گیا۔ قاضی کا مذکورہ گھر بورڈ آفس کے نزدیک واقع تھا۔

ایک بیڈ روم فرقان اور عظمٰی کے حوالے کر دیا گیا۔ ایک بیڈ روم قاضی اور اس کی بیوی نگہت کے پاس رہا۔ ڈرائنگ روم کو وہ لوگ مشترکہ طور پر استعمال کرنے لگے۔ کچن پوری

طرح عظمیٰ کے تصرف میں آ گیا۔ نگہت کی طبیعت اکثر خراب ہی رہتی تھی اور وہ بہت کم کچن کا رخ کرتی تھی۔ قاضی اپنے اور اس کے لئے ہوٹل سے کھانا لایا کرتا تھا۔ عظمیٰ کے آ جانے سے قاضی اور اس کی بیوی کو کھانے کی سہولت ہو گئی تھی۔

تین ماہ میں وہ لوگ آپس میں اس قدر گھل مل گئے کہ دیکھنے والا یہ کہہ ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ دو الگ الگ فیملیز ہیں۔ وہ ایک خاندان کی طرح رہ رہے تھے۔ ایک رات قاضی نے فرقان کو ایک اچھوتا اور عجیب وغریب مشورہ دیا۔

"فرقان صاحب! مجھے باخبر ذرائع سے پتا چلا ہے کہ عنقریب پراپرٹی کی مارکیٹ بہت تیز ہونے والی ہے۔ اگر آنے والے تین ماہ میں کسی نے اپنا گھر بنا لیا تو بنا لیا ورنہ زندگی بھر نہیں بنا سکے گا۔"

"ہاں قاضی صاحب! میں نے بھی لوگوں کو اس قسم کی باتیں کرتے ہوئے سنا ہے۔" فرقان نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔ "لیکن آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں.....؟"

"تمہارے تمام تر حالات سے میں پوری طرح آگاہ ہو چکا ہوں۔ فرقان بیٹا۔" قاضی نے اپنائیت بھرے لہجے میں کہا۔ "آپ اپنے گھر کی طرف واپس نہیں جا سکتے ہو کیونکہ آپ کے والدین نے واپسی کے لئے جو کڑی شرط رکھی ہے اسے پورا کرنا آپ کے بس کی بات نہیں۔ آپ ایک سمجھ دار شوہر ہیں اور اپنی بیوی سے محبت کرتے ہیں۔ والدین کو جوائن کرنے کے لئے آپ عظمیٰ کو اپنی زندگی سے نکالنے کی حماقت کبھی نہیں کر سکتے اور آپ کو کسی قیمت پر ایسا کرنا بھی نہیں چاہئے۔"

قاضی سانس درست کرنے کے لئے تھما تو فرقان خاموش سوالیہ نظر سے اسے تکنے لگا۔ قاضی سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

"اور آپ سسرال کی جانب سے کسی قسم کا احسان لینے کے حق میں نہیں ہیں' یہ بات بھی میں اتنے دنوں میں اچھی طرح جان گیا ہوں۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا فرقان میاں؟"

"نہیں قاضی صاحب! آپ بالکل درست فرما رہے ہیں۔" فرقان نے گردن کو اثباتی جنبش دی۔ "لیکن میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں کہ اس وقت آپ نے یہ موضوع کیوں چھیڑا ہے؟"

"میری یہ خواہش ہے کہ آپ کا بھی اپنا ذاتی گھر ہو۔" قاضی وحید نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

"یہ خواہش تو خود میری بھی ہے۔" فرقان نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔" لیکن اس خواہش کی تکمیل اتنی آسان نہیں...... بلکہ میرے خیال میں یہ تقریباً ناممکن ہے۔"

"فرقان صاحب! اس دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔" قاضی نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔" اگر انسان کا ارادہ مضبوط ہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔"

"لیکن قاضی صاحب......" فرقان نے تلخ لہجے میں کہا۔" ارادے کی مضبوطی اپنی جگہ ذاتی گھر کے لئے جتنی رقم کی ضرورت ہوتی ہے وہ کہاں سے آئے گی؟"

"آپ کے خیال میں ایک چھوٹا سا ذاتی گھر کتنے میں مل سکتا ہے؟"

"لگ بھگ دو لاکھ روپے میں......" فرقان نے جواب دیا۔

"اور اگر پچاس، ساٹھ ہزار روپے میں مل جائے تو......؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا قاضی صاحب!"

"سوال اور جواب کی پیدائش میں ذہن کو نہ تھکائیں فرقان صاحب!" قاضی نے اپنے سوال کو دہراتے ہوئے کہا۔" اگر پچاس ساٹھ ہزار روپے میں آپ کو چھوٹا سا ذاتی گھر مل جائے تو......؟"

"کیا آپ قسطوں والے گھر کی بات کر رہے ہیں؟" ایک ممکنہ اندیشے نے فرقان کے سر پر انگڑائی لی۔

"نہیں......قطعاً نہیں۔" قاضی دوٹوک لہجے میں بولا۔

"میرے لئے یہ ناقابلِ یقین ہوگا۔" فرقان نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔" میں اسے ایک معجزہ ہی سمجھوں گا۔"

"فرقان صاحب!" قاضی نے گہری سنجیدگی سے کہا۔" اگر آپ پچاس، ساٹھ ہزار روپے خرچ کرنے کی پوزیشن میں ہیں تو آپ بھی دو کمرے کے ایک چھوٹے سے گھر کے مالک بن سکتے ہیں۔"

"اتنی رقم تو دو کمروں کی تعمیر پر ہی خرچ ہو جائے گی قاضی صاحب!" فرقان نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

"آپ بھی کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں؟"

"بس......دو کمرے ہی تو ڈالنا ہیں......" قاضی نے سادگی سے کہا۔

واقعہ آج سے لگ بھگ چالیس سال پہلے کا ہے اس لئے قیمتوں کے سلسلے میں حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس زمانے میں آج کل کی طرح مہنگائی نے آسمان کو نہیں چھو رکھا تھا۔

"میں کچھ سمجھا نہیں قاضی صاحب......؟" فرقان نے الجھے بھرے انداز میں قاضی وحید کی جانب دیکھا۔ "دو کمرے ڈالنا ہیں تو کہاں...... ہوا میں تو تعمیر نہیں ہو سکتی نا۔"

"ہوا میں نہیں، تعمیر چھت پر ہو گی فرقان صاحب!" قاضی نے معنی خیز نظر سے فرقان کو دیکھا۔

"چھت پر تعمیر......" فرقان کی الجھن دوچند ہو گئی۔

"کیوں پہیلیاں بجھوا رہے ہیں قاضی صاحب......"

"ارے، آپ میری بات کو مذاق سمجھ رہے ہیں فرقان صاحب!" قاضی نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"آپ نے بات ہی ایسی کی ہے قاضی صاحب!" فرقان ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ "بھلا مجھے کون اپنی چھت پر مکان بنانے کی اجازت دے گا؟"

"میں...... اور کون!" قاضی اپنا سینہ ٹھونکتے ہوئے بولا۔ "اگر آپ رقم کا بندوبست کر لیں تو میرے مکان کی چھت حاضر ہے اور وہ بھی...... بالکل مفت۔"

"یہ...... یہ آپ...... کیا کہہ رہے ہیں...... قاضی صاحب؟" فرقان بے یقینی سے اسے دیکھتا چلا گیا۔

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں فرقان صاحب!" قاضی نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔ "آپ میرے بیٹے کی طرح ہیں۔ اگر آپ کہیں سے پچاس، ساٹھ ہزار روپے کا انتظام کر کے میرے مکان کی چھت پر دو کمرے ڈال لیں تو آپ بھی اپنے گھر کے مالک بن جائیں گے۔ میں آپ سے زمین کی قیمت وصول نہیں کروں گا اور جہاں تک آپ والے پورشن کی ملکیت یا مالکانہ حقوق کا تعلق ہے تو......" وہ سانس لینے کے لئے رکا، پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"جب اوپر والے پورشن کی تعمیر مکمل ہو جائے گی اور آپ اوپر شفٹ ہو جائیں گے تو باقاعدہ کسی تجربہ کار وکیل کی مدد سے بالائی منزل کی ملکیت کے کاغذات آپ کے نام بنوا لیں گے......"

وہ بہت سے سوالات جو فرقان کے ذہن میں بالائی پورشن کی ملکیت کے حوالے سے ابھر رہے تھے ان کا جواب قاضی نے بنا پوچھے ہی دے دیا تھا' لیکن پھر بھی اپنے اطمینان کی خاطر اس نے پوچھ لیا۔

"قاضی صاحب! یہ ٹھیک ہے کہ بالائی منزل کی تعمیر پر میں اپنی جیب سے خرچ کروں گا' لیکن بہرحال وہ چھت تو آپ ہی کے مکان کی ہوگی نا۔ آپ اس کی قیمت کیوں نہیں وصول کریں گے؟"

"فرقان صاحب! آپ کے اس سوال کے میرے پاس دو جواب ہیں۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "آپ کو جو بھی جواب پسند آئے وہ منتخب کرلیں۔"

"اور وہ دو جواب کون سے ہیں؟" فرقان ہمہ تن گوش ہوگیا۔

"جواب نمبر ایک......" قاضی نے ڈرامائی انداز میں کہا۔ "اگر میں یہ کہوں کہ میں آپ کو اپنے بیٹے کی جگہ اور عظمیٰ کو بہو کی جگہ سمجھتا ہوں تو پھر آپ لوگوں سے کسی نوعیت کی وصولی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر آپ لوگوں کو میرا بیٹا اور بہو بننا گوارا نہیں تو پھر ہم آپس میں ایک ایگریمنٹ کر لیتے ہیں اور یہ ایگریمنٹ میرا دوسرا جواب ہوگا۔"

"اب ذرا اس ایگریمنٹ کی بھی وضاحت کریں۔"

قاضی کی بے لوثی کو دیکھتے ہوئے فرقان کی آواز بھی جذبات سے بوجھل ہوگئی تھی۔

"دیکھو عرفان میاں!" قاضی نے اضطراری انداز میں کہا۔ "آپ نے تین ماہ میں دیکھ ہی لیا کہ آپ کی' آنٹی نگہت کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی اور میں بھی مزید کتنا جی لوں گا......"

"یہ آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں قاضی صاحب!" فرقان نے دزدیدہ نظر سے قاضی وحید کی جانب دیکھا۔ "اللہ آپ کی عمر دراز کرے۔"

"انسان کی عمر کتنی بھی دراز کیوں نہ ہو جائے اسے ایک روز اس دنیا سے رخصت ہونا ہی پڑتا ہے۔" قاضی نے کسی مفکر کی طرح' سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں جس ایگریمنٹ کی بات کر رہا ہوں وہ ہماری زندگی سے متعلق ہے۔ اگر میں نگہت سے پہلے چل بسوں تو اس ایگریمنٹ کی رو سے میرے بعد آپ لوگ نگہت کا بھرپور خیال رکھو گے اور اگر نگہت مجھے داغ مفارقت دے گئی تو عظمیٰ کی یہ ڈیوٹی ہوگی کہ وہ صبح شام میرے لئے کھانے کا بندوبست کرے گی اور ہاں......" اس نے ڈرامائی انداز میں توقف کیا

پھر اپنے بیان کو مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"یہ ایگریمنٹ کسی اسٹیمپ پیپر وغیرہ پر تیار نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ ہمارے بیچ ایک زبانی معاہدہ ہوگا جس کی اخلاقی پاسداری دونوں فریقوں پر لازم ہوگی۔"

"قاضی صاحب! آپ بہت ہی ذہین' سمجھ دار اور عظیم انسان ہیں۔" فرقان نے جذبات سے مغلوب آواز میں کہا۔" آپ کی دونوں شرائط ایک دوسرے کا عکس ہیں۔ اگر ہم آپ کا بیٹا اور بہو بن جاتے ہیں تو وہ تمام تر ذمے داری ہمارے فرائض کا حصہ بن جائے گی' جس کا ذکر آپ نے ایگریمنٹ والے جواب میں کیا ہے اور اگر ہم پہلی شرط کو نظر انداز کر کے ایگریمنٹ کرتے ہیں تو ہمارا عمل اس بات کو ثابت کرے گا کہ ہم نے ایک فرماں بردار بیٹے اور ایک سلیقہ شعار بہو کی طرح آپ کا خیال رکھا ہوا ہے۔"

"میں آپ کی تجویز پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں۔" فرقان نے رضامندی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"مگر......"

"مگر کیا؟" فرقان نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تو قاضی نے تشویش ناک انداز میں استفسار کیا۔

"میں فوری طور پر پچاس' ساٹھ ہزار روپے کا بندوبست نہیں کرسکوں گا۔" فرقان نے اپنی مشکل کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"فرقان صاحب! آپ بینک میں ملازم ہیں۔" قاضی نے گمبھیر انداز میں کہا۔" آپ کو تو بڑی آسانی سے قرضہ مل جائے گا۔ آپ کا بینک مشکل وقت میں کام نہیں آئے گا تو اس کا اچار ڈالنا ہے کیا......؟"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں قاضی صاحب! بینک سے قرضہ لینے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔" فرقان نے اپنی الجھن کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن مسئلہ یہ ہے کہ یہ کام ایک ماہ کے بعد ممکن ہو سکے گا۔"

"اس کا کوئی خاص سبب؟" قاضی وحید نے پوچھا۔

"میں نے کچھ عرصہ پہلے موٹر سائیکل کی خریداری کے لئے بینک سے قرض لیا تھا۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔" اس قرض کی ایک قسط باقی ہے جو اگلے ماہ ہو جائے گی۔ وہ

قرض کلیئر ہو جائے تو میں نئے قرض کے لئے درخواست دے سکوں گا۔"

"ہوں......!" قاضی نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی اور پوچھا۔"قرض کی درخواست کے کتنے عرصے بعد رقم آپ کے اکاؤنٹ میں آ جائے گی؟"

"قرض کی منظوری کا پراسس مکمل ہونے میں زیادہ سے زیادہ ایک ماہ لگ جائے گا۔" فرقان نے بتایا۔

"اس کا مطلب ہے' قرض کی رقم آپ کے استعمال میں آنے میں دو ماہ لگ جائیں گے۔"

"جی اتنا عرصہ تو لگ ہی جائے گا۔" فرقان نے کہا۔

"مگر دو ماہ کے اندر تو بلڈنگ میٹریل کے نرخ بہت اوپر چلے جائیں گے۔" قاضی نے متفکرانہ انداز میں کہا۔"میں اسٹیٹ کا بزنس کرتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے' آنے والے دو ماہ میں سریا' سیمنٹ' ریت' بلاکس اور دیگر سامان تعمیرات کی قیمت دگنی نہیں تو ڈیڑھ گنا ضرور ہو جائے گی۔ جو کام آج پچاس' ساٹھ ہزار میں ہو رہا ہے وہ ستر' اسی ہزار میں جا کر بیٹھے گا۔"

"یہ تو ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے لئے کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔" فرقان نے سرسری انداز میں کہا۔"نہ تو میں دو ماہ سے پہلے قرض لے سکتا ہوں اور نہ ہی ہم بلڈنگ میٹریل کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کو کنٹرول کر سکتے ہیں۔"

"کر سکتے ہیں......" قاضی نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔"ہم بلڈنگ میٹریل کی قیمتوں کو کنٹرول کر سکتے ہیں۔"

"وہ کیسے؟" فرقان نے چونکتے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

"میری دو تین بلڈنگ میٹریل اسٹور والوں سے اچھی جان پہچان ہے۔" قاضی اپنے منصوبے کی تفصیل بیان کرنے لگا۔"ہم ان سے ابھی کے مارکیٹ ریٹ پر اپنی ضرورت کا سامان خرید لیتے ہیں۔ادائیگی دو ماہ کے بعد کر دیں گے۔"

"کیا وہ دو ماہ کے کریڈٹ پر ہمیں بلڈنگ میٹریل فراہم کرنے پر راضی ہو جائیں گے؟" فرقان نے پوچھا۔

"سامان تو ہم اسی وقت اٹھائیں گے جب ادائیگی کریں گے۔" قاضی نے کہا۔"ابھی تو صرف زبانی بکنگ ہو گی۔"

''بکنگ ابھی ہوگی اور وہ بھی ایک روپیہ ادا کیے بغیر......'' فرقان نے تصدیق طلب نظر سے قاضی کی طرف دیکھا' ''مگر اپنی ضرورت کا سامان ہم دو ماہ کے بعد اٹھائیں گے اور وہ بھی آج کے ریٹ کے حساب سے۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا......؟''

''بالکل ٹھیک۔'' قاضی نے حتمی لہجے میں کہا۔ ''میں اتنی دیر سے آپ کو یہی بات سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

''قاضی صاحب!'' فرقان ایک آسودہ سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''اگر آپ کے تعلقات کی بنا پر یہ سہولت حاصل ہو سکتی ہے تو میری طرف سے آپ ''ڈن'' سمجھیں۔ میں دو ماہ کے بعد رقم کا بندوبست کر دوں گا۔''

اس کے بعد تمام مراحل آسانی سے طے ہو گئے۔ ان دونوں کے بیچ یہ میٹنگ مارچ کے مہینے میں ہوئی تھی۔ اپریل میں فرقان کا موٹر سائیکل والا قرض کلیئر ہوا۔ مئی میں اس نے بینک سے ایک لاکھ کا لون منظور کرا لیا۔ پچیس مئی کو ایک لاکھ کی رقم فرقان کے اکاؤنٹ میں جمع ہو چکی تھی۔ جون کے پہلے ہفتے میں بالائی منزل کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔ دس جولائی کو مکمل ہوا اور فرقان عظمٰی کے ساتھ بالائی پورشن میں منتقل ہو گیا۔ اس نے بینک سے جو ایک لاکھ روپے قرض اٹھایا تھا ان میں سے دل کھول کر پچھتر ہزار بالائی منزل کی تعمیر پر خرچ ہوئے تھے اور پچیس ہزار اس نے زیریں منزل کی منتخب مینٹی نینس پر لگا دیئے تھے۔ یہ قاضی کے لئے فرقان کی محبت کا اظہار تھا۔ گویا ایک لاکھ کی رقم اسی گھر کے اندر ''غائب'' ہو گئی تھی۔

فرقان اور عظمٰی نے اس گھر کے بالائی پورشن پر جولائی' اگست بڑے امن و سکون سے گزارے تھے۔ ستمبر کا مہینہ اپنے اختتام پر ستمگر کی شکل اختیار کر گیا۔ ان کی زندگی میں وہ ٹوئسٹ آیا جس کا وہ کبھی تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ وہ لوگ اچانک بیٹھے بٹھائے ایک مصیبت میں گھر گئے تھے۔

قاضی وحید جو پچھلے آٹھ نو ماہ سے ایک فرشتہ صفت انسان کے روپ میں ان کے دل و دماغ میں جگہ بنا چکا تھا' جب اس کا اصلی چہرہ ان پر عیاں ہوا تو ان کے چودہ طبق گل ہو گئے۔ قاضی کی عیاری اور مکاری کا شکار ہو کر پہلے انہیں گھر سے بے گھر ہونا پڑا اور پھر فرقان قتل کے الزام میں پولیس کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔

☆......☆......☆

ریمانڈ کی مدت پوری ہونے کے بعد پولیس نے چالان عدالت میں پیش کر دیا۔ میں نے فرقان کے وکیل کی حیثیت سے اپنا وکالت نامہ اور اپنے مؤکل کی درخواست ضمانت دائر کر دی۔ جج کرسی انصاف پر آ کر بیٹھا تو میں نے اپنے مؤکل کی ضمانت کے حق میں دلائل دیتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی! میرا مؤکل اس معاشرے کا ایک شریف النفس اور امن پسند شہری ہے۔ اس کا ماضی بے داغ ہے۔ اسے ایک گہری سازش کے تحت قتل کے اس کیس میں پھانسنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کا قصور صرف اتنا سا ہے کہ اس نے اپنی سادگی کی وجہ سے مقتولہ کے شوہر اسٹیٹ ایجنٹ قاضی وحید پر آنکھیں بند کر کے بھروسا کر لیا تھا۔"

"یور آنر!" وکیل استغاثہ نے ملزم کی ضمانت کی مخالفت کرتے ہوئے کہا۔ "میرے فاضل دوست ملزم کو معصوم اور سادہ لوح ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ جس شخص نے کامرس میں ماسٹرز کر رکھا ہو اور ایک پرائیویٹ بینک میں ملازمت کرتا ہو۔ دن رات مالیاتی میٹرز سے اس کا واسطہ پڑتا ہو وہ اتنا سادہ اور بے وقوف نہیں ہوسکتا کہ چپ چاپ آنکھیں بند کر کے کسی کی پراپرٹی میں ایک لاکھ روپے کی انوسٹمنٹ کر دے۔"

"محبت اور اخلاص کو اگر منفی انداز میں استعمال کیا جائے تو یہ میٹھی چھری اور زہر ہلاہل کی طرح کام کرتے ہیں۔" میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ "ملزم اسی لئے فریب کھا گیا کہ اس کے مالک مکان قاضی وحید نے اسے اخلاق اور جذبات کی مار ماری تھی۔ ملزم کی جگہ کوئی اور شخص بھی ہوتا تو وہ وہی کرتا جو ملزم نے کیا۔"

"ملزم نہایت ہی عیار اور مکار شخص ہے۔" وکیل استغاثہ نے اکیوزڈ باکس میں خاموش کھڑے فرقان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اس نے اپنے مسائل کا رونا رو کر پہلے مقتولہ کے شوہر قاضی وحید کے دل میں جگہ بنائی' پھر ایک کرائے دار کی حیثیت سے اپنی بیوی سمیت ان کے گھر میں داخل ہو گیا۔ مقتولہ ایک بیمار اور نرم دل خاتون تھی۔ ان دونوں میاں بیوی نے محبت کا ناٹک رچا کر مقتولہ اور اس کے شوہر کے دل جیت لئے۔ تین ماہ کے بعد قاضی وحید نے ان کی الگ رہائش کے لئے اپنے گھر کی چھت پر دو کمرے کا ایک پورشن تعمیر کرا دیا۔ یہ لوگ بالائی منزل پر شفٹ ہو گئے اور پھر دو ماہ بعد ہی انہوں نے اپنے

منصوبے کے مطابق قاضی وحید سے مطالبہ کر دیا کہ وہ اس کے گھر میں نہیں رہنا چاہتے لہٰذا قاضی صاحب انہیں ڈیڑھ لاکھ روپے ادا کر دیئے۔ ایک لاکھ وہ جو ملزم نے بالائی منزل کی تعمیر پر خرچ کیا تھا اور پچاس ہزار روپے وہ جو پچھلے چھ ماہ میں قاضی وحید مختلف مد میں ملزم سے لیتا رہا تھا۔ جب مقتول کے شوہر نے ملزم کے مطالبے کو باطل قرار دیتے ہوئے اس پر واضح کیا کہ اس کے گھر کی تعمیر میں ملزم کا ایک پیسہ بھی خرچ نہیں ہوا اور نہ ہی اس نے ملزم سے کبھی کسی مد میں کوئی رقم لی تو یہ سن کر ملزم بھپر گیا۔ ان دونوں کے بیچ شدید نوعیت کا جھگڑا ہوا اور ملزم نے قاضی وحید کو یہ دھمکی دی کہ اگر اس نے شرافت سے ملزم کو ڈیڑھ لاکھ روپے ادا نہ کئے تو پھر اسے خطرناک نتائج کے لئے تیار رہنا چاہئے......" وہ سانس ہموار کرنے کے لئے تھما پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"پھر پندرہ اکتوبر کی شام ملزم نے اپنی سنگین دھمکی پر عمل کر دکھایا۔ وہ موقع پا کر ایسے وقت مقتولہ کے گھر میں گھسا جب اس کا شوہر وہاں موجود نہ ہو۔ ملزم نے مقتولہ کے گھر سے ایک لاکھ روپے چوری کئے اور مقتولہ کی مزاحمت پر اسے اگلا گھونٹ کر موت کے گھاٹ اتار دیا اور جائے وقوعہ سے فرار ہو گیا۔ اس کی بدقسمتی کہ جب وہ مقتولہ کے گھر سے نکل رہا تھا تو قاضی وحید وہاں پہنچ گیا۔ ملزم قاضی کو نہیں دیکھ سکا تھا تاہم قاضی وحید اسے افراتفری کے عالم میں وہاں سے جاتے دیکھ کر چونک اٹھا۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے اپنے گھر میں داخل ہوا' پھر حقیقت کسی بم کے مانند اس کے سر پر پھٹی۔ اس کی بیوی بیڈ روم میں مردہ پڑی تھی۔ مقتولہ کے لباس کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ اس کی مزاحمت کے نتیجے میں ملزم نے گلا گھونٹ کر اس کی جان لے لی تھی۔ بیڈروم میں موجود الماری بھی کھلی پڑی تھی' جس کے ایک خفیہ خانے میں قاضی وحید نے ایک لاکھ روپے رکھے ہوئے تھے۔ مذکورہ رقم کو غائب پا کر قاضی وحید کا دماغ گھوم گیا۔ ملزم نے من و عن اپنی خطرناک دھمکی پر عمل کر ڈالا تھا۔"

"جناب عالی!" وکیل استغاثہ کے خاموش ہونے پر میں نے ملزم کی ضمانت کے حق میں دلائل دیتے ہوئے کہا۔ "وکیل سرکار حق کو توڑ مروڑ کر پیش کر رہے ہیں۔ میرا مؤکل نہ تو قاتل ہے اور نہ ہی اس نے مقتول کے گھر سے ایک روپیہ بھی چرایا ہے۔ مقتول کے شوہر نے ہوشیاری اور چال بازی سے ملزم کے ایک لاکھ روپے اپنے گھر کی بالائی منزل کی تعمیر پر خرچ کرائے۔ یہ رقم ملزم نے اپنے بینک سے قرض لی تھی۔ جب اس کا مقصد پورا ہو گیا تو اس نے

ایک خوب صورت سازش کے تحت پہلے ملزم کو گھر چھوڑنے پر راضی کیا' پھر اس سے ہمیشہ کے لئے جان چھڑانے کی غرض سے اسے اپنی بیوی کے قتل میں ملوث کر کے یہ خطرناک ڈراما رچایا ہے لہٰذا میری معزز عدالت سے استدعا ہے کہ میرے مؤکل کی درخواست ضمانت کو منظور کرتے ہوئے اس کی رہائی کے احکام صادر فرمائے جائیں۔''

''ملزم کی ضمانت پر رہائی انصاف کے اصولوں کے منافی ہو گی جناب عالی!'' وکیل استغاثہ نے ضمانت رکوانے کی کوشش جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''ملزم نے قتل اور ڈکیتی جیسے سنگین جرائم کا ارتکاب کیا ہے۔ اس کا ٹرائل لازمی ہے۔''

''جناب عالی! آج عدالتی کارروائی کا آغاز ہوا ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''یہ کیس اتنا سیدھا اور سادا نہیں جیسا کہ استغاثہ کی رپورٹ اور چالان میں دکھایا گیا ہے۔ اس کے اندر بہت سے پیچیدہ اور نازک موڑ ہیں۔ میں مناسب وقت آنے پر ثابت کروں گا کہ میرے مؤکل کو ایک گھناؤنی سازش کے تحت اس کیس میں پھانسنے کی کوشش کی گئی ہے۔''

''یور آنر......!'' وکیل استغاثہ نے جج کی جانب دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''میں اپنے فاضل دوست کی ''مناسب وقت'' والی بات سے اتفاق کرتے ہوئے معزز عدالت سے گزارش کرتا ہوں کہ فی الحال ملزم کی درخواست ضمانت کو رد کرتے ہوئے اسے جوڈیشل ریمانڈ پر جیل کسٹڈی میں بھیج دیا جائے۔ جب مناسب وقت آئے گا اور میرے فاضل دوست اپنے مؤکل کی بے گناہی ثابت کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے تو معزز عدالت انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لئے آزاد ہو گی......''

ہمارے درمیان مزید پندرہ بیس منٹ تک ضمانت کے حق اور مخالفت میں دلائل کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر جج نے درخواست ضمانت کو رد کرتے ہوئے ملزم فرقان کو جوڈیشل ریمانڈ پر جیل کسٹڈی کے احکام جاری کرنے کے بعد' پندرہ روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

میں عدالت کے کمرے سے باہر نکلا تو علی مراد میرے ساتھ تھا۔ ہمارے درمیان کیس کے مختلف پہلوؤں پر بات چیت جاری تھی۔ جب جیل کی وین فرقان کو لے کر عدالت کے احاطے سے نکل گئی تو میں نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑاتے ہوئے علی مراد سے پوچھا۔

''آپ کو فرقان کے گھر والوں میں سے کوئی دکھائی دے رہا ہے؟''

''نہیں بیگ صاحب!'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

'' حالانکہ میں آج ان کی آمد کی توقع کر رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ان میں سے ضرور کوئی عدالت پہنچے گا' مگر لگتا ہے...... ان کے سینے میں دل نہیں' پتھر ہیں۔''

'' یہ جو بھی ہے' نہایت ہی افسوس ناک ہے۔'' میں نے تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔'' ان لوگوں کو ایسے سفاک رویے کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔''

'' بہرحال......'' علی مراد گردن کو نفی میں جھٹکا دیتے ہوئے بولا۔'' مجھے اس بات کی پروا بھی نہیں کہ فرقان کے گھر والوں کو اس کا خیال آتا ہے یا نہیں۔ وہ میرا داماد ہے' میری بیٹی کا سہاگ ہے۔ میں نے ہمیشہ اسے اپنا بیٹا سمجھا ہے۔ اس کی باعزت رہائی کے لئے میں بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار ہوں۔''

''میں آپ کے جذبے کی قدر کرتا ہوں علی مراد صاحب!'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''فرقان خوش قسمت ہے کہ اسے آپ جیسا سسر ملا۔ آپ فکر نہ کریں۔ آپ کو کوئی قربانی نہیں دینا پڑے گی۔''

''آپ نے کیس تو اچھی طرح سٹڈی کر لیا ہوگا۔'' وہ امید بھری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔'' آپ کو کیا لگتا ہے' فرقان کی رہائی کے کتنے فیصد امکان ہیں؟''

''ایک سو ایک فیصد!'' میں نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔ ''لیکن......!''

''لیکن یہ کہ......'' میں نے وضاحت کرتے ہوئے اسے بتایا۔'' یہ کیس خاصا پیچیدہ اور الجھا ہوا ہے۔ اسے بڑی سوجھ بوجھ اور نزاکت سے سلجھانے کی ضرورت ہے اور مجھے یقین ہے' میں یہ مشکل کام نہایت ہی آسانی سے کر لوں گا' مگر یہاں ایک اور ''لیکن'' بھی کھڑا ہے......''

علی مراد میری بات کی تہ تک پہنچتے ہوئے بولا۔'' اب اس ''لیکن'' کی بھی وضاحت کر دیں بیگ صاحب؟''

'' لیکن اس سلسلے میں مجھے آپ کے بھرپور تعاون کی ضرورت ہوگی۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں ہر قسم کے تعاون کے لئے تیار ہوں جناب!" وہ پُرجوش انداز میں بولا۔
"ہم اس حقیقت سے واقف ہیں کہ فرقان نے نگہت کو قتل کیا ہے اور نہ ہی اس نے قاضی کے گھر سے ایک تنکا بھی چرایا ہے۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "آپ میری بات سے اتفاق کرتے ہیں نا؟"
"بالکل اتفاق کرتا ہوں جناب!" وہ زور دے کر بولا۔ "میں فرقان کو سو فیصد بے گناہ سمجھتا ہوں۔"
"لیکن اس وقت وہ قتل اور ڈکیتی کے کیس میں پھنسا ہوا ہے۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اور اس معاملے سے اسے اس وقت تک نجات نہیں مل سکتی جب تک وہ بالائی منزل والی تعمیر والے ایشو میں سچا اور قاضی وحید جھوٹا ثابت نہ ہو جائے۔"
"یہ کام تو آپ ہی کریں گے بیگ صاحب۔" وہ امید بھری نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔
"یقیناً میں ہی کروں گا' مگر آپ کے تعاون سے۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔
"اس سلسلے میں' میں نے جو منصوبہ بنایا ہے اسے کامیاب کرنے کے لئے مجھے چند لوگوں کے بارے میں معلومات درکار ہوں گی اور یہ معلومات مجھے آپ فراہم کریں گے۔"
"ضرور کروں گا بیگ صاحب!" وہ سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولا۔ "آپ رہنمائی فرمائیں گے تو میں یہ کام بآسانی انجام دے لوں گا۔"
"ٹھیک ہے' آپ کل شام ہی میرے آفس آ جائیں۔" میں نے کہا۔ "میں آپ کو بریف کر دوں گا۔"
اس نے میری ہدایت پر عمل کرنے کا یقین دلایا اور میں اس سے مصافحہ کر کے دوسری عدالت کی جانب بڑھ گیا۔
اگلے روز وہ حسب وعدہ مجھ سے ملنے دفتر آیا۔ ہمارے درمیان لگ بھگ آدھا گھنٹہ گفتگو ہوئی۔ میں نے اسے ان افراد کی فہرست فراہم کر دی جن کے بارے میں مجھے معلومات درکار تھیں۔ ان میں سرفہرست مقتولہ نگہت اور اس کے شوہر قاضی وحید کا نام تھا۔ میں ان کے ماضی کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ چند ایسے افراد تھے جو قاضی وحید کو روزانہ یا اکثر دیکھا کرتے تھے اور چند ایسے افراد جو ملزم فرقان کے گھر سے شناسا تھے۔ میں نے استغاثہ کے دیوزاد کو پچھاڑنے کے لئے جو منصوبہ بندی کی تھی اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے یہ

معلومات مختلف داؤ پیچ کی حیثیت رکھتی تھی۔

''آئندہ پیشی پر عدالت کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہوا۔ جج نے فرد جرم پڑھ کر سنائی۔ ملزم نے صحت جرم سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ملزم فرقان کا حلفیہ بیان ریکارڈ کیا گیا۔ ملزم کا بیان مکمل ہوا تو وکیل استغاثہ نے اسے گھیر لیا۔ لگ بھگ آدھے گھنٹے تک وہ اسے جرح کی چکی میں پیستا رہا۔ فرقان نے میری ہدایت کے عین مطابق نہایت ہی تحمل اور برداشت کے ساتھ وکیل مخالف کے سوالات کے جوابات دیئے۔ اپنی باری پر میں جج کی اجازت سے اکیوزڈ باکس کے قریب پہنچا اور جرح کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

''کیا یہ درست ہے کہ تم جنوری سے مارچ تین ماہ تک مقتولہ کے گھر میں کرائے دار کی حیثیت سے اسی طرح رہے تھے کہ مقتولہ بھی اپنے شوہر کے ساتھ اسی گھر میں رہائش پذیر تھی۔

''پھر مارچ کے بعد کیا ہوا تھا؟''

''مارچ کے مہینے میں مقتولہ کے شوہر نے مجھے مشورہ دیا کہ اگر میں کچھ رقم خرچ کر کے چھت پر دو کمرے ڈال کر ایک چھوٹا سا گھر بنوالوں تو آسانی سے بالائی منزل پر شفٹ ہو سکتا ہوں۔'' ملزم نے جواب دیا۔

''اور قاضی وحید کی یہ بات تمہاری سمجھ میں آ گئی؟''

''پچھلے تین ماہ میں ہمارے درمیان محبت اور اخلاق کا جو رشتہ استوار ہو چکا تھا اس کے پیش نظر مقتولہ کے شوہر کا یہ مشورہ مجھے بھلا لگا۔'' ملزم فرقان نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتایا۔

''اور میں نے بینک لون لے کر اس مشورے پر عمل کر ڈالا۔''

''تم نے اس مقصد کے لئے اپنے بینک سے کتنا قرض لیا تھا؟''

''ایک لاکھ روپے۔'' اس نے بتایا۔

''کیا یہ ایک لاکھ روپے گھر کی بالائی منزل کی تعمیر پر خرچ ہو گئے تھے؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں جناب!'' اس نے نفی میں گردن ہلائی اور بولا۔ ''بالائی منزل کی تعمیر پر تو کم و بیش پچھتر ہزار خرچ ہوئے تھے۔ باقی کے پچیس ہزار زیریں منزل پر مختلف نوعیت کے مرمت کے کاموں پر خرچ ہوئے تھے۔''

''گویا آپ نے بینک سے جو ایک لاکھ کا قرض لیا تھا وہ تمام کا تمام قاضی وحید کی

پراپرٹی کی توسیع' تزئین و آرائش کی نذر ہو گیا......؟'' میں نے تیکھے انداز میں کہا۔

''جی یہی حقیقت ہے۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔

''تم نے کامرس پڑھی ہے اور ایک بینکر ہو۔'' میں نے خفگی آمیز انداز میں کہا۔ ''کسی دوسرے کی پراپرٹی پر بغیر کسی لکھت پڑھت کے تم نے ایک لاکھ روپے خرچ کر دیئے اس موقع پر تمہاری عقل کیا گھاس چرنے گئی تھی؟''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں جناب!'' وہ ندامت بھرے لہجے میں بولا۔ ''میری عقل پر واقعی پردہ پڑ گیا تھا۔ قاضی وحید نے مجھے محبت اور اخلاق کی چھری سے اس طرح ذبح کر ڈالا کہ آخری لمحے تک مجھے اس فراڈ کا احساس نہ ہو سکا۔''

اس کے بعد میں نے فرقان کی زبانی مختلف سوال و جواب کے ذریعے قاضی کی چال بازیوں کی تفصیل اگلوا کر عدالت کے ریکارڈ پر محفوظ کر دی اور آخر میں فرقان سے پوچھا۔

''تمہیں پہلی مرتبہ اس فراڈ کا احساس کب ہوا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''جب قاضی نے مجھ سے کہا کہ وہ مکان کو فروخت کرنا چاہتا ہے۔''

''یہ کب کی بات ہے؟''

''ستمبر کے آخر...... میں اس نے مجھ سے یہ سب کہا تھا۔'' ملزم نے جواب دیا۔ ''ملزم نے مجھے بتایا کہ اس مکان کی ایک پارٹی لگ گئی ہے۔ چھ لاکھ دینے کو تیار ہے۔ بھلے زمانے میں اس نے گھر پر دو لاکھ خرچ کیے تھے۔ بالائی منزل کی تعمیر میں کم و بیش ایک لاکھ میرے لگے تھے۔ اس نے میرے سامنے آفر رکھی کہ اگر وہ مکان چھ لاکھ میں نکل جاتا ہے تو چار لاکھ وہ رکھ لے گا اور دو لاکھ مجھے دے دے گا۔ دونوں کو لگائی ہوئی رقم پر سو فیصد منافع مل جائے گا۔''

''تو کیا تم نے قاضی وحید کی تجویز پر رضامندی ظاہر کر دی تھی؟''

میں چنیدہ اور سلگتے ہوئے سوالات کے ذریعے قاضی وحید کی عیاری عدالت پر عیاں کر رہا تھا۔ جب تک قاضی کا فراڈ عدالت کے ریکارڈ پر رجسٹر نہ ہوتا' میں اپنے مؤکل کو بے گناہ ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ فرقان نے میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا۔

''میرے پاس رضامندی ظاہر کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا؟''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

"بالائی منزل کے مالکانہ حقوق تمہارے پاس تھے۔ پھر کیسی مجبوری۔ وہ تمہاری مرضی کے بغیر پورے گھر کو فروخت کرنے کے اختیارات نہیں رکھتا تھا۔"

"نہیں جناب! حقیقت اس سے قطعی مختلف تھی......" اس نے بتایا۔

"عدالت حقیقت جاننا چاہتی ہے۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں نے دیکھا' جج پوری توجہ اور دلچسپی سے میرے اور ملزم کے درمیان جاری سوال و جواب کو سماعت کر رہا تھا۔ یہ میرے لئے ایک خوش آئند بات تھی۔

"حقیقت یہ ہے جناب......!" ملزم نے معتدل انداز میں بتانا شروع کیا۔" بالائی منزل کی ملکیت کے حوالے سے قاضی نے مجھ سے جتنی بھی باتیں کی تھیں وہ زبانی جمع خرچ سے آگے نہیں بڑھ سکی تھیں۔ ابھی بالائی منزل کی ملکیت کے کاغذات تیار نہیں ہوئے تھے کہ قاضی نے مکان کو فروخت کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اسے روکنے کے لئے میرے پاس اختیارات نہیں تھے۔"

"اختیارات اس لئے نہیں تھے کہ تم نے اپنے ہاتھ پاؤں کاٹ کر قاضی کی جھولی میں ڈال دیئے تھے۔" میں نے خفگی آمیز لہجے میں کہا' پھر پوچھا۔" قاضی کی مکان فروخت کرنے کی سکیم کے جواب میں تم نے کیا کہا تھا؟"

"میں نے قاضی سے کہا تھا کہ وہ مکان فروخت کر دے گا تو انہیں فوری طور پر گھر خالی کرنا ہوگا۔ پھر میں اپنی بیوی کو لے کر کہاں جاؤں گا؟"

"اس نے کیا جواب دیا تھا؟"

"وہ بولا۔ تم چند دن کے لئے اپنی سسرال چلے جانا اور میں اپنے کسی رشتہ دار کے پاس چلا جاؤں گا۔" ملزم نے جواب دیا۔" پھر جب مکان کی فروخت کا پراسس مکمل ہو جائے گا تو وہ دو لاکھ مجھے دے دے گا۔ اس کے بعد میں آزاد ہوں گا کہ کہیں بھی رہوں۔ اس کے ساتھ ہی قاضی نے مجھے ایک تجویز بھی دی تھی۔"

"کیسی تجویز؟" میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"آبجیکشن یور آنر!" وکیل استغاثہ جو کافی دیر سے خاموش کھڑا' میرے اور ملزم کے بیچ ہونے والی گفتگو کو تحمل سے سن رہا تھا' اچانک پھٹ پڑا۔

تمام حاضرین عدالت نے چونک کر وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا۔ جج نے اس سے

استفسار کیا۔

"وکیل صاحب! آپ کو کس بات پر اعتراض ہے؟"

"جناب عالی!" وہ جج کے سوال کے جواب میں بولا۔ "اس وقت عدالت میں نگہت مرڈر کیس کی سماعت ہو رہی ہے اور ڈیفنس کونسلر ملزم کو کسی اور موضوع میں الجھا کر عدالت کا قیمتی وقت برباد کر رہے ہیں۔ انہیں غیر متعلقہ باتوں سے باز رہنے کی تلقین کی جائے۔"

"جناب عالی!" وکیل استغاثہ کے حملے کے جواب میں میں نے کہا۔ "میں نے اب تک اپنے مؤکل سے ایک بھی غیر متعلقہ اور غیر ضروری سوال نہیں کیا۔ میرے مؤکل کے ساتھ ایک لاکھ روپے کا فراڈ کیا گیا ہے۔ جب تک اس فراڈ کی تفصیلات معزز عدالت کے ریکارڈ پر نہیں آ جاتیں قتل کے محرکات کو نہیں جانا جا سکتا۔ میں آگے چل کر یہ ثابت کر دوں گا کہ میرا مؤکل بے گناہ ہے اور ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت اسے اس قتل کے کیس میں ملوث کیا گیا ہے۔"

"یور آنر! میرے فاضل دوست جتنی سست روی سے ملزم پر جرح کر رہے ہیں اس کو دیکھ کر تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ ملزم پر جرح مکمل کرنے میں انہیں مزید دو تین پیشیوں کی ضرورت ہو گی۔" وکیل استغاثہ نے برا سا منہ بنا کر مجھ پر چوٹ کی۔ "استغاثہ کے گواہوں کو بھی عدالت میں پیش کرنا ہے۔ اس طرح تو یہ کیس لٹکتا چلا جائے گا۔"

وکیل استغاثہ نے میری سمت جو اینٹ پھینکی تھی اس کے جواب میں ایک پتھر لڑھکانا مجھ پر واجب ہو گیا تھا۔ میں نے جج کی طرف دیکھتے ہوئے گمبھیر انداز میں کہا۔

"جناب عالی! جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میرے مؤکل کے ساتھ ہونے والے جائیداد فراڈ کو بے نقاب کیے بغیر نگہت مرڈر کیس کو حل کرنا ممکن نہیں لہٰذا معزز عدالت سے میری استدعا ہے کہ مجھے ملزم پر اپنی جرح مکمل کرنے کے لئے تھوڑا ٹائم دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی وکیل سرکار کو بھی اس امر کا پابند بنایا جائے کہ وہ میری جرح کے دوران کسی قسم کی مداخلت کا خیال دل سے نکال دیں اور جہاں تک استغاثہ کے گواہوں کا تعلق ہے......" میں نے جملہ نامکمل چھوڑ کر ایک گہری سانس خارج کی پھر ڈرامائی انداز میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"اگر مجھے کھل کر بولنے کا موقع دیا گیا اور مجھے توجہ سے سننے کی کوشش کی گئی تو میں

بڑے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ استغاثہ کے گواہوں کو زحمت دینے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔"

وکیل استغاثہ نے میرے انکشاف پر حیرت بھری نظر سے پہلے مجھے اور جج کو دیکھا' جیسے میں نے کوئی انہونی بات کہہ دی ہو تاہم اس نے "آبجیکشن یور آنر" کا نعرہ لگانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

جج نے میری جانب دیکھتے ہوئے تحکمانہ انداز میں کہا۔ "جرح جاری رکھی جائے۔"

"میں ایک مرتبہ پھر ملزم کی طرف متوجہ ہو گیا اور جرح کے ٹوٹے ہوئے سلسلے کو پھر سے جوڑتے ہوئے کہا۔ "تم قاضی وحید کی کسی تجویز کے بارے میں بتا رہے تھے؟"

"قاضی نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر میں چاہوں گا تو دوبارہ بھی ایک ساتھ رہ سکتے ہیں۔" ملزم فرقان نے بتایا۔

"چھ لاکھ میں کوئی بڑا گھر خرید لیا جائے گا۔"

"میں نے کہا تھا' بعد کی بعد میں دیکھیں گے۔"

"میں نے پوچھا۔ "پھر کیا ہوا تھا؟"

"پھر...... قاضی کے مشورے پر میں عظمیٰ کے ساتھ اپنی سسرال میں شفٹ ہو گیا۔" ملزم ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ "قاضی نے کہا تھا کہ وہ بھی اپنے کسی رشتے دار کے یہاں چلا جائے گا' مگر جب ایسا نہیں ہوا اور قاضی اپنی بیوی نگہت کے ساتھ بدستور اسی گھر میں جما رہا تو مجھے تشویش ہوئی۔ میں نے "قاضی اسٹیٹ" جا کر اس سے بات کی۔ اس نے ٹال مٹول کی راہ اپنائی اور "آج' کل' آج کل" کرنے لگا۔ میں سمجھ گیا کہ اس کی نیت میں فتور آ گیا ہے......"

"لیکن یہ سمجھ تمہیں بہت دیر میں آئی۔" اس نے لمحاتی توقف کیا تو میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔ "اس وقت تک پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا' بہرحال...... یہ بتاؤ' تم نے قاضی وحید کا گھر کب چھوڑا تھا؟"

"مکان کی فروخت کا معاملہ ستمبر کے آخری دنوں میں سامنے آیا تھا۔" وہ پُراعتماد انداز میں بولا۔ "اور ہم نے اکتوبر کی ابتدائی تاریخوں میں...... بلکہ مجھے اچھی طرح یاد ہے' تین اکتوبر کو شفٹنگ کی تھی۔"

''آپ لوگوں نے تین اکتوبر کو قاضی کے گھر کو خیر باد کہہ دیا اور پھر اکتوبر کو تمہیں قاضی کی بیوی نگہت کے قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا جاتا ہے۔'' ملزم نے اپنی جرح کو سمیٹتے ہوئے کہا۔'' تین سے پندرہ اکتوبر کے درمیان کیا ہوتا رہا؟''

'' جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔'' ہم نے قاضی کے ایما پر شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا گھر چھوڑ دیا تھا۔ تین اکتوبر سے چودہ اکتوبر تک ہر دوسرے تیسرے دن قاضی کی ایجنسی کے چکر کاٹتا رہا تاکہ اس سے دو لاکھ کی رقم وصول کر سکوں' لیکن ہر مرتبہ وہ کوئی نیا بہانہ بنا کر کل پر ٹال دیتا تھا۔ چودہ اکتوبر کی شام میں نے اس کے ساتھ اچھی خاصی تلخ کلامی کر ڈالی حالانکہ یہ میرا مزاج نہیں ہے۔''

'' عدالت جاننا چاہتی ہے کہ چودہ اکتوبر کی شام یعنی وقوعہ سے لگ بھگ چوبیس گھنٹے پہلے تمہاری اور قاضی وحید کی کس بات پر گرما گرمی ہوئی تھی؟'' میں نے اس کیس کے ملزم اور اپنے مؤکل فرقان سے سوال کیا۔

'' بات کوئی نئی نہیں تھی۔'' وہ معتدل انداز میں بولا۔'' میں اس شام بھی دو لاکھ کی رقم لینے ہی اس کی ایجنسی پر پہنچا تھا۔''

'' پھر وہاں کیا واقعہ پیش آیا تھا؟''

'' میرے ہر روز کے تقاضے پر قاضی چڑ گیا تھا۔''

ملزم نے بتایا۔'' اس نے خاصے غصے سے پوچھا کہ کیا مجھے اس پر بھروسا نہیں ہے......؟''

میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہہ دیا۔'' قاضی صاحب! پچھلے پندرہ بیس دن میں آپ نے جتنے بیانات بدلے ہیں ان کی روشنی میں مجھے آپ پر واقعی بالکل بھروسا نہیں ہے۔''

'' کتنے افسوس کی بات ہے۔'' وہ برہمی سے بولا۔

'' فرقان صاحب! میں آپ کو اپنا بیٹا سمجھ رہا ہوں اور ہر موقع پر آپ کی خوشی اور فائدے کا خیال رکھا ورنہ آج کل کے غدار زمانے میں کون کسی کو چھت پر...... اپنے مکان کی چھت پر تعمیرات کی اجازت دیتا ہے۔ یہ میرا ہی جگرا اور ظرف تھا کہ میں نے چاہا کہ آپ کا بھی اپنا ذاتی گھر ہو جائے' لیکن آپ نے کبھی دل سے میرے ایثار اور محبت کو محسوس کرنے کی

کوشش ہی نہیں کی۔ میں تو اب بھی آپ ہی کے فائدے کے لئے کوشاں ہوں۔ آپ نے میرے گھر میں ایک لاکھ روپے لگائے اور میں آپ کو دو لاکھ دلوانا چاہتا ہوں لیکن اگر پارٹی کی طرف سے کچھ دیر ہو رہی ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے......؟"

"قاضی صاحب!" میں نے اس کی جذباتی تقریر کے جواب میں سنجیدگی سے کہا۔ "آپ نے آج تک مجھ پر جتنے احسانات کئے ہیں ان کے لئے میں تہ دل سے آپ کا شکر گزار ہوں۔ اب میں آپ کو مزید زحمت نہیں دینا چاہتا۔ آپ دو لاکھ کی کہانی کو ختم کر دیں۔ مجھے میرے ایک لاکھ ہی لوٹا دیں تو آپ کی مہربانی ہوگی۔"

"یعنی آپ ایک لاکھ کے منافع کو پاؤں کی ٹھوکروں میں اڑا رہے ہیں؟" اس نے سوچتی ہوئی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایسا ہی سمجھ لیں قاضی صاحب!" میں نے بیزاری سے کہا۔ "میں نا سمجھ اور کم عقل ہوں۔ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ میں الو کا پٹھا ہوں جو جانتے بوجھتے اپنا ایک لاکھ روپے کا نقصان کر رہا ہوں۔ آپ میرے ایک لاکھ واپس کر دیں۔ میں منافع والے ایک لاکھ کو حسین خواب سمجھ کر بھول جاؤں گا۔"

"اوہ......!" قاضی نے میرے اس کلیئر کٹ جواب پر بڑے افسوس ناک انداز میں گردن ہلائی اور کہا۔ "جب آپ نے حتمی فیصلہ کر لیا ہے تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"آپ یہ کر سکتے ہیں کہ میرے ایک لاکھ روپے واپس کر دیں۔" میں نے خود پر قابو رکھتے ہوئے کہا۔

"اس کے لئے آپ کو ایک دن انتظار کرنا ہوگا۔" وہ پُرخیال انداز میں بولا۔ "آپ کل شام میں میرے گھر آ جائیں اور اپنے ایک لاکھ روپے مجھ سے لے جائیں۔"

"جب دینا ہی ہیں تو کل شام کیوں؟" میں نے اس کی نیت کو شک کی نظر سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ ابھی ادائیگی کر کے اس باب کو بند کر دیں۔"

"اگر اس وقت رقم میرے پاس موجود ہوتی تو میں ابھی نکال کر آپ کو دے دیتا۔" وہ خفگی آمیز انداز میں بولا۔

"کل دن میں کسی وقت پارٹی مجھے ایک لاکھ روپے ادا کرے گی اور مکان کا سیل ایگریمنٹ بنے گا۔ آپ کل شام میں میرے گھر آ کر ایک لاکھ روپے لے جائیں۔"

قاضی نے مکان کے سیل ایگریمنٹ کا ذکر کر کے ایک بار پھر مجھے لالچ میں لانے کی کوشش کی تھی' لیکن میں اب اس کے کسی فریب میں آنے والا نہیں تھا' لہٰذا میں اپنے مؤقف پر ڈٹا رہا اور مضبوط لہجے میں پوچھا۔

''قاضی صاحب! میں کل شام میں کتنے بجے آپ کے پاس حاضر ہو جاؤں؟''

''ٹھیک آٹھ بجے۔'' وہ قطعی لہجے میں بولا۔

''لیکن یہ تو آپ کا ایجنسی کا وقت ہے۔'' میں نے متذبذب نظر سے اس کی طرف دیکھا۔'' کیا آپ کل شام آٹھ بجے مجھے اپنے گھر پر مل سکیں گے؟''

''جب کہہ دیا ملوں گا تو ملوں گا۔'' وہ رکھائی سے بولا۔'' آپ خوامخواہ وکیلوں کی طرح مجھ سے جرح نہ کریں۔''

میں اس کی ایجنسی سے اٹھا اور اپنی سسرال چلا گیا۔ ملزم نے دکھ بھری مگر دلچسپ کہانی کو ایک کنارے تک پہنچایا تو میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔'' پھر پندرہ اکتوبر کی شام ٹھیک آٹھ بجے جب تم قاضی وحید کے گھر پہنچے تو کیا اس نے تمہیں ایک لاکھ روپے ادا کر دیئے تھے؟''

''نہیں جناب!'' اس نے نفی میں گردن ہلائی۔'' پیسے تو اس وقت ملتے جب قاضی ہاتھ لگتا......!''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' میں نے خاصی تیز آواز میں استفسار کیا۔

''جناب! پندرہ اکتوبر کی شام جب میں ٹھیک آٹھ بجے قاضی کے گھر پہنچا تو وہ مجھے ملا نہیں۔'' ملزم نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا۔'' میں نے تین چار مرتبہ اطلاعی گھنٹی بجائی' لیکن کوئی دروازہ کھولنے نہیں آیا۔ میں نے دروازے پر دستک بھی دی اور چار بار قاضی کو پکارا بھی' مگر اندر سے کوئی جواب نہیں آیا۔ میں نے دروازے سے کان لگا کر اندرونی نقل و حرکت کو محسوس کرنے کی بھی کوشش کی لیکن اندر کی خاموشی اور سناٹا یہی بتا رہا تھا کہ وہاں کوئی ذی روح موجود نہیں۔ مایوس ہو کر میں وہاں سے واپس آ گیا۔''

''جب تم قاضی کے گھر کی گھنٹی بجا رہے تھے یا دروازے پر دستک دے رہے تھے یا جب تم نے قاضی کو پکار کر دروازے تک لانے کی کوشش کی تو کسی نے تمہیں یہ کام کرتے ہوئے دیکھا تھا؟'' میں نے پوچھا۔'' یا واپسی پر تمہاری کسی سے بات ہوئی تھی؟''

"نہیں جناب! میری کسی سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔" وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "اور جہاں تک کسی کے دیکھنے کا تعلق ہے تو یہ ممکن نہیں۔ قاضی کے گھر کا دروازہ ایسے زاویے پر پڑتا ہے کہ گلی میں گزرنے والوں کی نظر سے محفوظ رہتا ہے۔ سمجھیں کہ ایک اوٹ سی بنی ہوئی ہے۔"

"اوکے......" میں نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا' پھر پوچھا۔ "قاضی کی طرف سے مایوس ہونے کے بعد تم اپنی سسرال چلے گئے تھے؟"

"سسرال تو چلا گیا تھا' مگر قاضی کی ایجنسی کو چیک کرنے کے بعد۔" اس نے جواب دیا۔ ایجنسی پر تالا پڑا دیکھ کر میری مایوسی اور گہری ہوگئی تھی۔ راستے بھر میں یہی سوچتا رہا کہ یہ دونوں میاں بیوی اچانک کہاں غائب ہو گئے ہیں' لیکن میرا ذہن اس سوال کا جواب تلاش نہ کر سکا۔ میں نے گھر پہنچ کر عظمیٰ کو صورت حال سے آگاہ کیا تو وہ بھی پریشان ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد انکل علی مراد گھر آئے تو یہ معاملہ میں نے من وعن ان کے بھی گوش گزار کر دیا۔ انہوں نے پوری توجہ اور سنجیدگی سے میری بات سنی اور میرے خاموش ہونے پر کہا۔ "مجھے قاضی کے خلاف پہلی فرصت میں تھانے جا کر فراڈ کی رپورٹ درج کرا دینا چاہئے۔ انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ وہ صبح میرے ساتھ تھانے جائیں گے' مگر صبح سے پہلے ہی یعنی پندرہ اکتوبر کی رات گیارہ بجے مجھے نگہت کے قتل اور ایک لاکھ روپے کی چوری کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔"

میں نے ملزم کو فارغ کیا اور روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے کہا۔ "مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی!"

اس کے ساتھ ہی عدالت کا مقررہ وقت ختم ہو گیا۔ جج نے دس روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کرنے کا اعلان کر دیا۔

"دی کورٹ از ایڈجارنڈ......!"

☆......☆......☆

آئندہ دو ماہ میں تین پیشیاں ہوئیں اور ان میں استغاثہ کی طرف سے پانچ گواہوں کو عدالت میں پیش کیا گیا جن کا تعلق اسی علاقے سے تھا' جہاں قاضی وحید کا گھر واقع تھا۔ ان گواہوں پر میں نے خاطر خواہ جرح نہیں کی اور ان کے بیانات میں بھی ایسی کوئی خاص بات

موجود نہیں تھی۔

مختصراً آپ اتنا جان لیں کہ استغاثہ نے ان گواہوں کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ انہوں نے وقوعہ کی شام ملزم کو قاضی کے گھر کے آس پاس دیکھا تھا۔ یہ ایک ایسی حقیقت تھی کہ جس سے میرا مؤکل بھی انکاری نہیں تھا۔

آئندہ پیشی سے پہلے ملزم کے سسر علی مراد نے مجھ سے دو ملاقاتیں کیں۔ اس سے قبل بھی وہ گاہے بہ گاہے مجھ سے ملتا رہتا تھا۔ میں نے اس کے ذمے جو کام لگایا تھا وہ اس نے مرحلہ وار مکمل کر دیا تھا' جس کی بنا پر زیر ساعت کیس پر میری گرفت اور بھی مضبوط ہو گئی تھی۔

اسی دوران میں ایک بار علی مراد اپنے حیدر آباد والے داماد کے ساتھ بھی میرے دفتر آیا تھا۔ نادیہ کا شوہر اور علی مراد کا بڑا داماد شاہد خٹک حیدر آباد میں کاروں کی خرید وفروخت کا کام کرتا تھا۔ وہ خاصا دبنگ آدمی تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔

"وکیل صاحب! فرقان کو ہر قیمت پر باعزت بری ہونا چاہئے۔ اس کام کے لئے جتنا بھی پیسہ خرچ ہو' پروا نہیں ہے۔"

"خان صاحب! آپ بالکل مطمئن رہیں۔" میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ "آپ کا ہم زلف ان شاء اللہ! بہت جلد آزاد فضا میں سانس لے رہا ہوگا۔"

"وکالت آپ کا شعبہ ہے......!" وہ معنی خیز نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ کام آپ کریں۔ دوسرا کام میں خود کر لوں گا۔"

"دوسرا کام......!" میں نے الجھن زدہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ "کون سا دوسرا کام خان صاحب؟"

"قاضی سے اپنی رقم کی وصولی کا کام۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ "میں اس سے ایک نہیں' پورے دو لاکھ نکلواؤں گا اور...... وہ بھی اپنے طریقے سے وکیل صاحب!"

وہ خاصے خطرناک عزائم کا اظہار کر رہا تھا۔ میں نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے پوچھ لیا۔

"خان صاحب آپ کا اپنا طریقہ کونسا ہے؟"

"شاہد خٹک' فرقان کی بہ نسبت خاصا تیز طرار' پُر جوش اور چلتا پرزہ ثابت ہو رہا تھا۔ میرے سوال کے جواب میں اس نے بڑے فخر سے بتایا۔

"وکیل صاحب! میرے جاننے والوں میں بڑے کام کے لوگ ہیں۔ قاضی کو پتا بھی نہیں چلے گا اور میرے آدمی اسے علاقہ غیر میں پہنچا دیں گے۔ دو لاکھ کیا' یہ چار لاکھ دے کر اور قدموں میں گر کر جان چھڑائے گا۔"

"اتنی زیادہ مہم جوئی اور تکلیف کی ضرورت نہیں ہے خان صاحب!" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں اس کیس کو کچھ ایسے انداز میں لے کر چل رہا ہوں کہ فرقان کی بے گناہی ثابت ہونے کے ساتھ ہی قاضی کا فراڈ بھی کھل کر سامنے آ جائے تاکہ باعزت رہائی کے ساتھ ہی اس کی ایک لاکھ کی رقم بھی واپس مل جائے۔"

"تب تو ٹھیک ہے۔" وہ قدرے مطمئن ہوتے ہوئے بولا۔ "اگر آپ اس معاملے کو عدالت میں نمٹا سکتے ہیں تو بڑی اچھی بات ہے' ورنہ آپ مجھے اشارہ کر دیجئے گا میں سنبھال لوں گا۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" میں نے پُریقین لہجے میں کہا۔ "آپ کو کسی قسم کی زحمت نہیں اٹھانا پڑے گی اور......" میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی' پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور جب تک میں آپ کو کسی قسم کا اشارہ نہ دوں' آپ کوئی بھی اچھا یا برا قدم نہیں اٹھائیں گے۔ یہ بات میں اس لئے بھی کہہ رہا ہوں کہ آپ کی کوئی بھی حرکت اس کیس کو خراب کر دے گی۔"

"ٹھیک ہے وکیل صاحب! آپ کا جو حکم ہوگا' میں ویسا ہی کروں گا۔ میں کوئی پاگل تو نہیں کہ آپ کا کیس خراب کر دوں......"

میں نے دل ہی دل میں کہا۔ "شاہد خٹک! تمہارے عزائم تو پاگلوں والے ہی ہیں......"

پھر زبان سے کہا۔ "بہت شکریہ خان صاحب۔"

تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں رخصت ہو گئے۔

☆......☆......☆

منظر اسی عدالت کا تھا اور گواہوں والے کٹہرے میں اس کیس کا مدعی یعنی قاضی وحید استغاثہ کے سب سے اہم گواہ کی حیثیت سے کھڑا تھا۔ اس نے سچ بولنے کا حلف اٹھانے کے بعد اپنا بیان ریکارڈ کرا دیا۔ یہ کم و بیش وہی بیان تھا' جو وہ اس سے پہلے پولیس کو بھی دے چکا

تھا۔ استغاثہ کی عمارت اسی بیان کے مندرجات پر کھڑی تھی۔

بیان ریکارڈ ہو چکا تو وکیل استغاثہ اپنا فرض نبھانے کیلئے وٹنس باکس کے قریب چلا گیا۔ اس نے اپنی جرح کا آغاز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"قاضی صاحب! آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہیں گے؟" بات ختم کرتے ہی اس نے اکیوزڈ باکس میں کھڑے ملزم کی جانب اشارہ بھی کر دیا۔

"خود غرض، احسان فراموش، کم ظرف......" قاضی نے نفرت انگیز نگاہ سے ملزم کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "اور خونی......میری بیوی کا قاتل!"

"قاضی صاحب!" وکیل استغاثہ نے بڑی چالاکی سے جرح کو ایک خاص ڈگر پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔ "ملزم کا بیان بلکہ دعویٰ ہے کہ اس نے آپ کے گھر کی بالائی منزل کی تعمیر پر لگ بھگ ایک لاکھ روپے خرچ کیے، جو اس نے اپنے بینک سے قرض لیے تھے۔ آپ اس سلسلے میں کیا کہیں گے؟"

"یہ بات درست ہے کہ ملزم نے اپنے بینک سے ایک لاکھ کا لون لیا تھا۔" وہ ناپسندیدہ نظر سے فرقان کو گھورتے ہوئے بولا۔ "مگر اس نے اس رقم میں سے ایک روپیہ بھی میرے گھر کی تعمیر پر خرچ نہیں کیا۔ گھر کی بالائی منزل اور دیگر چھوٹی موٹی مرمت کا کام میں نے اپنی جیب سے کرایا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے، اس حوالے سے ملزم نے صریحاً غلط بیانی سے کام لیا ہے؟" وکیل استغاثہ کے استفسار میں ایک خاص نوعیت کی کاٹ پائی جاتی تھی۔

"یہ شخص ایک نمبر کا جھوٹا ہے۔" قاضی نے بہ آواز بلند کہا۔

"کیا آپ ملزم کے جھوٹ کو ثابت کر سکتے ہیں؟"

"میرے پاس جو بھی ثبوت تھے وہ میں آپ کو فراہم کر چکا ہوں۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "آپ میری بیوی کے قاتل کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے اس کیس کی پیروی کر رہے ہیں۔ ان ثبوتوں کو کس طرح کام میں لانا ہے، یہ تو آپ ہی کو پتا ہوگا......"

قاضی وحید نے بڑی خوب صورتی کے ساتھ بال کو وکیل استغاثہ کی کورٹ میں پھینک دیا تھا اور میں بخوبی سمجھ رہا تھا کہ یہ ان دونوں کی ملی بھگت کا نتیجہ تھا۔ وکیل استغاثہ نے دانستہ اسے زاویے سے جرح کا آغاز کیا تھا کہ جس پر ملزم کو بڑی سہولت کے ساتھ چت کیا جا سکتا

تھا' لیکن مجھے وکیل استغاثہ یا قاضی وحید کے طریقہ واردات سے قطعاً کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ ان کے زہر کا توڑ کرنے کے لئے میرے پاس بڑا مؤثر قسم کا تریاق موجود تھا۔

وکیل استغاثہ نے اپنی فائلوں میں سے چند کاغذات نکالے اور جج کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ ''یور آنر! قاضی وحید نے اپنے گھر کی بالائی حصے کی تعمیر کا کام مارچ کے مہینے میں شروع کر دیا تھا' تاہم یہ کام جون کے مہینے میں جا کر مکمل ہوا۔ اس سلسلے میں قاضی وحید نے سریا' سیمنٹ' ریت' بلاکس اور دیگر تعمیراتی سامان مارچ ہی میں خرید لیا تھا۔ یہ ساری رسیدیں بلڈنگ میٹریل کی خریداری کے حوالے سے ہیں اور قاضی وحید کے نام پر کاٹی گئی ہیں......'' لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک گہری سانس لی' پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''یور آنر! انہی کاغذات میں ملزم کے بینک ریکارڈ کے حوالے سے بھی چند اہم دستاویزات کی نقول شامل ہیں جو ایک لاکھ بینک لون سے متعلق ہیں۔ مذکورہ بینک نے ان امور کی باقاعدہ تصدیق بھی کی ہے......'' اتنا کہہ کر وکیل استغاثہ نے وہ تمام کاغذات جج کی جانب بڑھا دیئے۔

جج نے مذکورہ کاغذات کو اپنے سامنے میز پر پھیلا کر چند لمحات تک ان کا باریک بینی سے جائزہ لیا' پھر اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے سوالیہ نظر سے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا۔

''وکیل استغاثہ اپنے دلائل کو دراز کرتے ہوئے بولا۔'' جناب عالی! ملزم چار مئی کو ایک لاکھ کے بینک لون کے لئے اپلائی کرتا ہے۔ یہ لوگ اپروو ہونے میں کم و بیش دو ہفتے لگ جاتے ہیں۔ بینک ریکارڈ کے مطابق لون کی رقم یعنی ایک لاکھ روپے پچیس مئی کو ملزم کے اکاؤنٹ میں منتقل ہوتی ہے۔ اس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ پچیس مئی سے پہلے ملزم لون کی رقم کا ایک روپیہ بھی کسی قسم کے تعمیراتی کام پر خرچ کرنے کا مجاز نہیں تھا' جبکہ قاضی وحید تعمیر کے حوالے سے تمام خریداری مارچ اور اپریل میں مکمل کر چکا تھا۔ تمام رسیدیں اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں......'' وہ ایک مرتبہ پھر تھما پھر ڈرامائی انداز میں اپنی بات پوری کرتے ہوئے بولا۔

''ملزم نے ایک لاکھ روپے کہاں خرچ کئے ہوں گے یہ بات خدا کو معلوم ہے یا پھر ملزم خود جانتا ہوگا' مگر تمام تر حالات و واقعات اور ثبوتوں کی روشنی میں یہ واضح ہو چکا تھا کہ ملزم نے قاضی وحید کے گھر پر ایک روپیہ بھی خرچ نہیں کیا لہٰذا اس کا دعویٰ جھوٹا اور مبنی بر سازش

ہے...... ویٹس آل یور آنر۔''

میں زیرلب مسکراتے ہوئے بڑی توجہ اور دلچسپی سے وکیل استغاثہ کی کارکردگی کا مشاہدہ کررہا تھا۔ جج نے وکیل استغاثہ سے کہا۔

''وکیل صاحب! پلیز پروسیڈ......!''

وکیل استغاثہ دوبارہ اپنے گواہ قاضی وحید کی طرف متوجہ ہوگیا۔ ''قاضی صاحب! ملزم کا دعویٰ ہے کہ وقوعہ سے ایک دن پہلے یعنی چودہ اکتوبر کی شام آپ کی ایجنسی پر اس سے ملاقات ہوئی تھی اور آپ نے پندرہ اکتوبر کی شام آٹھ بجے اسے اپنے گھر بلایا تھا اور یقین دلایا تھا کہ آپ اسے ایک لاکھ روپے ادا کریں گے۔ یہ کیا قصہ ہے؟''

''آپ نے خود ہی اسے ''قصے'' کا نام دے کر میری مشکل آسان کر دی ہے وکیل صاحب۔'' وہ مکارانہ مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر سجاتے ہوئے بولا۔ ''یہ کہانی سراسر جھوٹ پر مبنی اور ملزم کے ذہن کی اختراع ہے۔ یہ اکثر میری ایجنسی پر چکر لگاتا تھا تاکہ میں اسے کرائے کا کوئی گھر دلا دوں۔ یہ جب میرے گھر میں کرائے دار کی حیثیت سے رہتا تھا تو بہت خوش تھا' کیونکہ یہاں سے اسے بینک آنے جانے میں بڑی آسانی تھی۔ وہ اب بھی اسی علاقے میں کرائے کا کوئی گھر تلاش کررہا تھا۔ ہمارے درمیان کبھی پیسے کا لین دین نہیں رہا' لہٰذا اسے ایک لاکھ روپے دینے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا البتہ......'' اس نے ڈرامائی انداز میں توقف کیا' پھر سنسنی خیز لہجے میں اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''البتہ...... چودہ اکتوبر کی شام جب ملزم میری ایجنسی پر آیا تھا تو میں نے ایک لاکھ روپے کا ذکر ضرور کیا تھا۔ میں نے ملزم کو بتایا تھا کہ پارٹی نے ایک لاکھ روپے کی پیمنٹ کر کے سیل ایگریمنٹ بنوالیا ہے' جس کے مطابق پارٹی ایک ماہ کے اندر باقی کے پانچ لاکھ ادا کر کے گھر کا قبضہ لے لے گی۔ اس دوران جائیداد کی منتقلی کی دستاویزات بھی تیار ہوجائیں گی۔''

''یعنی آپ نے ملزم کو یہ بتا دیا تھا کہ آپ کے گھر میں ایک لاکھ کی رقم رکھی ہے......؟''

وکیل استغاثہ نے چالاکی سے استفسار کیا۔

''جی بالکل' ہمارے درمیان اسی قسم کی بات ہوئی تھی۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ پھر ملزم کی جانب اشارہ کرتے ہوئے نفرت آمیز لہجے میں بولا۔ ''اور اس شیطان نے اگلے ہی روز میرے گھر پر دھاوا بول دیا۔ یہ بخوبی جانتا تھا کہ میں رات دس بجے تک

ایجنسی بند کر کے گھر آتا ہوں' لہٰذا اس نے واردات کے لئے ایسا وقت چنا جب میری بیوی گھر میں تنہا ہوتی تھی۔ نگہت کی دور کی نگاہ بہت کمزور ہے اور وہ بیمار بھی رہتی ہے...... بلکہ تھی! اس ذلیل انسان نے نگہت کی کمزوریوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میرے گھر سے ایک لاکھ روپے اڑا لئے اور جب نگہت نے مزاحمت کی کوشش کی تو اس بھیڑیے نے گلا گھونٹ کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا...... یہ تو ایک اتفاق ہے کہ وقوعہ کی شام میں جلدی گھر آ گیا اور میں نے اسے اپنے گھر سے نکل کر تیزی سے ایک طرف جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ میں تو یہی سمجھا تھا کہ اس کا کوئی چھوٹا موٹا سامان میرے گھر میں رہ گیا ہو گا جسے لینے یہ وہاں آیا ہو گا' لیکن میں اپنے گھر کے اندر داخل ہوا اور نگہت کو بیڈ روم میں مردہ حالت میں پڑے دیکھا تو......تو......'' اس کی آواز جذبات کی شدت سے بوجھل ہو گئی' پھر وہ جج کی طرف دیکھتے ہوئے منت ریز لہجے میں بولا۔

''سر......ملزم کوئی انسان نہیں' ایک وحشی درندہ ہے۔ اسے جتنی بھی سخت سزا دی جائے وہ اس کے جرائم کی سنگینی کے آگے کچھ بھی نہیں ہو گی۔''

ان جذباتی لمحات کے ساتھ ہی وکیل استغاثہ نے بھی اپنی جرح کے اختتام کا اعلان دیا۔'' دیٹس آل یور آنر...... مجھے گواہ سے اور کچھ نہیں پوچھنا۔''

اپنی باری پر میں نے جج کی اجازت حاصل کر کے وٹنس باکس کے قریب پہنچ گیا۔ اس وقت تک استغاثہ کا معزز گواہ بڑی حد تک سنبھل چکا تھا۔ میں نے بالکل مختلف اور جداگانہ انداز میں جرح کا آغاز کرتے ہوئے قاضی وحید سے کہا۔

''قاضی صاحب! میں مشکل اور پیچیدہ سوالات پوچھ کر آپ کو پریشان نہیں کروں گا۔ صرف چند سوالات......لیکن بہت سوچ سمجھ کر ان کا جواب دینا ہو گا۔''

وہ خاموش نظر سے یک ٹک مجھے دیکھتا چلا گیا۔

میں نے کہا۔'' میں آپ سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ ملزم نے آپ کے گھر کی تعمیر میں کوئی رقم لگائی یا نہیں۔ اس بات کا بھی کوئی تذکرہ نہیں ہو گا کہ ملزم نے بینک سے جو لون لیا وہ اس نے کہاں خرچ کیا اور نہ ہی ایسا کوئی قصہ چھیڑا جائے گا کہ برے وقت میں آپ نے کن کن مواقع پر ملزم کی مالی اور اخلاقی مدد کی اور کب کب ملزم نے احسان فراموشی کا مظاہرہ کیا......''

''تو پھر آپ پوچھیں گے کیا؟'' وہ الجھن زدہ لہجے میں مستفسر ہوا۔

"چند اہم اور سادہ سے سوالات۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "تو آپ جوابات کے لئے ذہنی اور جسمانی طور پر تیار ہیں نا......؟"

وہ متذبذب انداز میں بولا۔ "جی...... تیار ہوں۔"

"قاضی صاحب! کیا آپ واقعی اپنا مکان فروخت کرنا چاہتے تھے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" اس نے حیرت بھرے انداز میں مجھے دیکھا۔ "اگر مجھے مکان بیچنا نہ ہوتا تو میں پارٹی سے ایک لاکھ روپے وصول کر کے سیل ایگریمنٹ پر دستخط کیوں کرتا؟"

"اس ڈیل ایگریمنٹ کی رو سے مذکورہ پارٹی نے ایک ماہ کے اندر آپ کو باقی پانچ لاکھ ادا کر کے مکان کا قبضہ لینا تھا۔" میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اب اس واقعے کو کئی ماہ کا عرصہ بیت گیا ہے۔ کیا آپ نے بقیہ رقم وصول کر کے مکان اس پارٹی کے حوالے کر دیا ہے؟"

"نہیں......" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ "میں ابھی تک اپنے ہی مکان میں رہ رہا ہوں۔"

"ایگریمنٹ کے اصول وضوابط کے مطابق' اگر مذکورہ پارٹی ایک ماہ کے اندر باقی پے منٹ نہ کرتی تو اس کے ادا کردہ ایک لاکھ آپ کے ہو جاتے' جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے۔" میں نے قاضی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"اور اگر آپ اس سیل ایگریمنٹ کی مخالفت کرتے جیسا کہ آپ نے کی......تو آپ کو دگنا اس پارٹی کو ادا کرنے ہوتے۔ کیا آپ نے مکان کی فروخت کی ڈیل کو کینسل کرتے وقت مذکورہ پارٹی کو دو لاکھ روپے ادا کیے تھے؟"

"دنیا میں تمام انسان ملزم کی طرح مطلبی' فریبی اور بے حس نہیں ہوتے۔" وہ میرے مؤکل پر گہری چوٹ کرتے ہوئے بولا۔ "میری بیوی کو بڑی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار کر ایک لاکھ روپے کی رقم کو گھر سے چوری کر لیا گیا تھا۔ وہ پارٹی میری مجبوری کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی' لہٰذا مجھ پر ایگریمنٹ کے قواعد وضوابط کا دباؤ ڈالنے کے بجائے انہوں نے کہا کہ اگر میں مکان فروخت نہ کرنا چاہوں تو اپنی سہولت سے چند دنوں میں ان کی رقم واپس کر

دوں۔ میں نے پارٹی کا شکریہ ادا کیا اور اِدھر اُدھر سے ادھار پکڑ کر پارٹی کی رقم لوٹا دی۔ اس طرح یہ معاملہ سیٹل ہو گیا۔"

"اس قسم کے معاملات اتنی آسانی سے سیٹل نہیں ہوا کرتے قاضی صاحب!" میں نے ذومعنی انداز میں کہا' پھر پوچھا۔ "آپ نے اپنے گھر کی بالائی منزل کی تعمیر کے سلسلے میں خریدے گئے ایک ایک سامان کی رسیدیں عدالت میں پیش کر کے خود کو سچا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا' آپ اگر ایک لاکھ روپے کی اپنے گھر میں موجودگی کا بھی کوئی ثبوت فراہم کر دیتے۔"

"میں سمجھا نہیں......" وہ الجھن زدہ انداز میں بولا۔

"آپ کس قسم کے ثبوت کی فراہمی کی بات کر رہے ہیں؟"

"اس سیل ایگریمنٹ کی ایک نقل اگر عدالت کی خدمت میں پیش کر دی جاتی جو مکان کے چھ لاکھ میں فروخت کے سلسلے میں تیار کیا گیا تھا' جس میں سے ایک لاکھ آپ نے ایڈوانس میں وصول کر لئے تھے تو......کم از کم یہ تو ثابت ہو جاتا کہ وقوعہ کے روز آپ کے گھر میں ایک لاکھ کی رقم موجود تھی......؟"

"اگر عدالت کا حکم ہو گا تو میں اس ایگریمنٹ کی نقل مہیا کر دوں گا۔" وہ جز بز ہوتے ہوئے بولا۔

"اور اگر اس پارٹی کی گواہی مقصود ہوئی تو......؟"

"تو میں اس پارٹی کو بھی عدالت میں لا سکتا ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے' آپ مذکورہ پارٹی کے پتے ٹھکانے سے اچھی طرح واقف ہیں؟" میں نے تیز لہجے میں استفسار کیا۔

"جی ہاں...... میں انہیں جانتا ہوں۔"

"کیا میں مذکورہ پارٹی کا نام اور ایڈریس جان سکتا ہوں؟"

"میں آپ کو کوئی بھی جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔" وہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولا۔

"اگر عدالت مجھ سے کہے گی تو میں اس کے احکام کی ضرور تعمیل کروں گا۔"

"قاضی صاحب!" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے زہریلے لہجے میں کہا۔

"آپ اس ایگریمنٹ کی نقل عدالت کو مہیا کر سکتے ہیں اور نہ ہی مذکورہ پارٹی کو عدالت میں

پیش کر سکتے ہیں' کیونکہ مکان کی فروخت ایک خوبصورت فرضی قصہ ہے' ملزم کو بے وقوف بنانے اور قتل کے مقدمے میں پھنسانے کے لئے آپ نے سازش کا ایک جال بنا تھا' جس کی حقیقت مجھ پر آشکار ہو چکی ہے......'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی' پھر انکشاف انگیز لہجے میں کہا۔

'' قاضی صاحب! آپ تو اس مکان کو بیچنے کے مجاز ہی نہیں ہیں' پھر کہاں کی پارٹی اور کہاں کا سیل ایگریمنٹ......؟''

'' یہ......یہ......'' وہ بکھری ہوئی آواز میں بولا۔ '' آپ...... کیا کہہ...... رہے ہیں......؟''

'' میں حقیقت بیان کر رہا ہوں قاضی صاحب!'' میں نے ترش لہجے میں کہا۔ '' آپ جس مکان میں رہ رہے ہیں اس کا اصل مالک کبیر وارثی نامی ایک شخص ہے۔ کبیر وارثی کی بدقسمتی کہ وہ آپ جیسے دھوکے باز شخص کا رشتے میں سالا لگتا ہے۔ کبیر وارثی نے یہ مکان اپنی بہن مقتولہ نگہت کو رہنے کے لئے دیا تھا۔ پھر اچانک کبیر وارثی کی موت واقع ہو گئی۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

قاضی کے غبارے کی ہوا بڑی حد تک نکل چکی تھی۔ میرے انکشاف نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ یہ تمام تر معلومات علی مراد کی کاوشوں کے نتیجے میں مجھ تک پہنچی تھیں۔ قاضی کی تیزی سے بدلتی ہوئی حالت جج اور عدالت میں موجود کسی بھی شخص سے پوشیدہ نہیں تھی' تاہم آخری لمحات میں اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

'' وارثی نے اپنی موت سے قبل مکان اپنی بہن یعنی میری بیوی نگہت کے نام کر دیا تھا......''

'' اور آپ کی کوشش تھی کہ نگہت اپنی موت سے قبل وہ مکان آپ کے نام کر دے۔'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

'' جب بیوی کو رام کرنے کی آپ کی ساری کاوشیں ناکامیاب ہو گئیں تو آپ نے میرے مؤکل کو قربانی کا بکرا بنا کر بیوی کا پتا صاف کر دیا......؟''

'' آبجیکشن یور آنر!'' وکیل استغاثہ نے صدائے احتجاج بلند کی۔ '' ڈیفنس کونسلر استغاثہ کے معزز گواہ پر الزام لگا کر سنگین جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔''

''بیگ صاحب! آپ استغاثہ کے اعتراض پر کیا کہیں گے؟''

''جناب عالی! فی الحال تو میں یہی کہوں گا کہ میں نے استغاثہ کے معزز گواہ قاضی وحید پر جو سنگین الزام تراشی کی ہے اسے عدالت کے روبرو ثابت بھی کر کے دکھا سکتا ہوں۔''

''اوہ......'' جج نے متاسفانہ انداز میں کہا۔ ''گویا آپ یہ ثابت کرنے کا دعویٰ کر رہے ہیں کہ قاضی وحید نے اپنی بیوی کو قتل کیا ہے؟''

''آف کورس یور آنر!'' میں نے اعتماد کی بلندیوں کو چھوتے ہوئے بہ آواز بلند کہا۔

جج نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''پرمیشن گرانٹیڈ......''

''جناب عالی!'' میں نے جج سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ''میں اس کیس کے انکوائری آفیسر سے چند سنجیدہ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔''

کسی بھی کیس میں انکوائری آفیسر کی حیثیت استغاثہ کے گواہ ایسی ہوتی ہے اور اسے ہر پیشی پر عدالت میں حاضر رہنا پڑتا ہے۔ اس کیس کا انکوائری آفیسر ایک سب انسپکٹر تھا۔ جج کے حکم پر وہ وٹنس باکس میں آ کر کھڑا ہو گیا۔

میں تفتیشی افسر کے قریب پہنچا اور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ ''آئی او صاحب! آپ نے پوسٹ مارٹم اور میڈیکل ایگزامنر کی رپورٹ کا تو بڑی توجہ سے مطالعہ کیا ہوگا؟''

''یہ تو میرے فرض کا حصہ ہے وکیل صاحب۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''میں اس سلسلے میں غفلت کس طرح برت سکتا ہوں۔''

''جائے وقوعہ پر آپ نے جو مشیر نامہ تیار کیا تھا اس سلسلے میں بھی آپ نے یقیناً بہت احتیاط سے کام لیا ہوگا؟''

''جی......'' اس نے مختصر جواب دینے پر اکتفا کیا۔

''آئی او صاحب!'' میں نے لہجے کی سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ ''میں انہی تین رپورٹس کے مندرجات میں سے بعض کو ہائی لائٹ کروں گا۔ آپ صرف ''ہاں'' یا ''نہ'' میں جواب دیں گے...... آر یو ریڈی؟''

''یس......!''

''مقتولہ نگہت کی موت پندرہ اکتوبر کی شام یا رات جو بھی کہہ لیں...... سات اور نو بجے

کے درمیان واقع ہوئی تھی؟''

''یس!'' آئی او نے جواب دیا۔

''اسے گلا گھونٹ کے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا؟''

''یس!''

''مقتولہ کی گردن پر قاتل کی انگلیوں کے نشانات نہیں ملے تھے۔'' میں نے سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''جس سے یہ طے کر لیا گیا کہ قتل کے وقت قاتل نے اپنے ہاتھوں پر دستانے پہن رکھے تھے؟''

''آئی او کا جواب آیا۔ ''یس!''

''مقتولہ کی لاش کے طبی معائنے سے پتا چلا تھا کہ جس شخص نے بھی گلا گھونٹ کر مقتولہ نگہت کو موت کے گھاٹ اتارا تھا اس نے اپنے دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں (رنگ فنگر + مڈل فنگر) میں ہیوی انگوٹھیاں پہن رکھی تھی۔ انگلیوں کے مخصوص دباؤ کے ساتھ ہی مذکورہ انگوٹھیوں کا دباؤ اور اس کے دباؤ سے بننے والے نشانات مقتول کی گردن پر ڈھونڈ لیے گئے تھے۔''

''یس!''

انگوٹھیوں کے ذکر پر قاضی وحید نے بے ساختہ اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی یہ حرکت میری عقابی نگاہ سے چھپی نہ رہ سکی۔ تاہم میں نے اسے محسوس نہ ہونے دیا کہ اس کی چوری پکڑی گئی ہے۔ میں نے بدستور انکوائری آفیسر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''آئی او صاحب! وقوعہ کی رات لگ بھگ گیارہ بجے جب آپ نے ملزم فرقان کو اس کی سسرال واقع بہادر آباد سے گرفتار کیا تو کیا اس اس کے دائیں ہاتھ کی رنگ فنگر اور مڈل فنگر میں آپ کو انگوٹھیاں نظر آئی تھیں؟''

''نو......!'' اس نے بے ساختہ جواب دیا۔

میں ایک جھٹکے سے استغاثہ کے معزز قاضی وحید کی جانب مڑا اور قدرے درشت لہجے میں کہا۔ ''قاضی وحید! تمہاری انگوٹھیاں کہاں ہیں؟''

''م...... میری انگوٹھیاں......'' اس نے مصنوعی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے تو کبھی انگوٹھیاں پہنی ہی نہیں...... آپ...... کن انگوٹھیوں کا...... ذکر کر رہے ہیں......؟''

''وہ انگوٹھیاں جو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے قبل تمہارے دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں میں

موجود تھیں۔'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔'' اور اس وقت بھی انگلیوں میں موجود تھیں جب تم اپنے ہاتھوں پر دستانے چڑھا کر اپنی بیوی کا گلا گھونٹ کر اسے موت کے گھاٹ اتارا تھا......؟''

''آپ جھوٹ بھول رہے ہیں......'' وہ بے حد بوکھلائی ہوئی آواز میں بولا۔'' بکواس کر رہے ہیں......''

'' قاضی! میں تمہارے جاننے والوں میں سے کم از کم دس ایسے افراد کو گواہی کے لئے عدالت میں لاسکتا ہوں جنہوں نے وقوعہ سے پہلے سال ہا سال تک تمہاری انگلیوں میں چاندی کی دو ہیوی انگوٹھیاں دیکھی ہوں' جن میں سے ایک انگوٹھی میں پندرہ قیراط کا حسین فیروزہ اور دوسری انگوٹھی میں دس قیراط کا قیمتی عقیق جڑا ہوا تھا۔'' میں اپنی ہی روانی میں بولتا چلا گیا۔'' اور دس ایسے افراد کو عدالت تک لانا بھی میرے لئے چنداں مشکل نہیں جو سال ہا سال سے ملزم کے قریب رہے ہوں لیکن انہوں نے کبھی اس کی کسی انگلی میں کوئی بھی انگوٹھی نہ دیکھی ہو اور......''
میں نے ڈرامائی انداز میں توقف کیا اور قاضی کے حوصلے کے تابوت میں آخری میخ بھی ٹھونک دی۔

''اور ان ملے جلے گواہی بردار افراد میں سے آٹھ دس تو اس وقت بھی باہر برآمدے میں بیٹھے ہوئے ہیں......''

ادھر میری بات ختم ہوئی ادھر قاضی وحید نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام لیا۔ اس کے بدن کی مخصوص جنبش سے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اسے شدید نوعیت کا چکر آ گیا ہو۔ یہ میرے اس کاری وار کا اثر تھا جو میں نے انگوٹھیوں کی شہادتوں کے حوالے سے اس پر کیا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ تیورا کر کٹہرے کے فرش پر دھڑام سے گرا۔

☆......☆......☆

گزشتہ پیشی پر میرے کڑے سوالات کے نتیجے میں قاضی کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا اس نے قاضی کا مجرم ہونا ثابت کر دیا تھا۔ جب عدالت کے حکم پر اسے پولیس کے حوالے کیا گیا تو اس نے اقبال جرم ہی میں عافیت جانی۔

قاضی کی بیوی یعنی مقتولہ نگہت دل کی بہت اچھی عورت تھی۔ قاضی نے فرقان کے ساتھ جو ایک لاکھ کا فراڈ کیا تھا وہ اس پر سخت برہم تھی اور اس نے قاضی کو دھمکی دی تھی کہ اگر اس

نے فرقان کی رقم واپس نہ کی تو وہ اس کے خلاف اور فرقان کے حق میں گواہ بن جائے گی۔
قاضی پہلے ہی اپنی بیوی کی بیماری سے نالاں تھا اور اسے ٹھکانے لگانے کی ترکیبیں ڈھونڈتا رہتا تھا تاکہ مکان پر اس کا بلاشرکت غیرے قبضہ ہو جائے۔ نگہت بڑی حد تک قاضی کی نیت کو سمجھتی تھی اور اپنی زندگی میں تو وہ کسی بھی قیمت پر مکان اس کے نام کرنے کو تیار نہ ہوتی لہٰذا قاضی نے فرقان کو قربانی کا بکر بنا کر ایک تیر سے دو شکار کرنے کا منصوبہ بنایا اور پھر اپنے اس منصوبے پر عمل بھی کر ڈالا۔ اس نے پندرہ اکتوبر کی شام آٹھ بجے فرقان کو اپنے گھر بلایا تاکہ جائے وقوعہ پر اس کی آمد رجسٹر ہو جائے۔ وہ فرقان کے آنے سے پہلے اپنی بیوی کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا اور گھر کے اندر چھپا بیٹھا تھا۔ گھر کو اس نے لاک کر دیا تھا تاکہ فرقان کو یہی تاثر ملے کہ گھر کے اندر کوئی موجود نہیں اور وہ مایوس ہو کر واپس چلا جائے۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ قاضی کے اقرار جرم کے بعد عدالت نے میرے مؤکل فرقان کو باعزت بری کر دیا تھا۔

موچی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جوتے گانٹھنے کا کام کرتا ہو اور دوسرا وہ جس کے دماغ میں موچ آ جائے۔ دماغ کی موچ والے موچی کو دنیا کی ہر شے ٹیڑھی نظر آتی ہے چاہے وہ اس کے اپنے گھر کا آنگن کیوں نہ ہو۔ جن لوگوں کو ناچنے کا ڈھنگ نہ آتا ہو وہ بھی آنگن کو ٹیڑھا کہہ کر اپنی ساری نالائقیوں کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔

قاضی وحید نے بھی ایک ایسی ہی بے ڈھنگی اور ٹیڑھی کوشش کی تھی اس لئے وہ بے آواز لاٹھی کی دھواں دھار ضرب سے خود کو محفوظ نہ رکھ سکا اور عبرت ناک انجام سے دوچار ہوا۔

☆......☆......☆

درست آید

میرا نام جیسا کہ آپ جانتے ہیں' مرزا امجد بیگ اور کام وکالت ہے۔ بعض لوگوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ میں ہمیشہ ہر کیس جیت کیسے لیتا ہوں اور میں آج تک جتنے کیسز کی کہانی آپ کو پڑھوا چکا ہوں' اس حساب سے تو میری عمر دو' سوا دو سو سال تو ہونا ہی چاہئے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے یہ سلسلہ سن اسی یا اکیاسی میں شروع ہوا تھا اور اب دو ہزار پندرہ گامزن ہے۔ موٹا سا حساب بھی لگایا جائے تو تینتیس چونتیس سال بنتے ہیں۔

آپ کے پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ دنیا میں ایسا کوئی شخص نہیں جس کی زندگی میں کامیابی کے ساتھ ناکامیابی نہ جڑی ہو۔ بس' کم یا زیادہ کا فرق ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے میں بہت خوش قسمت واقع ہوا ہوں کہ میری پیشہ وارانہ زندگی میں ناکامی کا تناسب اتنا کم ہے کہ کسی قطار شمار میں نہیں آتا۔ اِکا دکا کیسز میں کبھی جزوی اور کبھی کلی طور پر مجھے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور اس کا بنیادی سبب میرے مؤکل کی کوئی غلط بیانی ہی رہا ہے۔ یہاں پر یہ مثال صادق آتی ہے کہ ڈاکٹر اور وکیل سے کبھی جھوٹ نہیں بولنا چاہئے ورنہ صحت اور جیت گھٹنا جاتی ہے۔

جہاں تک کیسز کی تعداد کا تعلق ہے تو ایک بات ہمیشہ ذہن میں رکھیں کہ عدالتوں میں بعض اوقات ایک ساتھ کئی کیس لگے ہوتے ہیں۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ یہ تعداد کبھی ایک دو تک محدود ہو جاتی ہے اور بعض اوقات درجن سے بھی متجاوز ہو جاتی ہے۔ یہاں پر میں ایک دو اور باتوں کی بھی وضاحت کرتا چلوں۔ اکثر لوگ مجھے کوئی رائٹر قسم کی چیز سمجھتے ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ میں صرف اپنے کیسز کی فائلز اور دیگر اہم پوائنٹس ادارہ کے حوالے کر دیتا ہوں۔ وہ اپنے سٹاف رائٹرز سے کہانی کی شکل میں لکھوا کر آپ کی نذر کرتے ہیں۔ یہ تمام تر

کہانیاں اس زمانے کی ہیں جب میں سٹی کورٹ میں باقاعدہ وکالت کیا کرتا تھا۔ اب وقت کافی آگے بڑھ چکا ہے۔ اس وقت جب آپ یہ کہانی پڑھ رہے ہیں، میں آپ سے کوسوں دور ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہا ہوں۔ اس طویل تمہید کے بعد میں اصل واقعے کی طرف آتا ہوں۔

موسم بہار کا آغاز ہو چکا تھا۔ مارچ قریب الختم تھا۔ میں ایک شام حسب معمول اپنے آفس میں بیٹھا اپنے پاس آنے والے افراد کے مسائل سن رہا تھا کہ ایک پریشان حال خاتون میرے چیمبر میں داخل ہوئی۔ میں نے اسے بیٹھنے کے لئے کہا اور پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ استفسار کیا۔

"جی، فرمائیں میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"میرا نام فوزیہ ہے۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ "میں ایک سکول ٹیچر ہوں۔"

میں نے رف پیڈ اور قلم سنبھال لیا۔ فوزیہ کی عمر تیس سال رہی ہوگی۔ وہ درمیانے قد اور بھرے بھرے بدن کی مالک ایک سانولی اور خوش شکل عورت تھی۔ میں نے پوچھا۔

"کیا آپ کو اپنے سکول والوں سے کسی قسم کی شکایت ہے؟"

"نہیں وکیل صاحب!" وہ جلدی سے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ "میں اپنے نہیں بلکہ داؤد کے مسئلے کے سلسلے میں آپ کے پاس حاضر ہوئی ہوں۔"

"داؤد......" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "یہ کون صاحب ہیں؟"

"داؤد میرے شوہر کا نام ہے۔" اس نے دکھی لہجے میں بتایا۔

"اوہ......!" میں نے ایک گہری سانس خارج کی اور پوچھا۔ "داؤد کے ساتھ ایسا کیا ہو گیا ہے جو آپ کو میرے پاس آنا پڑا؟"

"داؤد کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔"

میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "کس جرم میں؟"

"اس نے کوئی جرم نہیں کیا وکیل صاحب!" وہ زخمی لہجے میں بولی۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "میرے سوال کو اس طرح لیں کہ پولیس نے آپ کے شوہر کو کس الزام میں گرفتار کیا ہے؟"

"اس پر قتل کا الزام ہے۔" فوزیہ نے جواب دیا۔

''کس کے قتل کا؟'' میرا قلم رف پیڈ پر پھسلنے لگا۔
''مقتول کا نام اسلم فاروقی ہے۔''
''مقتول سے آپ کے شوہر کا کیا تعلق تھا؟'' میں نے پوچھا۔
''کچھ عرصہ پہلے ہم اسلم فاروقی کے کرایہ دار تھے۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''لیکن اب ہم نے گھر بدل لیا ہے۔''
''اسلم فاروقی کو کب اور کہاں قتل کیا گیا ہے؟'' میں نے سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔
''اس کی فیکٹری میں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''یہ کل سہ پہر کا واقعہ ہے۔''
گزشتہ روز پچیس مارچ تھا۔ میں نے سوال کیا۔ ''اور آپ کے شوہر کو کب گرفتار کیا گیا ہے؟''
''کل رات کو گھر سے۔'' اس نے بتایا۔ ''اس وقت رات کے نو بجے تھے۔''
''کل رات کو گرفتاری ہوئی۔'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اس کا مطلب ہے آج صبح پولیس نے آپ کے شوہر کو عدالت میں پیش کر کے اس کا ریمانڈ حاصل کر لیا ہوگا؟''
''جی ہاں...... ایسا ہو چکا ہے۔'' اس نے بتایا۔
''فوزیہ صاحبہ!'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ فاروقی کے قتل کے الزام میں آپ ہی کے شوہر کو کیوں گرفتار کیا گیا ہے؟ کیا اس کا کوئی خاص سبب ہے؟''
''پچھلے چند روز سے داؤد اور اسلم فاروقی کے درمیان ٹینشن چل رہی تھی۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اور آج سہ پہر میں بھی اچھی خاصی تلخ کلامی ہوگئی تھی۔''
''ٹینشن اور تلخ کلامی کی وجہ؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اسے دیکھا۔
اس نے ایک گہری سانس خارج کی اور تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''وکیل صاحب! یہ خاصی طویل کہانی ہے۔ اگر آپ بور نہ ہوں تو میں آپ کو سناتی ہوں۔''
''بوریت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' میں نے کہا۔ ''اور یہ بات اپنے ذہن میں رکھیں کہ جب تک میں مقتول اور آپ کے شوہر کے درمیان ہونے والی چپقلش اور ٹینشن سے

پوری طرح آگاہ نہیں ہو جاؤں گا' آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔"

"ٹھیک ہے وکیل صاحب!" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔ "میں آپ کو تفصیل سے سارے حالات بتاتی ہوں۔"

آئندہ آدھے گھنٹے میں فوزیہ نے مجھے جو معلومات فراہم کیں میں ان کا خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ ایک بات کی وضاحت کرتا چلوں کہ ان میں سے بہت سی باتیں مجھے بعد میں معلوم ہوئی تھیں لیکن واقعات کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے میں نے انہیں ابھی بیان کر دیا ہے۔ اسی طرح بعض باتیں میں نے دانستہ حذف کر دی ہیں۔ ان کا ذکر عدالتی کارروائی کے دوران مناسب موقع پر کیا جائے گا۔

یہ بھی بتا دوں کہ فوزیہ کی فراہم کردہ تفصیلات کی روشنی میں' اسی رات میں نے متعلقہ تھانے جا کر ملزم داؤد سے ایک تفصیلی ملاقات بھی کر لی تھی۔ داؤد سے بھی کافی کارآمد باتیں پتا چلی تھیں۔ چنانچہ پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد میں نے یہ کیس اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ فیس کے حوالے سے فوزیہ نے مجھ سے ایک درخواست کی اور میں نے اس کی بات مان لی۔ میں فیس کی پیشگی وصولی کے اصول پر سختی سے کاربند رہتا ہوں' لیکن پتا نہیں' فوزیہ کی درخواست میں ایسی کیا بات تھی کہ میں دو قسطوں میں فیس لینے پر راضی ہو گیا۔ آدھی ایڈوانس اور آدھی کیس کی باقاعدہ سماعت شروع ہونے پر۔ بعض اوقات انسان کو اپنے اصولوں میں لچک پیدا کرنا پڑتی ہے۔

☆......☆......☆

داؤد اور فوزیہ کی شادی کو پانچ سال ہو گئے تھے تاہم ابھی تک وہ دو سے تین نہیں ہوئے تھے۔ داؤد بولٹن مارکیٹ میں ایک دکان پر سیلز مین کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ مذکورہ دکان پر الیکٹرک کی' گھریلو استعمال کی اشیاء فروخت ہوتی تھیں۔ مثلاً پنکھے' ٹیوب لائٹس' استری وغیرہ۔ داؤد کی ڈیوٹی آٹھ سے دس گھنٹے کی تھی جس کی اسے دو ہزار تنخواہ ملتی تھی۔ وہ سستا زمانہ تھا۔ دو ہزار روپے کو خاصی معقول تنخواہ سمجھا جاتا تھا۔

فوزیہ ایک سکول ٹیچر تھی اور اسے پندرہ سو تنخواہ ملتی تھی۔ دونوں کی آمدنی کل ملا کر اتنی ہو جاتی تھی کہ وہ بآسانی گزارہ کر لیتے تھے۔ انہیں کبھی کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ شادی کے بعد ان پانچ سالوں میں انہوں نے چار گھر بدلے تھے۔

فاروقی والا گھر پانچواں تھا اور جب یہ کیس میرے پاس آیا' وہ فاروقی والے گھر کو بھی خیر باد کہہ چکے تھے۔

اسلم فاروقی ناظم آباد کے علاقے میں رہتا تھا اور گھر کے قریب ہی دو چار گلیاں چھوڑ کر اس نے ایک چھوٹا سا کارخانہ کھول رکھا تھا' جہاں وہ ماسکنگ ٹیپ تیار کرتا تھا۔ ماسکنگ ٹیپ پیکنگ وغیرہ کے کام آتی تھی۔ علاوہ ازیں مختلف نوعیت کے فرنیچرز پر ڈیزائن وغیرہ بنانے کے لئے بھی اسے استعمال کیا جاتا تھا۔ سپرے پینٹ کرنے والے بھی مختلف مقاصد کیلئے ماسکنگ ٹیپ کا سہارا لیتے تھے۔ اسلم فاروقی کا یہ چھوٹا سا کارخانہ ایک گھر کے اندر ہی کھلا ہوا تھا' جہاں وہ محدود عملے کے ساتھ ماسکنگ ٹیپ کی تیاری کا کام جاری رکھے ہوئے تھا۔ اس کا بزنس ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا۔

کارخانے کے علاوہ فاروقی کا ایک اور ذریعہ آمدنی بھی تھا۔ اس کا گھر ایک سو چالیس گز پر بنا ہوا ایک دو منزلہ مکان تھا۔ بالائی منزل پر وہ خود اپنی فیملی کے ساتھ رہتا تھا جبکہ زیریں منزل کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر کے اس نے دو کوائے دار بسا رکھے تھے۔ ان دو پورشنز سے اسے اتنا کرایہ مل جاتا تھا کہ اس میں اس کی پوری فیملی کا مہینے بھر کا راشن ڈل جاتا تھا۔ دونوں میاں بیوی کے علاوہ ان کی کل سات اولادیں تھیں۔ جن میں بیٹے اور بیٹیاں دونوں شامل تھے۔ فاروقی کے بچوں کی عمریں تین سے سولہ سال کے درمیان تھیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق فاروقی کے بچے بدتمیزی اور شیطانی میں پورے محلے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے اور دلچسپ بات یہ کہ فاروقی اور اس کی بیوی زبیدہ کو اپنی اولاد میں کوئی عیب دکھائی نہیں دیتا تھا۔ کہیں بھی لڑائی پھڈا ہو' وہ اپنے بچوں ہی کی حمایت میں بولتے تھے۔ بعض والدین اسی طرح کے ہوتے ہیں۔

زبیدہ ایک موٹی اور بیمار عورت تھی جس کا زیادہ تر وقت بستر پر گزرتا تھا۔ وہ چوبیس گھنٹے میں بہتر قسم کی دوائیں کھاتی تھی۔ اسے درجنوں بیماریاں لاحق تھیں۔ واقفان حال بتاتے تھے کہ شادی کے وقت زبیدہ بہت خوب صورت اور اسمارٹ ہوا کرتی تھی۔ اسلم فاروقی کے رویے اور اوپر تلے سات بچوں کی پیدائش نے زبیدہ کو اسی من کی دھوبن بنا کر رکھ دیا تھا۔

میرا مؤکل داؤد بھی چند روز پہلے تک فاروقی کا کرایہ دار تھا۔ وہ لگ بھگ دو سال تک فاروقی والے گھر میں رہا تھا۔ پھر فاروقی کے نامناسب رویے کو دیکھتے ہوئے وہ اس گھر کو

چھوڑنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس کے برابر میں دوسرے پورشن میں ایک کرسچین فیملی آباد تھی۔ اگرچہ یہ دونوں پورشنز سکیورٹی کے لحاظ سے انتہائی محفوظ' روشن اور ہوا دار تھے لیکن فاروقی کی شاطرانہ ہوشیاری داؤد اور فوزیہ کی برداشت سے باہر ہو گئی تھی۔

جب وہ لوگ کرائے پر یہاں رہنے آئے تھے تو فاروقی کے حسن اخلاق اور اصول پسندی نے انہیں بہت متاثر کیا تھا' لیکن جلد ہی انہیں احساس ہو گیا کہ اسلم فاروقی کی اصول پسندی صرف اسی کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہے۔ لگ بھگ ایک ماہ کے بعد جب بجلی اور گیس کے بلز آئے تو ان کے بیچ پہلا پھڈا ہوا۔

فوزیہ' داؤد کی بہ نسبت جلدی گھر آ جایا کرتی تھی۔ رات کو جب داؤد گھر پہنچا تو فوزیہ نے اس کے سامنے ایک پرچی رکھ دی۔ داؤد نے سوالیہ نظر سے بیوی کو دیکھا اور پوچھا۔

''یہ کیا ہے......؟''

''بجلی اور گس کا بل ہے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔

''یہ کس قسم کا بل ہے......'' داؤد نے اس پرچی کو الٹ پلٹ کرتے ہوئے جھنجلاہٹ بھرے لہجے میں استفسار کیا۔

''یہ تو تم فاروقی صاحب سے پوچھو'' وہ بے نیازی سے بولی۔ ''یہ پرچی ان کا بچہ دے گیا ہے۔''

داؤد ہاتھ منہ دھو کر فریش ہوا' پھر کھانا کھانے کے بعد وہ اوپر اسلم فاروقی کے پاس چلا گیا۔ فاروقی نے بڑے تپاک سے اس کا استقبال کیا اور اپنے ڈرائنگ روم میں بٹھانے کے بعد چائے پانی کے بارے میں پوچھا۔

''کسی تکلف کی ضرورت نہیں فاروقی صاحب!'' داؤد نے جلدی سے کہا۔ ''میں ابھی کھانا کھا کر آ رہا ہوں۔''

''چائے تو چلے گی......''

''نہیں' بالکل نہیں۔'' داؤد نے نفی میں گردن ہلائی۔

''میں اس پرچی کے بارے میں آپ سے پوچھنے آیا تھا۔''

''یہ آپ کا پچھلے مہینے کا بجلی اور گیس کا بل ہے۔'' فاروقی وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

''میں نے دونوں اماؤنٹ کو اوپر نیچے لکھ کر ٹوٹل کر دیا ہے۔''

"وہ تو مجھے بھی نظر آ رہا ہے جناب!" داؤد نے الجھن زدہ انداز میں کہا۔ "لیکن یہ تو بہت زیادہ ہے۔ ہم تو پہلے بھی دوسرے گھروں میں کرائے پر رہے ہیں......"

"ٹھہریں...... میں آپ کو کچھ دکھاتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اسلم فاروقی اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور گھر کے اندرونی حصے کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

تھوڑی دیر کے بعد جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک فائل تھی۔ وہ داؤد کے قریب ہی بیٹھ گیا اور بولا۔

"میں اپنے گھر کے تمام یوٹیلیٹی بلز نہایت ہی پابندی کے ساتھ بھرتا ہوں اور جمع شدہ بلز سنبھال کر اس فائل میں لگا لیتا ہوں۔" فائل میں لگے بلز کو الٹ پلٹ کرنے کے بعد اس نے دو بلز نکال لئے اور داؤد کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔

"دیکھ لیں، یہ گیس اور بجلی کے تازہ ترین بلز ہیں۔ میں نے بل کی رقم کو تین پر برابر تقسیم کرنے کے بعد ایک حصے کی پرچی آپ کو بھجوائی تھی۔ میں نے یہ دونوں بلز بینک میں بھر دیئے ہیں۔"

"تین پر برابر تقسیم......" داؤد نے سوالیہ نظر سے فاروقی کی طرف دیکھا اور کہا۔ "آپ کی یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی؟"

"بھئی، اس میں سمجھ میں نہ آنے والی کون سی بات ہے۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "اس مکان میں تین فیملیز آباد ہیں۔ ایک میری فیملی، ایک آپ کی فیملی اور ایک آپ کے پڑوسی ساؤل کی فیملی۔ بجلی اور گیس کا جو بھی بل آئے گا وہ ہم تینوں پر ہی تقسیم ہوگا نا......"

"تقسیم کا یہ فارمولا تو اپنی جگہ درست ہے فاروقی صاحب۔" داؤد نے تلخی سے کہا۔ "لیکن آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ تینوں فیملیز کا استعمال ایک جیسا نہیں۔ جب وہ بجلی اور گیس ایک جتنی استعمال نہیں کرتے تو بلز میں برابر شیئر کیوں کریں......" لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک گہری سانس لی، پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"فاروقی صاحب! آپ کے گھر میں ماشاء اللہ نو افراد آباد ہیں اور رہائشی پورشن بھی ہم سے دگنا ہے۔ ساؤل کی فیملی میں چار افراد ہیں۔ میاں بیوی اور دو بچے اور ہم تو صرف دونوں میاں بیوی ہیں جو دن بھر گھر سے باہر رہتے ہیں۔ ہم دونوں جاب والے ہیں۔ سب سے کم ہم بجلی اور گیس استعمال کرتے ہیں۔"

''آپ نے جو اعداد و شمار بیان کئے ہیں ان سے اختلاف نہیں کروں گا۔'' فاروقی گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے تو آپ کوئی اور گھر دیکھ لیں۔''

داؤد نے دو تین ماہ کی تلاش کے بعد یہ گھر پسند کیا تھا۔ وہ فوری طور پر کوئی نیا تجربہ کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ گھر سکیورٹی کے لحاظ سے انتہائی محفوظ تھا۔ ویسٹ اوپن ہونے کی وجہ سے ہوا کی آمد و شد بہت زیادہ تھی؟ پورشن کے عقبی حصے یعنی صحن سے آسمان نظر آتا تھا لہٰذا دھوپ بھی گھر میں بآسانی دخل ہو جاتی تھی۔ وہ ایک آئیڈیل رہائش تھی۔ بس یہ بلز کا مسئلہ آن کھڑا ہوا تھا اور وہ بھی اس لئے کہ بجلی اور گیس کے میٹرز مشترکہ تھے۔ اگر یہ بلز تینوں فیملیز پر برابر تقسیم کئے جاتے تو اصولی طور پر یہ ایک غیر منصفانہ تقسیم تھی' کیونکہ تینوں فیملیز کے حجم میں زمین آسمان کا فرق تھا' جس کا واضح مطلب یہی تھا کہ وہ لوگ بجلی اور گیس بھی ایک دوسرے کی بہ نسبت کم اور زیادہ استعمال کرتے تھے۔

''بات دوسرا گھر دیکھنے کی نہیں ہے فاروقی صاحب!'' داؤد نے قدرے نرمی سے کہا۔ ''آپ خود بھی تو دیکھ رہے ہیں۔ ہم دونوں میاں بیوی پورا دن گھر میں نہیں ہوتے۔ رات کو ایک پنکھا چلتا ہے یا دو گھنٹے کے لئے دو ٹیوب لائٹس جلتی ہیں۔ اسی طرح گیس کا سب سے کم استعمال بھی ہمارے ہی گھر میں ہے۔ اس صوت حال میں بلز میں برابر شیئر زیادتی والی بات نہیں؟''

''آپ کی بات میں وزن تو ہے داؤد صاحب!'' اسلم فاروقی نے گمبھیر انداز میں کہا' پھر پوچھا۔ ''آپ ہی بتائیں' اس مسئلے کو کس طرح حل کیا جائے۔ آپ کے ذہن میں کوئی آئیڈیا ہو تو سامنے لائیں؟''

''کیوں نہ کرائے داروں کے لئے بجلی اور گیس کے سب میٹرز لگا لئے جائیں۔'' داؤد نے گہری سنجیدگی سے مشورہ دیا۔ سب میٹرز کی ریڈنگ کے مطابق آپ مجھ سے بل لے لیا کریں۔ اگر کم استعمال ہوگا تو کم اور زیادہ استعمال ہوگا تو زیادہ......''

''ہوں......'' فاروقی سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''تجویز تو آپ کی خاصی معقول ہے۔''

'''''' فاروقی صاحب!'' داؤد نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''گیس کی تو پھر بھی خیر

ہے۔ یہ کمپنی بڑی شرافت کا مظاہرہ کرتی ہے۔ بہت ہی معقول بلز ہوتے ہیں ان کے۔ اگر آپ صرف بجلی کے ہی سب میٹرز لگوا دیں تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے، تین سب میٹرز لگوا لیتے ہیں۔" فاروقی نے رضا مندی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"تین کیوں فاروقی صاحب؟" داؤد نے پوچھا۔ "آپ کے کرائے دار تو صرف دو ہی ہیں......"

"پانی والی موٹر کو کیوں فراموش کر رہے ہیں آپ۔" فاروقی نے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔ "سب سے زیادہ بجلی تو وہی کھاتی ہے۔ لائن کا پانی کھینچنے کے لئے رات کو چار پانچ گھنٹے موٹر چلانا پڑتی ہے، پھر انڈر گراؤنڈ ٹینک کا پانی چھت والی ٹینکی میں منتقل کرنے کے لئے بھی ایک آدھ گھنٹا موٹر چلتی ہے۔ پانی تو ہر گھر کی ضرورت ہے۔ کوئی کم استعمال کرے یا زیادہ لیکن آپ نے یہ تو دیکھا ہوگا کہ چوبیس گھنٹے پانی لائن کے اندر موجود رہتا ہے۔"

"یہ تو آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں فاروقی صاحب!" داؤد نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔ "یہاں پر پانی کی کوئی پرابلم نہیں ہے۔"

"بس تو پھر ٹھیک ہے۔" فاروقی نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "تین سب میٹرز لگوا لیتے ہیں۔ دو آپ دونوں کرائے داروں کے اور ایک موٹر کا۔ موٹر والی ریڈنگ کو تین پر برابر تقسیم کر لیں گے۔" لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک گہری سانس لی، پھر اضافہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"داؤد صاحب! بجلی کے محکمے میں آپ کا کوئی جاننے والا ہے؟"

"نہیں جناب!" داؤد نے نفی میں گردن ہلا دی۔

"ٹھیک ہے، میں ہی کسی سے بات کرتا ہوں۔"

داؤد نے اسلم فاروقی کا شکریہ ادا کیا اور واپس اپنے گھر آ گیا۔ فوزیہ کو اس نے اس گفتگو کی تفصیل سے آگاہ کیا تو وہ بھی مطمئن ہو گئی۔ آئندہ چند روز میں اسی موضوع پر داؤد کی ساؤل سے بھی بات ہوئی۔ ساؤل نے بھی اس آئیڈیا کو سراہا۔ وہ بھی اس بات سے سخت پریشان تھا کہ مالک مکان یعنی اسلم فاروقی کا بجلی اور گیس کا استعمال ان سے دوگنا تھا بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ اور وہ شاطر آدمی بلز کا زیادہ تر توجہ اپنے کرائے داروں کے کندھوں پر منتقل کر دیتا تھا۔

دو ماہ گزر گئے لیکن اسلم فاروقی سب میٹرز لگوانے کی مہم میں کامیاب نہ ہو سکا۔ جب داؤد اور ساؤل کا اصرار بڑھا تو ایک روز اس نے ان دونوں کو ایک خطرناک خوشخبری سنا دی۔

''بھئی! میں نے بجلی کے محکمے میں ایک بندے سے سب میٹرز کے سلسلے میں بات کر لی ہے۔'' فاروقی نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''میٹرز تو لگ جائیں گے لیکن ایک مسئلہ ہے......''

''کیسا مسئلہ فاروقی صاحب......؟'' ساؤل نے اضطراری انداز میں پوچھا۔

''وہ بندہ فی میٹر تین ہزار روپے کا خرچہ بتا رہا ہے۔'' فاروقی نے کہا۔ ''یعنی تین میٹرز کے نو ہزار روپے اور ایک ہزار روپے اس کے چائے پانی کے لئے۔ کل ملا کر دس ہزار کا خرچہ ہے جناب!''

''تو......؟'' داؤد نے سوالیہ نظر سے فاروقی کی طرف دیکھا۔

وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''چار چار ہزار روپے آپ دونوں کو دینا ہوں گے اور دو ہزار میں دے دوں گا۔ ایک ہزار اپنا اور ایک ہزار اس بندے کا جیب خرچ۔''

''یہ کس قسم کا حساب ہے فاروقی صاحب!'' ساؤل نے استفسار کیا۔

''بھئی! حساب تو بہت سیدھا ہے۔ پتا نہیں' آپ لوگوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آ رہا۔'' فاروقی نے جھنجلاہٹ بھرے لہجے میں کہا۔ ''بجلی کے محکمے والے بندے کو میں اپنی جیب سے ایک ہزار دوں گا۔ اس کا بوجھ آپ لوگوں پر نہیں ڈال رہا۔ باقی اپنے میٹر سے تین ہزار اور ایک ہزار موٹر والے میٹر کا شیئر تو آپ کو ہی دینا ہو گا نا۔''

''یہ تو سراسر ظلم ہے فاروقی صاحب!'' داؤد نے احتجاجی لہجے میں کہا۔ ''ہم تو کرائے دار ہیں۔ اس نوعیت کے اخراجات کا بوجھ آپ ہم پر تو نہیں ڈال سکتے۔''

''بھئی! جو حقیقت تھی وہ میں نے آپ لوگوں کے سامنے رکھ دی ہے۔'' وہ روکھے لہجے میں بولا۔ ''اگر آپ کو سب میٹرز لگوانے کا شوق ہے تو یہ بوجھ تو برداشت کرنا ہی ہو گا۔ آپ اگر یہ کام کسی بندے سے مفت میں کروا سکتے ہیں تو کروا لیں' مجھے کوئی اعتراض نہیں......'' لمحاتی توقف کر کے اس نے باری باری دونوں کو گہری نظر سے دیکھا اور سپاٹ آواز میں بولا۔

''میں اس سے زیادہ آپ لوگوں کے لئے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ اگر آپ ان حالات میں یہاں رہنا چاہتے ہوں تو میری طرف سے کوئی پابندی یا زبردستی نہیں ہے۔ آپ کو کرائے کے گھر بہت مل جائیں گے اور مجھے کرائے دار......''

فاروقی کے یہ جملے کرائے دار کے غبارے کی ساری ہوا نکال دیتے تھے۔ اس بات میں کسی شک وشبہے کی گنجائش نہیں تھی کہ مکانیت اور تحفظ کے لحاظ سے فاروقی کا گھر بہت ہی آئیڈیل رہائش گاہ تھی' جہاں آپ کی عزت' جان اور مال کو کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا۔ لہٰذا قدرے زیادہ بلز کو کڑوا گھونٹ سمجھ کر حلق سے اتارا جا سکتا تھا۔

ساؤل نے کبھی فاروقی سے بلز کا شکوہ نہیں کیا تھا اور اس کا ایک بڑا سبب تھا۔ اس کی آٹھ سالہ بیٹی میری اور دس سالہ بیٹا ایوریسٹ گھر سے نزدیک ہی ایک سکول میں پڑھتے تھے۔ اگر وہ گھر تبدیل کرتا تو بچوں کا سکول بھی تبدیل کرنا پڑتا جو خاصا خرچے والا کام تھا' پھر اس کے دونوں بچے اس سکول میں بہت اچھے جا رہے تھے۔ نئے سکول میں جا کر ان کا کیا حشر ہوتا' قبل از وقت کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ علاوہ ازیں' سب سے اہم بات یہ تھی کہ ساؤل کو اپنی جاب کے سلسلے میں کبھی ایک دو روز کے لئے شہر سے باہر بھی جانا پڑتا تھا۔ فاروقی کا گھر ایسا تھا کہ وہ اپنی فیملی کی سکیورٹی کے حوالے سے بے فکر ہو کر دو چار دن گھر سے باہر گزار سکتا تھا۔

داؤد کے ساتھ اگرچہ شہر سے باہر جا کر وقت گزارنے کا کوئی معاملہ نہیں تھا' لیکن یہ بات وہ بھی مانتا تھا کہ بلز کی مد میں دو تین سو زیادہ تو جا رہے ہیں' لیکن یہاں اطمینان اور سکون دوسرے گھروں کی بہ نسبت بہت زیادہ تھا۔ چنانچہ اس نے بھی حالات سے سمجھوتا کرنے ہی میں بھلائی جانی۔

وقت تیزی سے آگے بڑھتا گیا۔ سال کے اختتام پر فاروقی نے کرائے میں دو سو روپے کا مطالبہ کر دیا۔ داؤد آٹھ سو روپے کرائے پر یہاں آیا تھا۔ ان دنوں شہر کے مختلف علاقوں میں چوریوں اور ڈکیتیوں کی ایک وبا سی پھوٹ پڑی تھی۔ ہر روز دو چار ایسی خبریں سننے کو مل جاتی تھیں کہ فلاں علاقے میں فلاں واردات ہو گئی۔ اس صورت حال میں داؤد نے شفٹنگ کا رسک لینے کے بارے میں سوچا بھی نہیں اور بڑی شرافت کے ساتھ فاروقی کا مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے کرائے میں دو سو روپے کا اضافہ کر دیا۔

مزید ایک سال گزر گیا۔ اس سال کے اختتام پر حالات ایسے واہیات ہو گئے کہ داؤد کو وہ گھر چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اچانک لائن میں پانی غائب ہو گیا تھا' جب دو دو' تین تین دن کے وقفے سے پانی آنے لگا تو گھریلو ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ٹینکرز ڈلوانے کا سلسلہ

شروع ہو گیا۔ پانی کا ٹینکر جتنے میں آتا وہ رقم تینوں گھروں پر تقسیم کر دی جاتی تھی۔ یہاں تک تو سب ٹھیک تھا' لیکن خرابی اس وقت پیدا ہوئی جب ٹینکر کی قیمت میں برابر شیئر کرنے کے باوجود بھی داؤد اور فوزیہ کو پانی سے محرومی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ انتہائی ناقابل برداشت سچویشن تھی۔

پانی کا ٹینکر عموماً دس گیارہ بجے ڈلتا تھا اور اس وقت داؤد اور فوزیہ گھر میں موجود نہیں ہوتے تھے۔ جب وہ اپنی اپنی جاب سے واپس آتے تو پانی ختم ہو چکا ہوتا تھا۔ وہ لوگ جیسے تیسے گزارہ کرتے اور اگلے روز محض منہ دھو کر گھر سے نکل جاتے۔ یہ سلسلہ ناانصافی زیادہ دنوں تک نہیں چل سکتا تھا' پھر فوزیہ کے انکشاف نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

"مجھے پکی خبر ملی ہے کہ فاروقی نے اپنے گھر کے اندر بھی پانی کی ایک ٹینکی لگا رکھی ہے۔" فوزیہ نے ایک رات داؤد کو بتایا۔ "اگر تمہیں میری بات کا یقین نہ ہو تو اس کے گھر کے اندر جھانک کر خود تصدیق کر لو......"

"یہ تو کمینگی کی انتہا ہے۔" داؤد نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "میں کسی تصدیق کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ بھلا مجھ سے جھوٹ کیوں کہو گی۔"

"ہمیں دو دو' تین تین دن کے بعد نہانا نصیب ہوتا ہے۔ میلے کپڑوں کا ایک انبار جمع ہو گیا ہے۔" فوزیہ نے شکایتی لہجے میں کہا۔ "جب پانی کا ٹینکر ڈلتا ہے تو ہم دونوں گھر میں موجود نہیں ہوتے۔ میں واپس آ کر دیکھتی ہوں تو فاروقی کے سارے بچے نہائے دھوئے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کے بدن پر اجلا لباس موجود ہوتا ہے۔ ہمارے پورشن کے صحن سے ان کے گھر کی دونوں الگنیاں نظر آتی ہیں جن پر درجنوں کپڑے سوکھنے کے لئے لٹکے دکھائی دیتے ہیں اور یہ سب دیکھ کر دل کڑھتا ہے داؤد۔"

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو فوزیہ۔" داؤد گہری سنجیدگی سے بولا۔ "پانی کی شارٹیج کا ایسا معاملہ آن پڑا ہے کہ یہ مسئلہ دنوں میں تو حل ہوتا نظر نہیں آتا۔ جب تک لائن میں مناسب پانی آنا شروع نہیں ہوتا' ٹینکرز تو ڈالیں گے۔ اب یہ ہو نہیں سکتا کہ ہم دونوں کام کاج چھوڑ کر دن بھر گھر میں بیٹھے رہیں اور جیسے ہی پانی کا ٹینکر ڈلے اس سے کماحقہٗ استفادہ کریں۔"

"ایک کام ہو سکتا ہے داؤد......" فوزیہ نے صلاح دینے والے انداز میں کہا۔

"ہاں بولو......کون سا کام؟" داؤد نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم فاروقی سے کہو کہ ہمارے پورشن میں جست کی ایک چھوٹی سی ٹینکی لگوا دے۔"

فوزیہ نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "ہم اپنی اپنی ڈیوٹی پر جاتے ہوئے اس کا والو کھول جایا کریں گے۔ جب ٹینکر والا پانی چلے گا تو ہماری ٹینکی میں بھی آ جائے گا۔ پھر ہم اپنی سہولت سے اسے استعمال کر لیا کریں گے۔"

"تجویز تو تمہاری اچھی ہے۔" وہ تعریفی نظر سے فوزیہ کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "لیکن پچھلے دو سال میں فاروقی کو میں جتنا سمجھ سکا ہوں اس کی روشنی میں بڑے وثوق کے ساتھ میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ ٹینکی لگوا کر دینے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوگا۔ وہ یہی کہے گا کہ...... اپنی جیب سے لگوا لو۔"

"تم اس سے بات تو کرو۔" فوزیہ نے کہا۔ "دیکھیں وہ کیا جواب دیتا ہے۔"

اگلے روز داؤد نے پانی کی غیر منصفانہ تقسیم پر اسلم فاروقی سے بات کی تو اس نے کھرے لہجے میں کہا۔

"داؤد میاں! اگر تم لوگ دن بھر گھر میں نہیں ہوتے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟"

"آپ کا کوئی قصور نہیں ہے فاروقی صاحب!" داؤد نے معتدل انداز میں کہا۔ "لیکن آپ میرے مسئلے کو بہ آسانی حل کر سکتے ہیں۔"

"وہ کس طرح؟" فاروقی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"آپ ہمیں چھوٹی سی جستی ٹینکی لگوا دیں۔" داؤد نے اپنی بیوی کی تجویز کو مالک مکان کی سماعت میں انڈیلتے ہوئے کہا۔ "ٹینکی میں پانی جمع رہے گا تو ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔"

"تو ٹھیک ہے۔" فاروقی نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "آپ اپنی مدد آپ کے تحت ٹینکی لگوا لیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"بات اعتراض کی نہیں گنجائش کی ہے فاروقی صاحب۔" داؤد خود پر جبر کرتے ہوئے بولا۔ "ابھی میری جیب اس خرچے کی اجازت نہیں دیتی۔"

"میری جیب کا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے داؤد صاحب۔" فاروقی نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"آپ دو ماہ تک رک جائیں تو شاید کوئی سبیل نکل آئے۔"

داؤد کو ایک سو ایک فیصد یقین تھا کہ فاروقی اپنی مالی حالت کے حوالے سے قصداً دروغ گوئی سے کام لے رہا تھا۔ اس کا شیپ کا بزنس ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا اور دو پورشنز کا کرایہ بھی ہر ماہ باقاعدگی کے ساتھ اس کی جیب میں جا رہا تھا۔ یہ جاننے کے لئے فاروقی کے ذہن میں کیا ہے' داؤد نے پوچھ لیا۔

"فاروقی صاحب! دو ماہ کے بعد ایسا کیا ہونے والا ہے؟"

"دو ماہ کے بعد آپ کا سال پورا ہو جائے گا۔" فاروقی نے داؤد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے آپ کا کرایہ بڑھانا ہے۔ ساؤل کا اگلے مہینے بڑھاؤں گا۔ پھر ہاتھ میں تھوڑی گنجائش پیدا ہو جائے گی۔ میں دونوں پورشنز میں جست کی چھوٹی ٹینکیاں لگوا دوں گا لیکن اسی شرط پر......"

"کون سی شرط فاروقی صاحب؟" داؤد نے الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

فاروقی نے جواب دیا۔ "آدھے آدھے پر...... یعنی ٹینکی کے آدھے پیسے میں دوں گا' آدھے آپ۔ اللہ اللہ خیر سلا......"

فاروقی کی چالاکی اور کمینگی کسی تعارف کی محتاج نہیں تھی۔ داؤد دل ہی دل میں کھول کر رہ گیا۔ فاروقی سے کسی بحث کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے ٹینکی کے معاملے پر اصرار کیا تو وہ فلسفہ جھاڑنے لگے گا' جس کے نتیجے میں داؤد کو غصہ آ جائے گا اور پھر کوئی بھی بدمزگی ہو سکتی تھی۔

وہ خاموشی سے اٹھا اور اپنے گھر آ گیا۔ فوزیہ نے جب پوچھا کہ کیا رہا تو اس نے فوزیہ کو فاروقی کے ساتھ ہونے والی ملاقات کی تفصیل سے آگاہ کر دیا۔ فوزیہ نے پوری بات سنی اور ایک ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔

"اب تو صرف ایک ہی صورت باقی بچی ہے......"

"کون سی صورت؟" داؤد نے پوچھا۔

"پانی کے بغیر گزارہ ممکن نہیں ہے۔" فوزیہ نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ہمیں اپنی جیب سے ہی ٹینکی لگوانا پڑے گی۔"

"ایک اور صورت بھی ہے۔" داؤد نے زہر خند انداز میں کہا۔ "جو تمہاری پیش کردہ صورت سے زیادہ مؤثر ہے۔"

"میں بھی تو سنوں......؟" فوزیہ نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

"اگر ہم اپنی جیب سے ٹینکی لگوا بھی لیں تو فاروقی کی ذلالت کا سلسلہ یہیں پر رکنے والا نہیں۔" داؤد نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "یہ ذلیل انسان کل کوئی نیا ایشو کھڑا کر دے گا۔"

"پھر......؟" فوزیہ کی سوالیہ نگاہ داؤد پر ٹکی تھی۔

"پھر میں نے فیصلہ کیا ہے کہ......" داؤد نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "ہم جلد اس گھٹیا انسان کا گھر چھوڑ دیں گے۔"

"داؤد! کیا نیا گھر آسانی سے مل جائے گا۔" فوزیہ نے اپنی تشویش کا اظہار کیا۔

"آسانی سے نہیں تو مشکل سے مل جائے گا۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "فاروقی دو ماہ کے بعد کرایہ بڑھانے کی بات کر رہا ہے۔ میرا خیال ہے' اس سے پہلے میں کوئی اور مناسب سا گھر تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

اگلے ہی روز سے داؤد نے گھر کی تلاش شروع کر دی اور دو ماہ سے ایک ہفتہ قبل اس نے جہانگیر روڈ پر ایک چھوٹا سا مکان ڈھونڈ نکالا۔ اس نے فوزیہ کو بھی مذکورہ مکان دکھایا۔ فوزیہ نے بھی مکان پسند کر لیا' پھر باہمی رضامندی سے انہوں نے اسلم فاروقی کا گھر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ چوبیس فروری کو داؤد نے فاروقی سے ملاقات کی اور اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا۔

"یہ کون سا طریقہ ہے داؤد صاحب!" فاروقی نے برہمی سے کہا۔ "آپ کو ایک ماہ پہلے بتانا چاہیے تھا جو کہ ایک اصول بھی ہے۔ اگر مجھے آپ سے گھر خالی کرانا ہوتا تو ایک ماہ پہلے نوٹس دیتا۔"

"میں آپ کی بات سے اختلاف نہیں کروں گا کیونکہ آپ نے ایک اصولی بات کی ہے۔" داؤد نے نرمی سے کہا۔ "لیکن آپ میری مجبوری کو بھی تو سمجھنے کی کوشش کریں' میرا خیال ہے اب ہم مزید ایک ساتھ نہیں چل سکیں گے۔"

"ٹھیک ہے' میں آپ کی مجبوری کا احساس کر لیتا ہوں۔" فاروقی نے چالاکی سے کہا۔ "لیکن میں ایڈوانس کی رقم فوری طور پر ارینج نہیں کر سکوں گا۔ چند دن اوپر نیچے ہو سکتا ہے۔"

"جناب! میں نے وہاں ٹوکن (بیعانہ) دے دیا ہے۔" داؤد نے نرمی سے کہا۔ "ہم

لوگ یکم مارچ کو شفٹنگ کریں گے۔ آج چوبیس تاریخ ہے۔ آپ کوشش کریں گے تو ارینج ہو ہی جائے گا۔"

"فروری ویسے بھی اٹھائیس کا مہینہ ہے۔" فاروقی نے ہونٹ سیکڑتے ہوئے کہا۔ "بہرحال' میں کوشش کرتا ہوں۔"

داؤد مطمئن ہو گیا' لیکن جب یکم مارچ تک بھی داؤد نے ایڈوانس کی رقم واپس نہ کی تو پریشانی نے اسے گھیر لیا۔ نئے مکان میں سامان رکھنے سے پہلے ایک ماہ کا کرایہ اور ایڈوانس کی رقم مالک مکان کو ادا کرنا ضروری تھا۔ کرایہ تو اس کے پاس تھا' لیکن ایڈوانس کی رقم فاروقی سے لے کر ہی نئے مالک مکان کو دینا تھی اور فاروقی لیت ولعل سے کام لے رہا تھا۔

یکم سے دو مارچ ہوا تو داؤد کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ نئے مالک مکان نے بڑے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ اگر وہ چوبیس گھنٹے کے اندر ایڈوانس کی رقم ادا نہیں کرے گا تو وہ مکان کسی اور پارٹی کو کرائے پر اٹھا دے گا۔ دو تین اور فیملیز بھی وہ مکان دیکھنے آ رہی تھیں۔ داؤد نے جا کر فاروقی کی منت کی۔

"فاروقی صاحب! آپ صبح مجھے ایڈوانس کی رقم واپس کر دیں ورنہ وہ مکان میرے ہاتھ سے نکل جائے گا اور میں نے جو ٹوکن وہاں دیا ہے وہ بھی واپس نہیں ملے گا۔"

"صبح تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" فاروقی نے بڑی سفاکی سے کہا۔ "چند دن اور لگ جائیں گے۔"

"کتنے چند دن اور......؟" داؤد نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

داؤد اچھی طرح جانتا تھا کہ فاروقی جان بوجھ کر اسے تنگ کر رہا تھا ورنہ دس ہزار روپے کوئی اتنی بڑی رقم نہیں تھی جو وہ ارینج نہ کر سکتا۔ فاروقی اپنی کمینی فطرت کے ہاتھوں مجبور تھا اور داؤد کی اپنی مجبوریاں تھیں۔ داؤد کے سوال کے جواب میں فاروقی نے کہا۔

"دیکھیں داؤد صاحب! آپ دس مارچ کو رات میں میرے پاس آ جائیں' آپ کی رقم میں تیار رکھوں گا۔"

"دس مارچ میں تو ابھی کافی دن باقی ہیں۔" داؤد نے جھنجلاہٹ آمیز لہجے میں کہا۔ "مالک مکان اتنے دن انتظار نہیں کر سکے گا۔"

"آپ ایک کام کیوں نہیں کرتے؟" فاروقی نے ہمدردی بھرے انداز میں کہا۔ "چند

دنوں کے لئے آپ اپنے سیٹھ سے دس ہزار ادھار لے کر نئے مالک مکان کو ایڈوانس ادا کر کے شفٹنگ کر لیں۔ میں آپ کو دس مارچ کو دوں گا تو آپ وہ رقم اپنے سیٹھ کو واپس کر دیجئے گا۔"

یہ ترکیب داؤد کے ذہن میں بھی آئی تھی' کیونکہ "مرتا کیا نہ کرتا" کے مصداق اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا' لیکن وہ پہلے فاروقی کو گھس کر دیکھنا چاہتا تھا' جو اس کے دس ہزار دبائے بیٹھا تھا۔

"ٹھیک ہے فاروقی صاحب! میں دس مارچ ہی کو آپ کے پاس آؤں گا۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "امید ہے' آپ اپنا وعدہ پورا کریں گے۔"

"ان شاء اللہ......ضرور......!" اس نے بڑے وثوق سے کہا۔

"اگلے روز داؤد نے اپنے سیٹھ سے بات کی۔ سیٹھ نے اس کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے دس ہزار روپے ادھار دے دیئے اور ساتھ ہی تسلی آمیز انداز میں یہ بھی کہہ دیا۔

"یہ رقم فوری طور پر واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب بھی ہاتھ آسان ہو تو دے دینا اور اگر تم کہو گے تو میں تمہاری تنخواہ میں سے ہر ماہ تھوڑے تھوڑے کاٹتا رہوں گا۔ اس طرح تم پر دباؤ بھی نہیں پڑے گا اور رفتہ رفتہ قرض بھی ادا ہو جائے گا۔"

داؤد نے اپنے سیٹھ کے مشورے پر فوراً عمل کر ڈالا اور پانچ مارچ کو گھر شفٹ کر لیا۔ اس کی بیوی فوزیہ بہت خوش تھی۔ اس کی نظر فاروقی سے ملنے والے دس ہزار روپے پر لگی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے ذہن میں بڑی بھرپور منصوبہ بندی بھی کر لی تھی کہ وہ اس رقم کو کہاں کہاں خرچ کرے گی۔ حسن اتفاق سے دس ہزار روپے اس کے ہاتھ لگنے والے تھے۔ گھر کی ایک ایک محرومی اور ضرورت اسے رہ رہ کر یاد آنے لگی تھی' مگر کسی نے ایسے ہی موقع کے لئے کیا خوب کہا ہے کہ......جن پر تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔

دس مارچ کو داؤد فاروقی کے پاس پہنچا اور اپنی رقم کا تقاضا کیا۔ آگے سے فاروقی نے چند روز کی مزید مہلت مانگ لی۔ داؤد کو اس کی بہانہ بازی پر غصہ تو بہت آیا' لیکن غصے کے عملی اظہار سے کچھ بھی حاصل ہونے والا نہیں تھا۔ کسی حکمت عملی کے ذریعے ہی فاروقی سے رقم نکلوائی جا سکتی تھی۔ جھگڑا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

دس مارچ کے بعد داؤد کبھی فاروقی کے گھر اور کبھی اس کے کارخانے کے چکر لگانے لگا۔

فاروقی ہر بار اسے کوئی نئی کہانی سنا دیتا تھا بلآخر اس نے فاروقی سے دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کرلیا اور پچیس مارچ کو وہ دکان سے جلدی چھٹی کر کے فاروقی کے کارخانے پہنچ گیا۔

اس وقت کارخانے کے اندر بہت کم لوگ کام کر رہے تھے۔ ویسے بھی فاروقی نے اپنا سٹاف بہت محدود رکھا ہوا تھا۔ فاروقی اپنے آفس نما کمرے میں موجود تھا۔ داؤد اس کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔

فاروقی نے کمال مکاری سے کہا۔ ''داؤد صاحب! آپ کے لئے ٹھنڈا منگواؤں یا گرم؟''

داؤد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''آپ براہ مہربانی میری رقم واپس کر دیں تو میں آپ کا شکر گزار ہوں گا۔''

''آپ مجھے پانچ دن کا اور ٹائم دیں داؤد صاحب!'' فاروقی نے مکاری بھرے لہجے میں کہا۔ ''ان شاء اللہ! یکم اپریل کو میں آپ کو رقم ادا کر دوں گا۔''

''کہیں مجھے اپریل فول بنانے کا ارادہ تو نہیں۔'' داؤد نے تیکھی نظر سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کمال ہے......'' فاروقی برہمی سے بولا۔ ''آپ میری نیت پر شک کر رہے ہیں؟''

''فاروقی صاحب!' وداؤد نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''آپ ایک ماہ سے ''آج کل' آج کل'' کر رہے ہیں۔ آپ کے اس رویے کے پیش نظر میں آپ کی نیت کے بارے میں کیا رائے قائم کروں؟''

''آج کل کاروبار ڈاؤن جا رہا ہے۔'' فاروقی نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ ''آپ کو کچھ اندازہ نہیں ہے داؤد صاحب! آپ تو تنخواہ دار ہیں' ہر ماہ آپ کو مقررہ تنخواہ مل جاتی ہے۔ اپنے سیٹھ سے پوچھیں' بزنس کی کیا پوزیشن چل رہی ہے۔''

''میں ان باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا کہ آپ کے بزنس کی کیا پوزیشن ہے۔'' داؤد نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''مجھے میری رقم چاہئے۔ میں نے آپ کے بھروسے پر اپنے سیٹھ سے دس ہزار روپے ادھار پکڑ لیے تھے۔ آپ نے مجھ سے دس مارچ کو رقم لوٹانے کا وعدہ کیا تھا اور آج پچیس تاریخ ہوگئی ہے۔ وعدہ خلافی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ سیٹھ ہر روز مجھ سے رقم کا تقاضا کرتا ہے۔ میری نوکری داؤ پر لگی ہوئی ہے اور آپ کو کوئی فکر ہی نہیں۔ میں

جانتا ہوں' آپ کی مالی حالت اتنی بھی پتلی نہیں کہ جیب سے دس ہزار نہ نکال سکیں۔"

"میری بات مان لیں داؤد صاحب۔" فاروقی نے بڑی رسان سے کہا۔ "اپنے سیٹھ سے کہیں' پانچ دن اور رک جائے میں یکم کو آپ کی رقم لوٹا دوں گا۔"

"مجھے آج اور ابھی اپنی رقم چاہیے۔" داؤد نے ضدی لہجے میں کہا۔

"آج میں آپ کے لئے کچھ نہیں کرسکتا۔" فاروقی نے رکھائی سے کہا۔ "آپ خوانخواہ ضد کر رہے ہیں۔"

"آپ چاہیں تو بہت کچھ کر سکتے ہیں۔" داؤد نے ٹھوس انداز میں کہا۔ "لیکن آپ کی پیسے دینے کی نیت ہی نہیں ہے۔"

"جب آپ کو میری نیت پر ہی بھروسا نہیں تو پھر میں کیا کرسکتا ہوں۔"

"آپ کو کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں۔" داؤد نے ترشی سے کہا۔ "بس' آپ شرافت سے میری رقم واپس کر دیں۔"

"کیا میں اب تک آپ کے ساتھ بدمعاشی کر رہا ہوں جو آپ مجھے شرافت کا درس دے رہے ہیں؟" فاروقی اچانک ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"آپ کا رویہ شرافت کے زمرے میں تو ہرگز نہیں آتا فاروقی صاحب۔" داؤد نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "اگر میری بات کا یقین نہ ہو تو کسی بھی شخص کو ثالث مقرر کر کے فیصلہ لے لیں۔ آپ کو خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ آپ اب تک میرے ساتھ کتنی زیادتی کر چکے ہیں۔"

"مجھے کسی سے ثالثی کرانے کی ضرورت نہیں۔" فاروقی نے برہمی سے کہا۔ "ابھی تو میرے پاس پیسے نہیں ہیں' جب ہوں گے' میں آپ کو فون کر دوں گا۔ آ کر لے جایئے گا۔ جب تک میں آپ کو فون نہ کروں' میرے گھر یا کارخانے میں چکر لگانے کی ضرورت نہیں۔"

"یہ تو کھلی بدمعاشی ہے فاروقی صاحب!" داؤد نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"آپ کچھ بھی سمجھ لیں۔" فاروقی ڈھٹائی سے بولا۔ "اب آپ یہاں سے جا سکتے ہیں۔ مجھے اور بھی بہت سے ضروری کام ہیں۔"

"فاروقی صاحب! یہ آپ ٹھیک نہیں کر رہے ہیں۔" داؤد نے سٹپٹائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آپ مجھے کسی اور طریقے پر مجبور نہ کریں۔ آپ میری شرافت کا امتحان نہ لیں۔"

''کیا کرلیں گے آپ......'' فاروقی نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔'' بتائیں' آپ کیا کریں گے؟''

''تو یہ شوق بھی پورا کر کے دیکھ لیں۔'' فاروقی نے حقارت بھری نظر سے داؤد کی طرف دیکھا۔'' میں ڈرتا نہیں ہوں کسی سے بھی۔''۔

اس کے بعد ان دونوں میں تلخ و ترش جملوں کا تبادلہ ہوا اور داؤد یہ کہتے ہوئے' پاؤں پٹخ کر اس کے کارخانے سے نکل آیا۔

''میں نے اپنی رقم نہ نکلوائی تو میرا نام بھی داؤد نہیں......''

داؤد جلائے اور جھنجلائے ہوئے ذہن کے ساتھ گھر پہنچا اور بیوی کو سارا واقعہ کہہ سنایا۔ یہ حالات سن کر فوزیہ کو غصہ بھی آیا اور شدید افسوس بھی ہوا۔ دونوں نے رات کا کھانا زہر مار کیا اور ٹی وی کھول کر بیٹھ گئے۔

پھر ٹھیک نو بجے پولیس ان کے دروازے پر پہنچی اور داؤد کو اسلم فاروقی کے قتل کے الزام میں گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گئی۔

☆......☆......☆

ریمانڈ کی مدت پوری ہونے کے بعد پولیس نے کیس کا چالان عدالت میں پیش کر دیا۔ میں نے اپنے وکالت نامے کے ساتھ ہی ملزم داؤد کی درخواست ضمانت بھی دائر کر دی۔

عدالتی کارروائی کا آغاز ہوا۔ وکیل استغاثہ نے ضمانت کے خلاف اور میں نے ضمانت کے حق میں دلائل دینا شروع کئے۔ ہمارے بیچ لگ بھگ پندرہ منٹ تک بحث جاری رہی جس کے اختتام پر جج نے درخواست ضمانت کو رد کرتے ہوئے باقاعدہ سماعت کے لئے اگلی تاریخ دے دی۔

جیسا کہ پہلے بھی کئی بار اس امر کی وضاحت کر چکا ہوں کہ قتل کے ملزم کی ضمانت ناممکن حد تک مشکل ہوتی ہے۔ اس پیشی کے اختتام کے ساتھ ہی میرے مؤکل اور اس کیس کے ملزم داؤد کو جوڈیشل ریمانڈ پر جیل بھیج دیا گیا۔ اب اس کیس کے فیصلے تک اسے جیل ہی میں رہنا تھا۔ اگر فیصلہ اس کے حق میں آ جاتا تو رہائی اس کا مقدر ٹھہرتی اور اگر فیصلہ اس کے برخلاف چلا جاتا تو پھر اس کی زندگی کا بیشتر حصہ جیل کی سنگلاخ دیواروں کے پیچھے گزرنا تھا' لیکن مجھے قوی امید تھی کہ میں اپنے مؤکل کو باعزت رہا کرانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

ہم عدالت سے باہر آئے تو فوزیہ خاصی بجھی بجھی نظر آئی۔ اس کیس کی وجہ سے وہ خاصی الجھ گئی تھی، کیونکہ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کی زندگی کا سہارا تھے۔ ان کا کوئی قریبی عزیز رشتے دار نہیں تھا۔ ایک موقع پر فوزیہ نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر میں ضرورت محسوس کروں سکول سے ایک دو ماہ کی چھٹی لے لیتی ہے، لیکن میں نے اسے ایسا کرنے سے منع کر دیا یہ کہا تھا کہ وہ بس اس روز چھٹی کرلیا کرے جب اس کیس کی تاریخ ہو۔ ایک دو ماہ کی چھٹی کی واقعتاً کوئی ضرورت نہیں تھی۔

جیل کی وین جب داؤد کو لے کر عدالت کے احاطے سے نکل گئی تو فوزیہ کافی دیر تک حسرت بھری نگاہ سے جاتی ہوئی وین کو دیکھتی رہی۔ اس کی محویت میں خلل آیا تو میں نے ہمدردی بھرے لہجے میں کہا۔

"فوزیہ صاحبہ! آپ کچھ زیادہ ہی پریشان تو نہیں ہو رہیں؟"

اس نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے الٹا مجھی سے پوچھ لیا۔ "بیگ صاحب! داؤد کو اس مصیبت سے نجات مل جائے گی نا؟"

"سو فیصد یقین ہے مجھے!" میں نے پراعتماد لہجے میں کہا۔ "آپ حوصلہ مضبوط رکھیں اور میری ہدایات پر من وعن عمل کرتی جائیں۔ پھر کامیابی ہم سے زیادہ دور نہیں رہے گی۔"

"ان شاء اللہ!" وہ خاصے توانا لہجے میں بولی۔

میں تسلی تشفی دے کر فوزیہ کو رخصت کر دیا اور پارکنگ لاٹ کی جانب بڑھ گیا۔

آگے بڑھنے سے پہلے میں آپ کو استغاثہ اور پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے بارے میں بتاتا چلوں تاکہ عدالتی کارروائی کے دوران میں آپ کا ذہن کسی الجھن کا شکار نہ ہو۔

پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق مقتول فاروقی کی موت پچیس مارچ کی سہ پہر چار اور چھ بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ موت کا سبب سر کے عقبی حصے میں شدید ترین چوٹ بتایا گیا تھا۔ ایک آہنی راڈ کی مدد سے اس کی کھوپڑی کے عقبی حصے کو چٹخا دیا گیا تھا۔ یہ ضرب اتنی شدید تھی کہ موقع پر ہی مقتول کی موت واقع ہو گئی تھی۔ مذکورہ آہنی راڈ کو آلہ قتل کی حیثیت حاصل تھی اور پولیس نے بآسانی جائے وقوعہ سے آلہ قتل کو بازیاب کرلیا تھا۔ آہنی راڈ کے ایک سرے سے چند بال بھی چپکے ہوئے ملے تھے۔ لیبارٹری ٹیسٹ نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ بال مقتول کے سر کے بالوں سے مماثلت رکھتے تھے۔

Pakistanipoint.com Waheed Amir

استغاثہ نے میرے مؤکل کو سخت ترین سزا دلوانے کے لئے بڑی خطرناک رپورٹ تیار کی تھی۔ اس رپورٹ کے مطابق ملزم داؤد نے مقتول فاروقی کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ وہ کبھی اس کے گھر اور کبھی کارخانے پہنچ جاتا تھا۔ وہ جب بھی فاروقی سے ملنے کے بعد رخصت ہوتا' فاروقی کی طبیعت خراب ہو جاتی تھی۔ وہ ملزم کی حرکتوں سے عاجز آ چکا تھا' پھر وقوعہ کے روز تو حد ہی ہو گئی۔ ملزم سہ پہر میں مقتول کے کارخانے پہنچ گیا اور رقم کا مطالبہ کر دیا۔ دونوں کے درمیان تلخ کلامی اس قدر بڑھ گئی کہ ملزم کو خود پر قابو نہ رہا اور اس نے طیش کے عالم میں آہنی راڈ سے مقتول کے سر پر حملہ کر دیا اور ایک کاری ضرب سے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

استغاثہ کی رپورٹ میں سب سے زیادہ چونکا دینے والی بات یہ تھی کہ مقتول کو قتل کرنے کے بعد ملزم اس کی میز کی دراز میں سے ایک بھاری رقم بھی چرا لے گیا تھا۔ استغاثہ کے دعوے کے مطابق وہ رقم پچاس ہزار روپے بتائی گئی تھی۔ یہ واقعی ایک انکشاف انگیز نکتہ تھا۔

میں نے بڑی توجہ اور باریک بینی سے تمام رپورٹس کا مطالعہ کیا اور اپنے طور پر ایک لائحہ عمل تیار کر لیا کہ مجھے اس کیس کے ساتھ کس نوعیت کا برتاؤ کرنا ہے۔ میں اپنی منصوبہ بندی سے پوری طرح مطمئن تھا۔

مقتول کی طرف سے اس کیس کی پیروی اگرچہ اس کی بیوی زبیدہ ہی کر رہی تھی تاہم وہ اپنی دائمی بیماری کی وجہ سے ہر پیشی پر عدالت میں حاضر ہونے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ اس کی سات اولادوں میں تین بڑی بیٹیاں تھیں۔ اس کے بعد بیٹے کا نمبر آتا تھا' جس کی عمر کم و بیش دس سال تھی یعنی وہ بھی خاطر خواہ اس کیس کی پیروی کرنے کے قابل نہیں تھا' لہٰذا اس سلسلے کی ساری ذمے داری وکیل استغاثہ کے کندھوں پر آ گئی تھی۔ ابتدائی چند پیشیاں تکنیکی کارروائی کی نذر ہو گئیں۔

☆......☆......☆

دو ماہ کے بعد عدالت کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہوا۔ جج نے اپنی بھاری بھرکم آواز میں فرد جرم پڑھ کر سنائی۔ ملزم نے میری ہدایت کے عین مطابق صحت جرم سے انکار کر دیا۔ پولیس کسٹڈی میں' ریمانڈ کی مدت کے دوران میں لئے گئے ملزم کے بیان کو عدالت زیادہ اہمیت نہیں دیتی۔ اکثر ملزم پولیس کی معروف زمانہ تفتیشی سختیوں سے محفوظ رہنے کے لئے بڑی شرافت سے اقبال جرم کر لیتے ہیں۔ اس طرح پولیس کا کام آسان ہو جاتا ہے اور وہ ملزم کے

ساتھ زیادہ طبع آزمائی نہیں کرتے۔

اس کے بعد ملزم کا حلفیہ بیان ریکارڈ کیا گیا۔ وکیل استغاثہ نے ملزم پر کڑی جرح کی' لیکن میرے مؤکل نے نہایت ہی تحمل اور حوصلے کے ساتھ وکیل سرکار کے سوالات کا سامنا کیا اور میری ہدایات کے عین مطابق جوابات دے کر وکیل استغاثہ کو خود پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ پھر استغاثہ کے گواہوں کا سلسلہ شروع ہوا۔

استغاثہ کی جانب سے کل چھ گواہوں کی فہرست عدالت میں دائر کی گئی تھی' لیکن میں یہاں پر صرف انہی گواہوں کے بیانات بیان کروں گا' جس میں آپ کی دلچسپی کا وافر مواد موجود ہوگا۔ اس سے پہلے کہ وکیل استغاثہ اپنا کوئی گواہ سامنے لاتا' میں نے جج کی جانب دیکھتے ہوئے درخواست کی۔

''جناب عالی! اگر معزز عدالت کی اجازت ہو تو میں اس کیس کے تفتیشی افسر سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔''

میری یہ درخواست کسی بھی طور پر اعتراض کے زمرے میں نہیں آتی تھی لیکن وکیل استغاثہ نے پہلی بال پر ہی چوکا لگانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''یور آنر! چند سوالات کا مطلب چند سوالات ہی ہونا چاہیے۔ میرے فاضل دوست زورِ خطابت میں اتنا آگے بڑھ جاتے ہیں کہ انہیں عدالت کے قیمتی وقت کا ذرا بھی خیال نہیں رہتا......''

جج نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔ اس ''نظر'' کا واضح جواب دینا چاہیے۔ میں جج کا اشارہ پا کر اپنے حریف وکیل کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور وکیل استغاثہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ ''میرے فاضل دوست! ابھی آپ نے میری جس ''صلاحیت'' کا ذکر کیا ہے وہ سنی سنائی تک محدود ہے یا اس سلسلے میں آپ کو کوئی ذاتی تجربہ بھی ہے؟''

میں نے تو رواداری میں یہ بات پوچھ لی تھی' لیکن وکیل استغاثہ کی طرف سے جو جواب آیا اس نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ فخر سے سینہ پھلاتے ہوئے بولا۔

''جناب! میں سنی سنائی پر زیادہ بھروسا نہیں کرتا۔ ابھی میں نے آپ کے بارے میں جو کچھ بھی کہا وہ میرا ذاتی تجربہ ہے......''

میں نے محتاط لہجے میں کہا۔ ”آپ کا مطلب ہے، ہم پہلے بھی کسی کیس میں ایک دوسرے کے مقابل وکالت کر چکے ہیں؟“

”جی...... میرا یہی مطلب ہے۔“ وہ ٹھوس لہجے میں بولا۔

مذکورہ وکیل کا نام انجم عثمانی تھا۔ میں نے بہت یاد کرنے کی کوشش کی کہ کب میں نے اس کے مقابلے میں وکالت کے جوہر دکھائے تھے، لیکن میں اس شخص کو اپنی یادداشت میں زندہ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اگر میں سوال و جواب کے چکر میں پڑ جاتا تو اس سے کچھ حاصل نہ ہوتا سوائے وقت کی بربادی کے...... لہٰذا میں نے نارمل بال کے بجائے یارکر مار دیا۔ میں نے نہایت ہی شائستگی سے کہا۔

”میرے فاضل دوست! جس کیس میں ہم روبہ رو ہوئے تھے اس کا نتیجہ کیا رہا تھا۔ میرا مطلب ہے، آپ ملزم کو جیل بھجوانے میں کامیاب رہے تھے یا میں اسے باعزت بری کرانے میں کامران رہا تھا؟“

وہ جھینپے ہوئے انداز میں بولا۔ ”خوش قسمتی سے آپ وہ کیس جیت گئے تھے۔“

میں نے اطمینان بھری سانس خارج کی اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”میں اپنی خوش قسمتی سے جیتا یا آپ اپنی بدقسمتی سے وہ کیس ہار گئے تھے اس بات کی زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ اگر میں نے کسی گواہ پر بہت زیادہ وقت صرف کر کے اپنے مؤکل کو باعزت بری کرا لیا تھا تو میری نظر میں یہی سب سے اہم ہے لیکن آپ پریشان نہ ہوں......“ میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

”آج میں واقعی تفتیشی افسر کو چند سوالات میں نمٹا دوں گا۔ آپ کو اس سلسلے میں زیادہ فکرمند ہونے کی چنداں ضرورت نہیں......“

وہ برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔ اگلے ہی لمحے جج کے حکم پر انکوائری آفیسر وٹنس باکس میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ انکوائری آفیسر کی حیثیت کسی بھی کیس میں استغاثہ کے گواہ ایسی ہوتی ہے اور اسے ہر پیشی پر عدالت میں حاضر رہنا پڑتا ہے۔

اس کیس کا تفتیشی آفیسر عہدے کے اعتبار سے ایک سب انسپکٹر تھا۔ اس کا نام منظور حسین معلوم ہوا۔ منظور حسین ایک ڈھیلا ڈھالا پولیس آفیسر تھا۔ میں جج کی اجازت حاصل کرنے کے بعد وٹنس باکس (گواہوں والے کٹہرے) کے قریب چلا گیا، پھر منظور حسین کی

آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
"آئی او صاحب! آپ کو اس واقعے کی اطلاع کب اور کس نے دی تھی؟"
"پولیس کے روزنامچے کے مطابق یہ اطلاع پچیس مارچ کی سہ پہر لگ بھگ سوا پانچ بجے دی گئی تھی۔" تفتیشی افسر نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔" اور یہ اطلاع مقتول کے ایک ملازم خاص نے دی تھی۔"
"اس ملازم خاص کا نام بتانا پسند کریں گے؟"
"ارشد محمود......!"
"منظور حسین صاحب!" میں نے سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔
"آپ جائے دقوعہ پر کتنے بجے پہنچے تھے؟"
"مجھے وہاں پہنچنے میں دس سے پندرہ منٹ لگے ہوں گے۔" اس نے بتایا۔" آپ ساڑھے پانچ سمجھ لیں۔"
"حیرت ہے...... ایسی پھرتی کی پولیس سے عموماً توقع نہیں کی جاتی۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔
"اس کی دو وجوہات ہیں......" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔
میں سمجھ رہا تھا' وہ میری بات پر بھڑک اٹھے گا اور کوئی الٹا سیدھا جواب دے گا' لیکن اس نے خلاف معمول جواب دے کر مجھے واقعی حیران کر دیا تھا۔ میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔
"کون سی دو وجوہات آئی او صاحب؟"
"نمبر ایک......" وہ اپنی سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے بولا۔" پولیس اسٹیشن جائے دقوعہ سے بہت ہی قریب واقع ہے۔ نمبر دو......" اس نے رک کر ایک گہری سانس لی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔
"آپ کو محکمہ پولیس سے متعلق بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ ہم لوگ بروقت رسپونس نہیں کرتے جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ہمیں جیسے ہی کسی جرم کی اطلاع ملتی ہے' ہم فوری ردعمل کے طور پر جائے واردات کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔"
"یہ گراں قدر معلومات فراہم کرنے کا بے حد شکریہ آئی او صاحب!" میں نے نیم طنزیہ لہجے میں کہا۔" آپ بھی مقتول اسلم فاروقی کے قتل کی اطلاع ملتے ہی فوراً جائے دقوعہ یعنی

مقتول کے کارخانے پہنچ گئے تھے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا منظور حسین صاحب؟"

"نہیں جناب...... آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" اس نے مختصر سا جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ "جب آپ جائے وقوعہ پر پہنچے تو وہاں کتنے افراد موجود تھے...... میرا مطلب ہے' کارخانے کے اندر؟"

"صرف ایک...... مقتول کا ملازم خاص۔"

"یعنی ارشد محمود؟"

"جی ہاں!"

"آپ نے جائے وقوعہ پر کیا دیکھا؟" میں نے جرح کے سلسلے کو دراز کرتے ہوئے استفسار کیا۔

"مقتول اپنی کرسی پر اس طرح بیٹھا تھا کہ اس کے جسم کا بالائی حصہ میز پر ڈھیر تھا۔" آئی او نے جواب دیا۔

"اس کا سر پچھلی جانب سے بری طرح چٹخا ہوا تھا' جہاں سے خارج ہونے والا خون میز پر بڑے بے ڈھنگے انداز میں پھیلا ہوا تھا۔ مقتول کو دیکھتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ قید حیات سے آزاد ہو چکا ہے......"

"آپ کو آلہ قتل تلاش کرنے میں کسی دقت کا سامنا تو نہیں کرنا پڑا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں......" اس نے نفی میں گردن ہلائی اور بتایا۔ "آلہ قتل تو ادھر میز پر ہی پڑا تھا۔"

میں اس چوبی میز کی سمت بڑھ گیا جو پیش کار کی میز کے قریب ہی رکھی تھی۔ مذکورہ میز پر آلہ قتل سیلوفین تھیلی کے اندر موجود تھا۔ آلہ قتل ایک آہنی سلاخ تھی جس کی لمبائی کم و بیش اٹھارہ انچ اور موٹائی ایک انچ تھی۔ میں نے سیلوفین بیگ کو اٹھا لیا اور واپس آئی او کے پاس آ گیا' پھر وہ بیگ منظور حسین کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے سوال کیا۔

"کیا اسی راڈ کی مدد سے مقتول اسلم فاروقی کو موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا؟"

"جی ہاں...... بالکل۔" اس نے جلدی سے اثبات میں گردن ہلائی۔ "پوسٹ مارٹم رپورٹ میں اسی راڈ کا ذکر ہے اور آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اس راڈ کے ایک سرے پر مقتول کے سر کے چند بال بھی چپکے ہوئے ہیں اور...... خون خشک ہونے کے بعد سیاہی مائل رنگت اختیار

کر چکا ہے......"

"جی' آپ کی بیان کردہ تمام خصوصیات مجھے اس آہنی راڈ کے ایک سر پر بہ خوبی نظر آ رہی ہیں۔ میں نے پوسٹ مارٹم رپورٹ اور آلہ قتل کے لیبارٹری ٹیسٹ کی رپورٹ کو بھی بڑی توجہ سے پڑھا ہے لیکن افسوس......" میں نے ڈرامائی توقف کر کے ایک گہری سانس لی' پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"کہ آپ اس آہنی راڈ کے دوسرے سرے کو یکسر فراموش کیے بیٹھے ہیں......"

"جی...... کیا مطلب؟" وہ چونک کر الجھن زدہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے سیلوفین بیگ ایک مرتبہ پھر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا اور کہا۔ "آئی او صاحب آلہ قتل کے ایک سرے پر تو آپ کو مقتول کے سر کے چند بال اس کے جمے ہوئے خون کے ساتھ چپکے نظر آ رہے ہیں' مگر اس سلاخ کے دوسرے سرے پر بھی تو ایک نہایت ہی اہم شے موجود ہے جس کی طرف آپ کا دھیان ہی نہیں گیا......"

وہ میری جرح کے انداز سے گھبرا کر رہ گیا' الجھن زدہ لہجے میں مستفسر ہوا۔ "کک...... کون سی اہم شے...... مجھے تو وہاں کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا۔"

"یہ تو مانتے ہیں نا کہ آہنی راڈ کے جس سرے پر مقتول کا خون اور سر کے بال چپکے ہوئے ہیں اسی سرے کی خوف ناک ضرب نے مقتول اسلم فاروقی کی کھوپڑی کے عقبی حصے کو چٹخایا تھا؟" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"جی ہاں...... بالکل مانتا ہوں۔" اس نے اپنے سر کو اثباتی جنبش دی۔ "لیبارٹری ٹیسٹ اور پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی اس امر کی تصدیق کرتی ہے۔"

"آپ اس بات سے بھی انکار نہیں کریں گے کہ راڈ کی مدد سے جب قاتل نے مقتول کی کھوپڑی کے عقبی حصے پر قاتلانہ حملہ کیا تو اس نے راڈ کو دوسرے سرے سے تھام رکھا تھا؟" میں نے بہ دستور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

"اس میں تو کسی شک وشبے کی گنجائش ہو ہی نہیں سکتی وکیل صاحب!" وہ مجھے ایسی نظر سے دیکھتے ہوئے بولا جیسے میں نے کوئی انتہائی احمقانہ بات کر دی ہو۔ "آپ بھی کیسی بات کر رہے ہیں......؟"

"میرے نزدیک بھی کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں ہے آئی او صاحب!" میں نے ایک

ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اور میں نے یہ بات اس لئے کی ہے کہ مجھے آپ کی نگاہ پر شبہ ہونے لگا ہے......''

میرے آخری جملے پر وہ بھر کر رہ گیا' بگڑے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''کیا مطلب ہے آپ کا؟''

''مطلب یہ کہ میرے خیال میں آپ کو نظر کا چشمہ استعمال کرنا چاہئے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اس سرے پر مجھے جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ آپ کو دکھائی کیوں نہیں دے رہا......؟''

''آخر وہ ہے کیا......!'' وہ چیخ سے مشابہ لہجے میں مستفسر ہوا۔

''فنگر پرنٹس!'' میں نے دھماکہ کیا۔ ''جب قاتل نے آہنی راڈ کو اس سرے سے تھام کر مقتول اسلم فاروقی کی کھوپڑی کو نشانہ بنایا تھا تو راڈ کے گرفت والے سرے پر یقیناً اس کی انگلیوں کے نشان بھی آ گئے ہوں گے۔''

''لیکن......'' وہ بکھری ہوئی آواز میں بولا۔ ''آپ کو فنگر پرنٹس کیسے نظر آ رہے ہیں......؟''

''یہی تو میرا پوائنٹ ہے آئی او صاحب!'' میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''آپ نے آہنی راڈ کے دوسرے سرے پر سے قاتل کے فنگر پرنٹس اٹھانے کی زحمت گوارا کیوں نہیں کی۔ کیس فائل کے اندر ایسی کوئی رپورٹ موجود نہیں ہے...... یہ سنگین غفلت کیا معنی رکھتی ہے؟'

آئی او کی حالت دیدنی تھی۔ فنگر پرنٹس رپورٹ کی غیر موجودگی غیر ذمے داری کا ایک منہ بولتا ثبوت تھا۔ میرے کڑے سوالات نے اسے بری طرح بوکھلا کر رکھ دیا' لیکن جواب دینا بھی ضروری تھا۔ ہڑبڑائے ہوئے انداز میں اس نے کہا۔

''میں نے فنگر پرنٹس اٹھانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔''

''سبحان اللہ......!'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ پھر روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے یوں اضافہ کیا۔

''جناب عالی! ایک شخص کو بڑی بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ آلہ قتل بھی موقع سے دستیاب ہو جاتا ہے لیکن پولیس آلہ قتل یا جائے وقوعہ کی کسی بھی چیز سے فنگر

پرنٹس اٹھانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔ عدالتی زبان میں اسے استغاثہ کی ایک سنگین خامی تصور کیا جانا چاہئے......"

جج نے اپنی گردن کو اثباتی جنبش دی' پھر اپنے سامنے پھیلے ہوئے کاغذات پر کچھ نوٹ کرنے کے بعد دوبارہ ہماری جانب متوجہ ہو گیا۔ میں نے آئی او سے جرح کا سلسلہ جاری رکھا۔

"منظور حسین صاحب! جائے وقوعہ کی کارروائی مکمل کرنے کے بعد آپ نے کیا کیا تھا؟"

"مقتول کے ملازم خاص ارشد محمود کی زبانی ہمیں پتا چلا تھا کہ مقتول کے کمرے میں جانے والا آخری شخص ملزم داؤد تھا۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "ارشد نے ہمیں یہ بھی بتایا تھا کہ اس روز مقتول اور ملزم کے بیچ رقم کے لین دین پر اچھی خاصی گرما گرمی بھی ہو گئی تھی' لہٰذا ہم نے جائے وقوعہ کی کارروائی نمٹانے کے بعد ملزم کے گھر کا رخ کیا اور اسے حراست میں لے لیا۔"

"ملزم کی گرفتاری کتنے بجے عمل میں آئی تھی؟" میں نے پوچھا۔

اس نے جواب دیا۔ "رات نو بجے۔"

میں نے پوچھا۔ "استغاثہ کی رپورٹ کے مطابق ملزم نے نہ صرف مقتول اسلم فاروقی کو موت کے گھاٹ اتارا بلکہ اس کی میز کی دراز میں سے ایک خطیر رقم بھی چرا لے گیا تھا جب آپ نے......"

"پچاس ہزار روپے!" وہ قطع کلامی کرتے ہوئے بولا۔

میں نے اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنا بیان جاری رکھا۔ "جب آپ نے ملزم کو اس کے گھر سے حراست میں لیا تو اس کے قبضے سے پچاس ہزار کی رقم بھی برآمد کر لی ہو گی؟"

"نہیں جناب! وہ رقم برآمد نہیں ہو سکی۔" وہ مایوسی سے گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "ہم نے اس کے گھر کا چپہ چپہ چھان مارا اور بڑے تسلی بخش انداز میں ملزم کی جامہ تلاشی بھی لی تھی' مگر رقم کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔"

"ملزم نے مذکورہ پچاس ہزار کے بارے میں کیا بیان دیا تھا؟"

"یہ رقم چرانے سے انکاری ہے۔" آئی او نے جواب دیا۔

"اور رقم کے سلسلے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"ہمارے خیال میں ملزم نے جائے وقوعہ سے گھر جاتے ہوئے رقم کو کہیں ٹھکانے لگا دیا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"ملزم لگ بھگ ایک ہفتہ ریمانڈ پر آپ کی کسٹڈی میں رہا تھا۔" میں نے انکوائری آفیسر کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔ "اس دوران آپ نے اس سے رقم کے بارے میں اگلوانے کی کوشش نہیں کی......" لمحاتی توقف کر کے میں نے ایک گہری سانس لی' پھر اضافہ کرتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"سننے میں تو یہی آتا ہے کہ آپ کی کسٹڈی میں تفتیشی مراحل سے گزرتے ہوئے تو پتھر بھی بولنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔"

آئی او منظور حسین نے معاندانہ نظر سے مجھے گھورا' پھر ٹو دی پوائنٹ جواب دیا۔ "ہم نے ملزم سے جتنی بھی پوچھ گچھ کی اس میں یہ رقم کے حوالے سے اپنی لاعلمی ہی کا اظہار کرتا رہا ہے۔"

"اوہ......" میں نے ہمدردانہ انداز میں کہا۔ "گویا ملزم کے اعصاب پولیس کی تفتیش کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوئے تھے۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور خجل سا ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں استفسار کیا۔

"منظور حسین صاحب آپ کو یہ کس نے بتایا تھا کہ وقوعہ کے روز مقتول کی میز کی دراز میں پچاس ہزار روپے رکھے ہوئے تھے؟"

"یہ بات ہمیں مقتول کی بیوہ زبیدہ نے بتائی تھی۔" آئی او نے جواب دیا۔ "جائے وقوعہ مقتول اسلم فاروقی کے گھر سے زیادہ دور نہیں ہے۔ مقتول کو پیش آنے والے اندوہناک واقعے کی خبر زبیدہ کو ہوئی تو وہ فوراً کارخانے پہنچ گئی۔ وہ ایک سدا کی بیمار عورت ہے۔ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ شوہر کی ناگہانی موت کی اطلاع نے اسے کس قدر پریشان کر دیا ہو گا۔ زبیدہ نے ہمیں بتایا کہ آج ایک پارٹی نے مقتول کو پچاس ہزار روپے کی پے منٹ کرنا تھی......" وہ لمحے بھر کو رکا' پھر ایک گہری سانس لینے کے بعد بولا۔

"بعد میں جب میں نے ارشد محمود سے اس پے منٹ کے بارے میں پوچھا تو اس نے بھی تصدیق کر دی کہ مذکورہ پارٹی دن میں آئی تھی اور اس نے پچاس ہزار روپے کی پے منٹ بھی کی تھی۔ رقم کی وصولی کے وقت ارشد بھی مقتول کے کمرے میں موجود تھا اور اس نے اپنی آنکھوں سے مقتول کو وہ رقم میز کی دراز میں ڈالتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"یعنی...... آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وقوعہ کے روز جب ملزم مقتول کے پاس اپنے دس ہزار روپے لینے پہنچا تو اس وقت مقتول کی میز کی دراز میں پورے پچاس ہزار روپے کیش رکھا ہوا تھا؟"

"حالات و واقعات تو یہی بتاتے ہیں وکیل صاحب!" اس نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔ "بعد میں ہم نے اس پارٹی سے رابطہ کر کے بھی اس امر کی تصدیق کی تھی کہ پچاس ہزار روپے کی پے منٹ ہوئی بھی تھی یا نہیں۔ پارٹی نے تصدیق کر دی کہ پچیس مارچ کی دوپہر اس نے مقتول کو اس کے کارخانے کے اندر پچاس ہزار روپے ادا کیے تھے۔ اس میں سے کچھ رقم مال کی پے منٹ تھی اور کچھ نئے مال کے آرڈر کے سلسلے میں تھی۔"

"آئی او صاحب!" میں نے معتدل انداز میں کہا۔ "کیا آپ اس پارٹی کا نام ظاہر کرنا پسند فرمائیں گے جس نے وقوعہ کے روز مقتول کو پچاس ہزار روپے دیئے تھے؟"

"ضرور......" وہ بڑی رسان سے بولا۔ "اس شخص کا نام فضل کریم ہے۔ وہ ماسکنگ ٹیپ کی خرید و فروخت کا کام کرتا ہے۔ مقتول سے ماسکنگ ٹیپ کے خرید کر وہ حیدر آباد اور سندھ کے دوسرے اضلاع کے علاوہ پنجاب کے بھی بعض علاقوں تک ماسکنگ ٹیپ کی سپلائی جاری رکھے ہوئے تھا۔ فضل کریم کی رہائش کراچی کے ایک معروف علاقے گلشن اقبال میں ہے۔ اگر آپ کہیں گے تو میں آپ کو اس کے گھر کا ایڈریس بھی نوٹ کرا دوں گا اور اس کا فون نمبر بھی۔"

"یہ تمام تر معلومات میں آپ سے ضرور لوں گا آئی او صاحب۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "لیکن یہاں سے فارغ ہو جانے کے بعد...... فی الحال آپ مجھے مقتول کے آفس کے بارے میں بتائیں۔"

"کیا بتاؤں؟" وہ سوالیہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے کہا۔ "آفس وہ جگہ ہے جہاں مقتول اسلم فاروقی کو موت کے گھاٹ اتارا گیا

تھا۔ آپ نے اس مقام کو اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔ اتفاق سے مجھے بھی ایک بار وہاں جھانکنے کا موقع ملا ہے۔ میری معلومات کے مطابق اس کمرے میں ایک دروازہ اور ایک کھڑکی ہے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا آئی او صاحب؟''

''جی نہیں' آپ بالکل درست فرما رہے ہیں۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔'' جائے وقوعہ کی وہی کیفیت ہے جو آپ نے بیان کی ہے۔''

''دروازے سے اندر داخل ہوں تو سامنے والی دیوار کے ساتھ مقتول اسلم فاروقی کی ریوالونگ چیئر نظر آئے گی۔'' میں نے تصدیق طلب انداز میں تفتیشی افسر کی جانب دیکھا۔ ''ریوالونگ چیئر کے آگے میز اور میز کے سامنے ملاقاتیوں کیلئے دو کرسیاں رکھی دکھائی دیں گی۔ کمرے کی مغربی دیوار میں ایک جالی دار بڑی سی کھڑکی ہے جو کارخانے کے اندرونی حصے میں کھلتی ہے جہاں سے' دفتر کے اندر بیٹھا ہوا مقتول اپنے کارخانے کے ورکرز کو کام کرتے ہوئے دیکھ سکتا تھا؟''

''جی ہاں...... آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' آئی او نے مختصراً کہا۔

''کمرے کی مشرقی دیوار پر ایک شوکیس نما الماری نصب ہے۔'' میں نے استفسار کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔''اس شوکیس کے اندر ماسکنگ ٹیپ کے مختلف سیمپلز رکھے رہتے ہیں؟''

''آپ کا تجزیہ اور مشاہدہ سولہ آنے صحیح ہے وکیل صاحب!''

''جب آپ جائے وقوعہ پر پہنچے تو مقتول اسلم فاروقی اپنی ریوالونگ چیئر پر اس طرح بیٹھا تھا کہ اس کا بالائی بدن میز پر ڈھیر تھا اور وہ اس دنیا سے اُس دنیا میں جا چکا تھا۔ میز پر پھیلے ہوئے خون سے اندازہ ہوتا تھا کہ جیسے ہی اس کی کھوپڑی پر آہنی راڈ سے کاری وار کیا گیا وہ دھڑام سے میز پر آ رہا۔'' وہ'' سے یہاں میری مراد اس کے بدن کا بالائی حصہ ہے۔ پھر اسے اٹھنے کا موقع نہ مل سکا؟''

''جی آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' آئی او نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔ ''پوسٹ مارٹم رپورٹ سے اس امر کی تصدیق بھی ہوتی ہے۔''

''پوسٹ مارٹم رپورٹ ہی میں یہ بھی درج ہے کہ مقتول کی کھوپڑی کے عقبی حصے کو نشانہ بنایا گیا تھا۔'' میں نے قدرے جارحانہ انداز میں کہا۔

"جی' یہ ایک حقیقت ہے۔" وہ جلدی سے بولا۔ "لاش کے تفصیلی معائنے کے بعد میں بھی اسی نتیجے میں پہنچا تھا۔"

میں نے آئی او کو گھمانے کی کوشش کی۔ "جب ملزم اپنے دس ہزار روپے لینے مقتول کے کارخانے پہنچا تو اس وقت مقتول کی میز کی دراز میں پچاس ہزار روپے رکھے ہوئے تھے؟"

"آپ پہلے بھی مجھ سے یہ سوال کر چکے ہیں۔" وہ ناگواری سے بولا۔ "اور میں نے اس کا جواب بھی دے دیا ہے۔"

"مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ نے اس سوال کا جواب "ہاں" میں دیا تھا۔" میں نے کہا۔ "یعنی اس وقت مقتول کی میز کی دراز میں پچاس ہزار روپے موجود تھے' لیکن اس وقت میں آپ سے کچھ اور پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟" وہ الجھے ہوئے لہجے میں بولا۔

"یہ کہ......" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "جب مقتول کی میز کی دراز میں پچاس ہزار روپے رکھے ہوئے تھے تو اس نے ملزم کو دس ہزار روپے ادا کیوں نہیں کر دیئے تھے؟"

"یہ تو آپ اسی سے جا کر پوچھیں۔" وہ برہمی سے بولا۔

"اس کے پاس جانے کے لئے مجھے زندگی سے ہاتھ دھونا پڑیں گے اور میں فی الحال ایسا ہرگز نہیں چاہوں گا البتہ......" میں نے لحاتی توقف کر کے ڈرامائی انداز میں کہا۔ "البتہ آپ یہاں زندہ سلامت موجود ہیں۔ میں آپ سے ایک نہایت ہی اہم سوال پوچھ لیتا ہوں۔"

میں اتنا کہہ کر خاموش ہوا تو وہ منتظر نگاہ سے مجھے تکنے لگا کہ پتا نہیں' میں اس سے کیا پوچھنے والا ہوں۔ میں نے اسے زیادہ دیر تذبذب میں مبتلا رکھنا مناسب نہ سمجھا اور نہایت ہی سنجیدگی سے کہا۔

"منظور حسین صاحب! فرض کریں' آپ مقتول والی ریوالونگ چیئر پر بیٹھے ہیں اور میں میز کی دوسری جانب ملاقاتیوں والی ایک کرسی پر براجمان ہوں۔ ہمارے درمیان کسی بھی بات پر تلخ کلامی جاری ہے۔ یہ بدمزگی اس انتہا کو پہنچ جاتی ہے کہ میں طیش کے عالم میں ایک آہنی راڈ اٹھا کر آپ کے سر پر دے مارتا ہوں۔ آپ اس ضرب کی تاب نہ لاتے ہوئے میز کے

اوپر ڈھے جاتے ہیں اور انا اللہ ہو جاتے ہیں۔ یہاں پر آپ سے میرا سوال یہ ہے کہ......"
میں نے لحاتی توقف کر کے ایک آسودہ سانس لی' پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔
"میں آہنی راڈ سے آپ کے سر پر جو خطرناک ضرب لگاؤں گا اس سے آپ کی کھوپڑی کا کون سا حصہ متاثر ہوگا؟"
"ظاہر ہے پیشانی...... یا سر کا بالائی حصہ۔" وہ بے ساختہ بولا۔
میں نے روئے سخن جج کی جانب موڑا اور پاٹ دار آواز میں کہا۔" جناب عالی! موت ایک سنگین حقیقت ہے اور کوئی بھی شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ اور انکوائری آفیسر کے تازہ ترین جواب نے استغاثہ کی قلعی کھول دی ہے۔ مقتول کی کھوپڑی' کا عقبی حصہ چٹخا کر اسے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا اور یہ اسی صورت ممکن تھا جب اس کے سر پر پیچھے سے آہنی راڈ کا وار کیا جاتا جبکہ مقتول اور ملزم کے بیچ ہونے والی تلخ کلامی کے وقت ملزم' مقتول کے سامنے میز کی دوسری جانب بیٹھا ہوا تھا' جہاں سے وہ مقتول کے سر کے عقبی حصے کو ہرگز ہرگز نشانہ نہیں بنا سکتا تھا اور ان لمحات میں ان کے درمیان جو چپقلشی فضا قائم ہو چکی تھی اس میں مقتول کبھی بھی ملزم کو راڈ بہ دست اپنے پیچھے جا کر ایک خطرناک ضرب لگانے کا موقع فراہم نہیں کر سکتا تھا' لہٰذا......" میں سانس ہموار کرنے کے لئے تھما' پھر ایک وقفے کے بعد اپنا بیان مکمل کرتے ہوئے کہا۔
"لہٰذا حالات و واقعات کی روشنی میں یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ اسلم فاروقی کے بہیمانہ قتل میں ملزم کا ہاتھ نہیں ہو سکتا۔ میرے مؤکل کو کسی سوچی سمجھی سازش کے تحت اس کیس میں پھنسانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ دیٹس آل یور آنر!"
اس کے ساتھ ہی عدالت کا مقررہ وقت ختم ہو گیا۔ جج نے پندرہ روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کرنے کا اعلان کر دیا۔
"دی کورٹ از ایڈ جارنڈ......!"

☆......☆......☆

آئندہ پیشی پر استغاثہ کی جانب سے یکے بعد دیگرے تین گواہ عدالت میں پیش ہوئے اور انہوں نے حلفیہ بیان ریکارڈ کرانے کے بعد وکیل استغاثہ کے مختلف سوالات کے جوابات دیئے۔ میں نے استغاثہ کے ان گواہوں پر برائے نام ہی جرح کی تھی۔ ان کی گواہی اور بعد

ازاں ہونے والی جرح میں کوئی خاص بات نہیں جو میں آپ کی خدمت میں پیش کرسکوں۔
ان سب کا مؤقف ایک دوسرے سے ملتا جلتا تھا۔ ان کے خیال میں ملزم بیگ غصہ ور' جھگڑالو اور بدتمیز شخص تھا اور آئے روز مقتول کو تنگ کرنے اس کے پاس پہنچ جایا کرتا تھا۔ وغیرہ......!

اگلی پیشی سے پہلے میں نے اچھا خاصا ہوم ورک بھی کرلیا تھا۔ میں نے ذاتی طور پر فضل کریم سے بھی ایک تفصیلی ملاقات کی تھی۔ رقم کی ادائیگی کے حوالے سے اس نے بڑے ٹھوس انداز میں تصدیق کی تھی۔ وہ وقوعہ کے روز دوپہر میں مقتول کے کارخانے جا کر اس سے ملا تھا اور رسمی گفتگو کے بعد مبلغ پچاس ہزار روپے مقتول کو دے کر واپس آ گیا تھا۔ اس کے بعد کارخانے کے اندر کے واقعات پیش آئے اس بارے میں وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ فضل کریم ایک دور اندیش' معاملہ فہم کاروباری شخص تھا۔ اس سے کسی قسم کی دروغ گوئی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔

یہ سب تو چل ہی رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں مقتول کے ملازم خاص ارشد محمود کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرنے سے چوکا نہیں تھا۔ ارشد محمود کا نام استغاثہ کے گواہوں کی فہرست میں شامل تھا۔ اسی شخص نے پولیس کو اسلم فاروقی کے قتل کی اطلاع دی تھی۔ پولیس نے جو چالان عدالت میں پیش کیا تھا اس میں درج بیشتر باتیں ارشد محمود سے حاصل ہونے والی معلومات کا نتیجہ تھیں۔ میں نے اپنے مخصوص ذرائع استعمال کر کے ارشد محمود کے حوالے سے اچھی خاصی جان کاری حاصل کر لی تھی۔

آئندہ پیشی پر مقتول کی بیوہ زبیدہ خانم کو گواہی کے لئے عدالت میں پیش کیا گیا۔ وہ ایک موٹی تازی اور سانولی عورت تھی۔ اس کی شاہکار بیماری کے بارے میں پیچھے تفصیلاً بیان کیا جا چکا ہے۔ میری نظر میں زبیدہ کو عدالت میں لا کر گواہی دلوانے کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ وکیل استغاثہ نے اسے محض اس لئے زحمت دی تھی کہ مقتول کے حق میں' عدالت کی زیادہ سے زیادہ ہمدردیاں سمیٹ سکے۔ پتا نہیں' وہ اس کوشش میں کس حد تک کامیاب رہا تھا۔

زبیدہ نے سچ بولنے کا حلف اٹھانے کے بعد اپنا بیان ریکارڈ کرا دیا تو وکیل استغاثہ اسے کافی دیر تک گھیرے رہا۔ جب اس نے زبیدہ کی جان چھوڑی تو میں مختصر سی جرح کے لئے وٹنس باکس کے قریب چلا گیا اور استغاثہ کے گواہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ہمدردی بھرے لہجے میں کہا۔

"زبیدہ صاحبہ! مجھے آپ کے شوہر کی ناگہانی موت کا بہت افسوس ہے۔ میں آپ کے غم میں برابر کا شریک ہوں لیکن جب آپ گواہی کے لئے عدالت کے کمرے تک پہنچ ہی گئی ہیں تو میں بھی آپ سے صرف ایک سوال کرنا چاہوں گا......"

اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا اور اکتاہٹ بھری نظر سے مجھے تکتی رہی۔

میں نے تمہید باندھتے ہوئے کہا۔ "آپ نے معزز عدالت کے روبرو جو بیان ریکارڈ کرایا ہے اور بعد ازاں وکیل استغاثہ کے سوالات کے جواب میں جو کچھ بتایا ہے اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ملزم نے آپ لوگوں خصوصاً مقتول کا جینا حرام کر رکھا تھا۔" لمحاتی توقف کر کے میں نے ایک گہری سانس لی' پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے کہیں آپ کے بیان سے کوئی غلط تاثر تو نہیں لے لیا؟"

"نہیں۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ "آپ نے حقیقت بیان کی ہے۔"

"اب میں آپ سے وہ سوال پوچھوں گا' جس کا اوپر ذکر کیا ہے۔" میں نے معتدل انداز میں کہا۔

وہ متذبذب انداز میں مجھے گھورنے لگی۔

میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "یہ تو ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ مقتول نے ملزم کو گھر والے ایڈوانس کی رقم مبلغ دس ہزار روپے ہر صورت واپس کرنا تھے' پھر لگ بھگ ایک ماہ گزر جانے کے بعد بھی مقتول اس سے ٹال مٹول کیوں کر رہا تھا' جبکہ ایسا بھی نہیں کہ خدانخواستہ مقتول کے مالی حالات خستہ ہو......؟"

"بات مالی حالات یا ٹال مٹول کی نہیں ہے وکیل صاحب!" زبیدہ نے عذر کی آڑ لیتے ہوئے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ "دس ہزار کوئی اتنی بڑی رقم نہیں کہ فاروقی ادا نہیں کر سکتا تھا۔"

"پھر اصل بات کیا تھی؟" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

"پہلی بات تو یہ کہ ملزم نے میرے شوہر کے ساتھ دھوکا کیا تھا جس پر فاروقی سخت غصے میں تھا" وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولی۔

"کیسا دھوکا؟" میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"کرائے پر گھر لینے اور دینے کا ایک اصول ہوتا ہے۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ "اگر کرائے دار کو گھر چھوڑنا ہو تو وہ ایک ماہ پہلے مالک مکان کو اطلاع دیتا ہے تاکہ وہ

کسی نئے کرائے دار سے بات چیت کر سکے۔ اسی طرح اگر مالک مکان کو گھر خالی کرانا ہو تو وہ کرائے دار کو ایک ماہ پہلے نوٹس دیتا ہے تاکہ کرائے دار اپنے لئے کوئی دوسرا گھر تلاش کر سکے' لیکن ملزم نے محض چار دن پہلے فاروقی کو بتایا کہ وہ گھر خالی کر کے جا رہا ہے۔ شاید آپ کو نہیں معلوم کہ ایک ماہ تک وہ گھر خالی پڑا رہا ہے جس سے ہمیں ایک ماہ کے کرائے کا نقصان ہوا ہے......"

"مجھے آپ کے اس نقصان کا افسوس ہے زبیدہ صاحبہ!" میں نے اپنائیت بھرے لہجے میں کہا۔ "یہ تو ہو گئی ایک بات۔ اب آپ دوسری بات بھی بتا دیں؟"

"اسلم فاروقی کو ایک تو اس بے اصولی کا حصہ تھا۔"

وہ تلخی سے بولی۔ "اور دوسری بات یہ کہ ملزم کی طرف سے کچھ حساب نکلتا تھا جو وہ دینے کو تیار نہیں تھا۔ ملزم کی اس ہٹ دھرمی نے فاروقی کو جھنجلاہٹ میں مبتلا کر دیا تھا اور اس نے طے کر لیا تھا کہ اچھی طرح ناک رگڑوانے کے بعد ہی وہ ملزم کے دس ہزار روپے واپس کرے گا۔"

پتا نہیں' غصے میں یا سادگی میں زبیدہ خانم نے معزز عدالت کے سامنے ایک ایسی حقیقت بیان کر دی تھی' جس سے مقتول کی بدنیتی کی تصدیق ہوتی تھی اور یہ تصدیق سراسر میرے مؤکل کے حق میں جاتی تھی۔ میں نے زبیدہ کو نمٹانے کی غرض سے یہ بھی پوچھ لیا۔

"آپ نے ملزم اور مقتول کے درمیان کسی حساب کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ کیا قصہ ہے زبیدہ صاحبہ؟"

"آپ جانتے ہیں بجلی اور گیس کے بلز پچھلے مہینے کے استعمال کے حساب سے جاری کیے جاتے ہیں۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ "فاروقی کو ان بلز کی آمدن کا انتظار تھا تاکہ وہ ایڈوانس کی رقم میں سے بلز کی رقم کاٹ سکے پھر ان دو سالوں میں ملزم نے اور اس کی بیوی نے جو توڑ پھوڑ کی تھی اس کی کٹوتی بھی لازمی تھی......"

اس کے بعد زبیدہ نے ٹوٹ پھوٹ کے بارے میں بھی بتایا۔ مثلاً کچن میں چولہے والی سلیب میں سل بٹا لگنے سے ایک دراڑ آ گئی تھی۔ واش بیسن کی ایک سائیڈ چٹخ گئی تھی اور اسی طرح کی دوسری بہت سی شکایات۔ میں ان ایشوز کی تفصیل میں جا کر آپ کو ہرگز بور نہیں کروں گا۔ اگر آپ کو کرائے دار کی حیثیت سے زندگی گزارنے کا اتفاق ہوا ہے تو آپ ان

مسائل سے بخوبی آگاہ ہوں گے۔

میں نے جیسے ہی مقتول کی بیوہ زبیدہ خانم کو فارغ کیا۔ اس کے ساتھ ہی عدالت کا مقررہ وقت ختم ہو گیا۔ جج نے دس روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کر دی۔

اس دوران میں ملزم کی بیوی فوزیہ مسلسل میرے رابطے میں تھی اور وہ ہر پیشی پر عدالت میں موجود ہوتی تھی۔ اب تک کی عدالتی کارروائی کو دیکھ کر وہ خاصی مطمئن ہو گئی تھی۔ ابتدا میں اس کے چہرے اور آنکھوں میں تفکر کی جو گہری پرچھائیاں نظر آتی تھیں' وہ اب معدوم ہو گئی تھیں۔

☆......☆......☆

منظر اسی عدالت کا تھا اور گواہوں والے کٹہرے میں استغاثہ کا سب سے اہم گواہ اور مقتول کا ملازم خاص ارشد محمود کھڑا تھا۔

ارشد نے اپنا حلفیہ بیان ریکارڈ کرایا۔ پھر وکیل استغاثہ نے نپی تلی جرح کے بعد اسے فارغ کر دیا۔ اپنی باری پر میں جج کی اجازت حاصل کر کے وٹنس باکس کے قریب چلا گیا۔

ارشد محمود کی عمر لگ بھگ چالیس سال رہی ہو گی۔ وہ گول چہرے والا مائل بہ فربہی ایک عام سا شخص تھا۔ مقتول کے کارخانے میں اسے سپروائزر کی حیثیت حاصل تھی۔ عملے میں وہ مقتول کے سب سے زیادہ نزدیک سمجھا جاتا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اپنی جرح کا آغاز کیا۔

''ارشد صاحب! آپ کو مقتول اسلم فاروقی کی موت کا دکھ تو بہت ہوا ہو گا؟''

''یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے جناب۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''میرا اور فاروقی صاحب کا دس سال کا ساتھ تھا۔''

''گویا آپ کو مقتول کے کارخانے میں کام کرتے ہوئے دس سال کا عرصہ ہو گیا تھا۔'' میں نے تصدیق طلب نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

اس نے اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

میں نے پوچھا۔ ''آپ نے پولیس کو بیان دیا ہے کہ وقوعہ کے روز دوپہر کے وقت فضل کریم نامی ایک شخص مقتول کو مبلغ پچاس ہزار روپے دے کر گیا تھا۔ جب وہ مقتول کو پے منٹ کر رہا تھا تو آپ بھی دفتر کے اندر موجود تھے۔ مقتول نے آپ کے سامنے وہ رقم میز کی دراز

میں ڈالی تھی؟''

''جی ہاں' میں نے پولیس کو یہی بیان دیا ہے۔'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔'' اور یہی حقیقت بھی ہے۔''

''فضل کریم کے جانے کے بعد مقتول سے ملنے اور کون آیا تھا؟'' میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''یہی آیا تھا......'' گواہ نے ایکوزڈ باکس (ملزم والے کٹہرے) کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔

''کاش......! یہ منحوس اس دن فاروقی صاحب سے ملنے نہ آیا ہوتا......'' بولتے بولتے اس کی آواز بھیگ گئی۔

میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔'' ارشد صاحب! آپ نے ملزم کے لئے'' منحوس'' کا لفظ کیوں استعمال کیا؟''

''تو اور کون سا لفظ استعمال کروں۔'' وہ برہمی سے بولا۔'' اگر یہ اس دن فاروقی صاحب سے ملنے نہ آتا تو ان کے بیچ جھگڑا نہ ہوتا اور یہ شخص فاروقی صاحب کی جان نہ لیتا......'' بات کے اختتام پر اس نے نفرت بھری نظر سے میرے مؤکل کو دیکھا۔

کسی بھی کیس میں ملزم کی حالت بڑی قابل رحم اور افسوسناک ہوتی ہے۔ اسے وکیل استغاثہ کی کڑی اور خوفناک جرح کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ استغاثہ کے گواہوں کے تلخ و ترش جملے سننا پڑتے ہیں اور حاضرین عدالت میں سے بعض لوگوں کی نفرت بھری نگاہوں سے اپنے دل و جگر کو چھلنی کرنا پڑتا ہے اور...... یہ سب کچھ وہ نہایت ہی خاموشی کے ساتھ برداشت کرتا ہے۔

''تو آپ کے خیال میں......'' میں نے ارشد محمود کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔'' مقتول اسلم فاروقی کو ملزم داؤد نے قتل کیا ہے؟''

''جی ہاں' بالکل......!'' وہ بڑے وثوق سے بولا۔

''کیا آپ نے اپنی آنکھوں سے ملزم کو آہنی راڈ سے مقتول پر حملہ آور ہوتے دیکھا تھا؟'' میں نے آہستہ آہستہ گواہ کے گرد گھیرا تنگ کرتے ہوئے پوچھا۔

''جی اپنی آنکھوں سے تو نہیں دیکھا......'' وہ جز بز ہوتے ہوئے بولا۔'' لیکن مجھے پکا

یقین ہے کہ اسی نے فاروقی صاحب کا خون کیا ہے۔"

"آپ کے اس پکے یقین کا کوئی سبب تو ہوگا ارشاد صاحب؟"

"جی ہے سبب۔" وہ سر کو اوپر نیچے حرکت دیتے ہوئے بولا۔

"عدالت وہ سبب جاننا چاہتی ہے۔" میں نے ٹھوس انداز میں کہا۔

"دیکھیں جناب......!" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "یہ بندہ لگ بھگ چار بجے سہ پہر کارخانے میں پہنچا تھا۔ میں نے ہی اسے فاروقی صاحب کے کمرے میں پہنچایا تھا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد دفتر کے اندر سے ان کے بولنے کی تیز آوازیں آنے لگی تھیں۔ مجھے یہ سمجھنے میں قطعاً کوئی دشواری محسوس نہ ہوئی کہ ان میں خاصی تلخ کلامی ہو رہی تھی۔ میں نے ان کے معاملے میں مداخلت کرنے کی کوشش نہیں کی اور اپنے کام میں لگا رہا۔ کچھ دیر کے بعد دفتر کے اندر خاموشی چھا گئی' پھر میں نے ملزم کو فاروقی صاحب کے کمرے سے نکل کر کارخانے سے باہر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"تم جس جگہ پر بیٹھے اپنے کام میں مصروف تھے' کارخانے کا وہ حصہ دفتر سے کتنے فاصلے پر ہے؟" میں نے پوچھا۔

"زیادہ دور نہیں جناب۔" وہ جلدی سے بولا۔ "زیادہ سے زیادہ بارہ فٹ کا فاصلہ ہو گا۔"

"جب مقتول کے دفتر کے اندر اچانک خاموشی چھا گئی اور تم نے ملزم کو کارخانے سے باہر جاتے دیکھا تو تم نے کیا کیا تھا؟" میں یکدم "آپ سے" "تم" پر آ گیا تھا۔

"میرے دل میں آئی کہ جا کر فاروقی صاحب سے پوچھوں کہ یہ بندہ ان سے کیوں جھگڑا کر رہا تھا۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "پھر میں دفتر کے اندر چلا گیا تھا۔"

"آفس کے اندر پہنچ کر تم نے کیا دیکھا؟"

"فاروقی صاحب اپنی کرسی پر تو بیٹھے تھے' لیکن ان کا بالائی دھڑ میز کے اوپر ڈھیر تھا۔" وہ جھرجھری لیتے ہوئے بولا۔ "میں ان کی حالت دیکھ کر کانپ اٹھا۔ ان کے سر میں سے خون نکل کر میز پر جمع ہو رہا تھا۔ قریب ہی وہ آہنی راڈ بھی رکھی تھی' جس کی خوفناک ضرب نے فاروقی صاحب کی کھوپڑی چٹخا دی تھی۔ یہ سب دیکھ کر میں بہت زیادہ گھبرا گیا۔ مجھے یہ سمجھنے میں دقت نہ ہوئی کہ ملزم' مقتول کے سر پر آہنی راڈ کا وار کر کے وہاں سے فرار ہو گیا تھا۔"

''اس کے بعد تم نے کیا کیا؟'' میں نے پوچھا۔

''میں نے پہلے فاروقی صاحب کی بیگم کو فون کر کے اس اندوہناک واقعے کی اطلاع دی۔'' استغاثہ کے گواہ ارشد محمود نے بتایا۔''اس کے بعد متعلقہ پولیس اسٹیشن فون کر دیا تھا۔''

''پھر پولیس آئی۔ اس نے جائے وقوعہ کا جائزہ لیا۔ آلہ قتل کو اپنے قبضے میں کیا اور تمہاری نشاندہی پر ملزم کی گرفتاری کے لئے اس کے گھر کی جانب روانہ ہو گئی۔'' میں نے ایک ہی سانس میں کہا' پھر پوچھا۔''میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟''

''جی نہیں۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

''سب کچھ ویسا ہی پیش آیا تھا' جو آپ نے بیان کیا ہے۔''

''تم نے ابھی جو کچھ معزز عدالت کے سامنے بتایا ہے یا پولیس کو جو بیان دیا ہے اس کی تصدیق کے لئے تمہارے پاس کوئی گواہ بھی ہے؟''

''جی کیسا گواہ؟'' وہ حیرت بھری نظر سے مجھے تکنے لگا۔

''مطلب یہ کہ......'' میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔''وقوعہ کے روز کارخانے کے اندر جو تلخ و ترش واقعات پیش آئے ان کا کوئی اور بھی عینی شاہد ہے؟''

''نہیں جناب! اس دن میرے اور فاروقی صاحب کے سوا کارخانے میں اور کوئی موجود نہیں تھا۔'' وہ بڑے اعتماد کے ساتھ بولا۔

''اس کی کوئی خاص وجہ؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔''جی' خاص وجہ تھی اس کی۔''

''کیا میں وہ خاص وجہ جان سکتا ہوں؟''

''کیوں نہیں!'' وہ بڑے اعتماد سے بولا۔''چوبیس مارچ کو ایک بڑا اسلامی دن پڑا تھا اور آنے والی رات جاگنے کی تھی یعنی چوبیس اور پچیس مارچ کی درمیانی رات عبادت کی تھی۔ فاروقی صاحب نے تمام سٹاف سے چوبیس مارچ کو کام کرایا تھا اور پچیس مارچ کی چھٹی دے دی تھی تاکہ جو لوگ رات کو جاگ کر عبادت کریں انہیں دوسرے دن اپنی نیند پوری کرنے کا موقع مل جائے۔''

''پچیس مارچ کو صرف تم کارخانے میں حاضر تھے یا پھر مقتول اسلم فاروقی۔ کیا تم دونوں نے پچھلی رات عبادت نہیں کی تھی؟''

''فاروقی صاحب کا تو مجھے پتا نہیں۔'' وہ سادہ سے لہجے میں بولا۔ ''لیکن میں نے بھرپور عبادت کی تھی' لیکن فاروقی صاحب کا حکم تھا کہ دوپہر سے پہلے کارخانے پہنچنا ہے تو میں دس بجے کے قریب بیدار ہو گیا تھا۔ پھر نہا دھو کر میں کارخانے چلا آیا تھا۔''

''ارشد محمود!'' میں نے جرح کا زاویہ یکدم تبدیل کر دیا۔ ''تم نے شروع میں بتایا ہے کہ تمہیں مقتول فاروقی کے پاس کام کرتے ہوئے لگ بھگ دس سال ہو گئے ہیں۔ کیا تم اپنے کام اور مقتول کے رویے یا سلوک سے خوش تھے؟''

''اگر خوش نہ ہوتا تو کبھی کا یہ نوکری چھوڑ کر جا چکا ہوتا۔'' وہ بڑے مضبوط لہجے میں بولا۔ ''فاروقی صاحب ہر لحاظ سے میرا بہت خیال رکھتے تھے۔''

''وہ تمہیں جو بھی تنخواہ دیتے تھے تم اس پر مطمئن تھے؟''

''جی' پوری طرح مطمئن تھا۔'' اس نے جواب دیا۔

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں' مقتول تمہیں کتنی تنخواہ دیتا تھا؟''

''پندرہ سو روپے۔'' اس نے بتایا۔ ''اس کے علاوہ بھی فاروقی صاحب گاہے بہ گاہے مجھے کچھ نہ کچھ دیتے ہی رہتے تھے۔''

''گویا اس تنخواہ میں تمہارا ٹھیک ٹھاک گزارہ ہو رہا تھا؟''

''جی بالکل......'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''کچھ بچت وغیرہ بھی ہو جاتی تھی یا سب کھا پی کر برابر کر دیتے تھے؟'' میں نے اس کی گردن کے گرد پھندے کو کستے ہوئے پوچھا۔

''بچت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جناب۔'' وہ صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔ ''بس پورا مہینہ ٹھیک گزر جاتا تھا۔ کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔''

''کیا یہ درست ہے کہ تم اپنی بیوی اور تین بچوں کے ساتھ لیاقت آباد المعروف بہ لالو کھیت میں رہتے ہو؟''

''جی ہاں' یہ درست ہے۔'' اس نے اثبات میں جواب دیا۔

''اور وہ مکان بھی کرائے کا ہے؟''

''جی......اپنی ساری زندگی کرائے کے مکانوں ہی میں گزری ہے۔'' وہ بے پروائی سے

بولا۔

"کبھی تم نے اپنا ذاتی گھر بنانے کے بارے میں بھی سوچا؟"

"جناب! ذاتی گھر کی سوچ اور خواہش تو ہر وقت دل و دماغ میں رہتی ہے۔" اس نے جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ "اس خواہش کی تعبیر کے لئے کبھی تم نے عملی کوشش بھی کی؟"

"عملی کوشش کا سوال تو اس وقت پیدا ہوتا جب جیب میں پیسے ہوں۔" وہ حسرت بھرے لہجے میں بولا۔ "اللہ عزت و آبرو سے مہینہ پورا کر دیتا ہے' یہی بہت ہے۔"

اس نے میرے پھیلائے ہوئے جال میں قدم رکھ دیا تھا۔ میں نے اب تک ارشد محمود کے حوالے سے جو تحقیق کی تھی اسے استعمال میں لاتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو...... تنخواہ دار آدمی کے لئے ذاتی گھر کے خواب دیکھنا تو ممکن ہے لیکن ان سہانے خوابوں کو تعبیر دینا اس کے بس کی بات نہیں لیکن......" لمحاتی توقف کر کے میں نے ایک گہری سانس لی' اضافہ کرتے ہوئے استغاثہ کے گواہ سے پوچھا۔

"لیکن بعض لوگ اپنی اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے بی سی (کمیٹی) وغیرہ ڈال دیتے ہیں۔ یکمشت ذاتی گھر نہ بھی خرید سکیں تو کہیں پلاٹ بک کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیا تمہیں کبھی بی سی ڈالنے کا خیال آیا؟"

"نہیں جناب!" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ "اگر بی سی ڈالیں تو ہر ماہ ایک مخصوص رقم بھرنا بھی پڑتی ہے اور اپنی اتنی گنجائش نہیں ہے۔"

"کبھی تمہارا کوئی پرائز بانڈ نکلا ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

اس نے جواب دیا۔ "نہیں جناب! میں اتنا خوش قسمت نہیں ہوں۔"

"ارشد محمود!" میں نے یک لخت اپنی جرح میں جارحیت بھرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم نے بندر روڈ دیکھ رکھا ہے؟"

"آپ بھی کمال کرتے ہیں جناب......!" وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ "کوئی شخص کراچی میں رہتا ہو اور اس نے بندر روڈ نہ دیکھا ہو' یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے؟"

"گویا تم نے بندر روڈ دیکھا ہوا ہے؟"

''جی ہاں...... بالکل۔'' وہ پُروثوق لہجے میں بولا۔

''بندر روڈ پر ایک کمپنی ''برہانی ایسوسی ایٹس'' کا آفس ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''کیا تم نے یہ آفس دیکھ رکھا ہے؟''

وہ جز بز ہوتے ہوئے بولا۔ ''میں کسی برہانی ایسوسی ایٹس کو نہیں جانتا۔''

''گویا کبھی اس دفتر میں تمہیں جانے کا اتفاق نہیں ہوا؟''

''کبھی نہیں۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولا۔

''ٹھیک ہے......'' میں نے سرسری لہجے میں کہا' پھر پوچھا۔ ''ارشد محمود! کیا تم نے نیو کراچی کا علاقہ ''یوپی موڑ'' دیکھ رکھا ہے؟''

''آبجیکشن یور آنر!'' وکیل استغاثہ نے اپنی موجودگی کا یقین دلاتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔

جج سمیت عدالت کے کمرے میں موجود ہر شخص نے گردن اٹھا کر وکیل استغاثہ کی طرف دیکھا۔ جج نے گمبھیر لہجے میں وکیل استغاثہ سے استفسار کیا۔

''وکیل صاحب! آپ کو کس بات پر اعتراض ہے؟''

''جناب عالی! اس وقت عدالت میں اسلم فاروقی مرڈر کیس کی سماعت ہو رہی ہے اور میرے فاضل دوست استغاثہ کے معزز گواہ کو کراچی کا نقشہ یاد کرانے کی کوشش کر رہے ہیں......''

''نقشہ یاد کرانے کی کوشش نہیں کر رہا'' میں نے ترکی بہ ترکی کہا۔ ''بلکہ گواہ کی یادداشت کا امتحان لے رہا ہوں۔''

''آپ کے ان سوالات کا زیرِ سماعت کیس سے کیا تعلق ہے؟'' وکیل استغاثہ نے جھلاہٹ آمیز انداز میں مجھ سے پوچھا۔

''جو بھی تعلق ہے' ابھی کھل کر سامنے آ جائے گا۔'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے......''

''یور آنر......!'' وکیل استغاثہ نے جج کی طرف دیکھتے ہوئے فریادی لہجے میں کہا۔ ''میرے نزدیک وکیل صفائی غیر متعلقہ جرح کر کے معزز عدالت کا قیمتی وقت برباد کر رہے ہیں۔ عدالت سے میری استدعا ہے کہ انہیں ایسی کوشش سے باز رہنے کی تاکید کی جائے۔

ویٹس آل یور آنر!“

وکیل استغاثہ کے اعتراض کو اہمیت دیتے ہوئے جج نے مجھ سے پوچھا۔ ”بیگ صاحب! آپ کے ان سوالات کی عدالت کی نظر میں کیا حیثیت ہے؟“

”جناب عالی! اگر میرے فاضل دوست نے ”آبجیکشن“ کا نعرہ بلند نہ کیا ہوتا تو اب تک میرے سوالات کی عدالتی اہمیت اور حیثیت کھل کر سامنے آ چکی ہوتی۔“ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”میں نے اب تک استغاثہ کے معزز گواہ پر ایک لفظ بھی فالتو یا غیر ضروری خرچ نہیں کیا۔ میں معزز عدالت سے پرزور اپیل کرتا ہوں کہ مجھے اپنی جرح مکمل کرنے کا موقع فراہم کیا جائے اور وکیل سرکار کو میری جرح میں مداخلت سے روکا جائے۔“

جج نے اثبات میں گردن ہلائی اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں مجھ سے کہا۔ ”بیگ صاحب پلیز پروسیڈ......!“

میں دوبارہ استغاثہ کے گواہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ”ارشد محمود!“ میں نے سخت لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ ”کیا تم نے نیو کراچی کا علاقہ ”یو پی موڑ“ دیکھ رکھا ہے؟“

”جی...... نام سنا ہے......“ وہ گڑبڑائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”لیکن کبھی اس طرف جانے کا اتفاق نہیں ہوا......“

”اپنا پلاٹ دیکھنے بھی نہیں گئے؟“ میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”مجھے سخت اعتراض ہے جناب عالی!“ وکیل استغاثہ نے چیخ سے مشابہ لہجے میں کہا۔ ”وکیل صفائی استغاثہ کے گواہ کو ہراساں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جب گواہ نے یو پی دیکھا ہی نہیں تو پھر وہاں اس کا پلاٹ کیسے نکل آیا؟“

جج نے مجھ سے پوچھا۔ ”بیگ صاحب! یہ پلاٹ کا کیا قصہ ہے؟“

میں نے اپنی فائل میں سے چند نہایت ہی اہم کاغذات کی نقول نکال کر جج کی جانب بڑھا دیں اور کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔

”جناب عالی! ان کاغذات کے مطابق لیاقت آباد مکان نمبر فلاں فلاں کے رہائشی ارشد محمود نے پندرہ اپریل کو برہانی ایسوسی ایٹس کے آفس واقع بندر روڈ جا کر اپنے لئے ایک سو بیس گز کا ایک پلاٹ پینسٹھ ہزار روپے میں خریدا تھا۔ مذکورہ پلاٹ نیو کراچی کے علاقے ”یو پی موڑ“ کے نزدیک واقع ہے۔ ان کاغذات پر ثبت دستخط اسی ارشد محمود کے ہیں جو اس

وقت استغاثہ کے معزز گواہ کی حیثیت سے میری جرح کا سامنا کر رہا ہے۔ اگر......" میں نے ڈرامائی انداز میں توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر بہ آواز بلند کہا۔

"جناب عالی! استغاثہ کا گواہ ارشد محمود تھوڑی دیر پہلے معزز عدالت کے روبرو اس بات کا اقرار کر چکا ہے کہ وہ اپنی آمدنی میں بمشکل گزارہ کرتا ہے۔ اس کی بچت نہیں ہوتی۔ اس نے زندگی میں کبھی "بی سی" نہیں ڈالی اور نہ ہی کبھی اس کا کوئی پرائز بانڈ کھلا ہے پھر...... پھر اس امر کا سراغ لگانا بہت ضروری ہے کہ اس کے پاس اچانک پینسٹھ ہزار کی رقم کہاں سے آ گئی جو اس نے ایک سو بیس گز کا پلاٹ خرید ڈالا اور وہ بھی مقتول اسلم فاروقی کی موت کے صرف بیس روز بعد......؟"

جج نے پوری توجہ سے میرے دلائل سنے پھر سوالیہ نظر سے ارشد محمود کی طرف دیکھا۔ اس سے قبل کہ جج اس سے کچھ پوچھتا' وہ چلا اٹھا۔

"م...... میں نے...... کہیں کوئی پلاٹ نہیں خریدا...... وکیل صاحب جھوٹ بول...... رہے ہیں...... مجھے خوامخواہ اس کیس میں گھسیٹنے کی کوشش کی جا رہی ہے...... پ...... پ...... پانی......!"

"سائنس کی ریسرچ نے ثابت کیا ہے کہ جب کوئی شخص دروغ گوئی سے کام لے رہا ہوتا ہے تو اس کے گلے کے اندر پائے جانے والے غدود لعاب بنانا بند کر دیتے ہیں لہٰذا اس کا حلق ایسا خشک ہو جاتا ہے کہ گھبرا کر پانی مانگنے کی ضرورت پیش آتی ہے جیسا کہ اس وقت استغاثہ کا گواہ ارشد محمود "پ...... پانی" کی صدا لگا رہا ہے......" میں نے گونج دار آواز میں کہا۔ "اور اس کے جھوٹ کو ثابت کرنا چنداں مشکل نہیں۔ برہانی ایسوسی ایٹس کا آفس اس بات کی تصدیق کر سکتا ہے کہ پندرہ اپریل کو ارشد محمود......" میں نے وٹنس باکس میں کھڑے استغاثہ کے گواہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اسی ارشد محمود نے پینسٹھ ہزار روپے میں اپنے لئے "یو پی موڑ" کے علاقے میں ایک سو بیس گز کا ایک پلاٹ خریدا تھا......"

میری بات ختم ہونے سے پہلے ہی ارشد محمود کے گھٹنوں سے جان نکل چکی تھی۔ اس نے پہلے کٹہرے کی ریلنگ کو تھاما پھر ہارے ہوئے جواری کے مانند اس نے کٹہرے کے فرش پر اکڑوں بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام لیا۔

اس کے عمل نے عدالت کو باور کرا دیا تھا کہ اب "برہانی ایسوسی ایٹس" کے آفس سے

کسی تصدیق کی ضرورت باقی نہیں رہی؟

☆......☆......☆

آئندہ پیشی پر عدالت نے میرے مؤکل کو باعزت بری کر دیا۔

داؤد کی باعزت بریت کے پیچھے ارشد محمود کے اقبال جرم کا ہاتھ تھا۔ اس نے دولت کے لالچ میں اپنے سیٹھ اسلم فاروقی کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ جج کے حکم پر جب پولیس نے "برہانی ایسوی ایٹس" کے آفس سے جا کر میرے دعوے کی تصدیق کی تو پتا چلا کہ استغاثہ کے گواہ ارشد محمود نے پندرہ اپریل کو واقعی کمپنی سے پینسٹھ ہزار کے عوض ایک سو بیس گز کا ایک پلاٹ واقع یو پی موڑ خریدا تھا۔ اس تصدیق کے بعد ارشد محمود کے پاس اقرار جرم کے سوا کوئی چارہ نہیں بچا تھا۔

ارشد محمود نے اپنے اقراری بیان میں بتایا کہ اپنے گھر کا خواب وہ برسوں سے دیکھ رہا تھا' لیکن اس خواہش کی تکمیل کی دور دور کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی' پھر وقوعہ کے روز جب اس نے مقتول اسلم کو طیش کے عالم میں میرے مؤکل کے ساتھ جھگڑا کرتے سنا تو اس کی نیت میں فتور آ گیا۔

یہ بات تو طے تھی کہ وہ فاروقی کے کارخانے میں ساری زندگی بھی محنت کرتا رہتا تو اپنا ذاتی گھر نہیں بنا سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ دوپہر میں فضل کریم نامی ایک شخص مقتول کو پچاس ہزار روپے دے کر گیا تھا' جو اس کی میز کی دراز میں رکھے تھے۔ اس کے جی میں آئی کہ اگر وہ اپنے سیٹھ کو قتل کر کے پچاس ہزار کی رقم پر ہاتھ صاف کر لے تو سارا الزام میرے مؤکل داؤد پر ڈالا جا سکتا ہے۔ اسی لمحے شیطان نے اس کے دماغ پر قبضہ کر لیا۔

جیسے ہی داؤد فاروقی سے تلخ کلامی کے بعد کارخانے سے رخصت ہوا۔ ارشد فاروقی کے کمرے میں داخل ہوا۔ ارشد فاروقی کے لئے انتہائی قابل بھروسا شخص تھا۔ ان کے بیچ داؤد کے حوالے سے بات چیت ہونے لگی۔ اسی دوران کمال چالاکی سے ارشد فاروقی کے عقب میں پہنچ گیا۔ فاروقی کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ارشد کی نیت میں کس نوعیت کی خرابی بھی پیدا ہو چکی ہے لہٰذا اس کی غفلت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ارشد نے آہنی راڈ کے ایک بھرپور وار سے اسلم فاروقی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سلا دیا۔ اس قابل مذمت "کارنامے" کے بعد فاروقی کی میز کی دراز میں سے پچاس ہزار روپے نکالنا اس کے لئے بائیں ہاتھ کا کھیل

ثابت ہوا تھا......

جج کے ایک سوال کے جواب میں ارشد محمود نے بڑی ڈھٹائی سے بتایا تھا کہ وہ تو صرف پچاس ہزار کی توقع کر رہا تھا' لیکن جب اس نے فاروقی کی میز کی دراز کھولی تو وہاں پینسٹھ ہزار رکھے تھے۔ اس نے پینسٹھ ہزار کی رقم کو مال غنیمت جان کر پار کیا اور کارخانے ہی کے ایک حصے میں چھپا دیا تاکہ اگر اتفاق سے پولیس اس کی بھی جامہ تلاشی لیتی تو وہ شک سے پاک نکلتا۔

جس روز عدالت نے داؤد کو بری کیا' فوزیہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ اپنے شوہر کو آزاد فضا میں سانس لیتا دیکھ کر بے حد مطمئن نظر آتی تھی اور میری ممنون بھی کہ جس کی کوشش نے داؤد کو اس مصیبت سے نجات دلائی تھی۔

فرط جذبات سے اس نے میری طرف دیکھا اور تشکرانہ لہجے میں بولی۔ ''بیگ صاحب! اس کیس سے نمٹتے ہوئے لگ بھگ ایک سال لگ گیا لیکن......''

میں نے اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی قطع کلامی کرتے ہوئے زیر لب مسکرا کر کہہ دیا۔ ''ویرآ یذ ورسٹ آ ید......!''

☆......☆......☆

کہنہ مشق

موسم سرما کی ایک خنک اور اداس شام میں اپنے آفس میں بیٹھا حسب معمول کلائنٹس کو ڈیل کر رہا تھا کہ ایک پریشان حال عورت اپنا دکھڑا رونے میرے پاس آ گئی۔ میں نے سلمیٰ نامی اس عورت کو اپنے چیمبر میں بلا لیا۔

اس روز میرے آفس میں کلائنٹس کی زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ ایک جاتا تو دوسرا آ جاتا تھا۔ وزیٹنگ لابی میں بھی وہ رونق نہیں تھی جو وہاں کا خاصہ تھی۔ نصف درجن سے زیادہ افراد ہمہ وقت اپنی باری کے انتظار میں بیٹھے دکھائی دیتے تھے۔ اس مندی میں کچھ تو موسم کا اثر تھا اور کچھ ویسے بھی بعض دن ایسے ہوتے ہیں کہ کلائنٹس کی عدم موجودگی کے باعث اچھی خاصی بوریت کا سامنا ہوتا ہے۔ وہ بھی ایک ایسا ہی دن تھا جبھی سلمیٰ کو انتظار کی کوفت نہیں اٹھانا پڑی تھی اور فوراً اسے پیشتر وہ میرے چیمبر میں پہنچ گئی تھی۔

سلمیٰ کی عمر پچاس سے متجاوز تھی۔ وہ متناسب بدن کی مالک ایک عام سی شکل وصورت والی عورت تھی۔ اپنے حلیے اور پہناوے سے وہ غریب نظر آتی تھی۔ میرا یہ اندازہ بعدازاں درست ثابت ہوا۔

میں نے اسے بیٹھنے کیلئے کہا۔ جب وہ ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ چکی تو میں نے پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”جی فرمائیں، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“

”وکیل صاحب! میں بہت پریشان ہوں......“ وہ اضطراری لہجے میں بولی۔

”وہ تو آپ کی حالت ہی سے نظر آ رہا ہے۔“ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا، پھر پوچھا۔ ”آپ اپنی پریشانی کی وضاحت کریں تاکہ میں یہ اندازہ لگا سکوں کہ میں آپ کیلئے کیا

کر سکتا ہوں؟"

"وحیدہ کو پولیس نے گرفتار کرلیا ہے۔" اس نے دکھی لہجے میں بتایا۔

"یہ وحیدہ کون ہے؟" میں نے کاغذ قلم سنبھالتے ہوئے سوال کیا۔ "اور پولیس نے وحیدہ کو کس جرم میں گرفتار کیا ہے؟"

"وحیدہ میری اکلوتی بیٹی کا نام ہے وکیل صاحب۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ "پولیس نے اسے بیگ صاحب کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا ہے۔"

"بیگ صاحب کون ہیں...... میرا مطلب ہے' کون تھے؟" میں نے سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اور تمہاری بیٹی وحیدہ سے ان کا کیا تعلق تھا......؟"

"جناب! ہم تو غریب اور مزدوری کرنے والے لوگ ہیں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بتانے لگی۔ "میں اور میری بیٹی وحیدہ بفرزون کے عقبی حصے میں واقع گوٹھ نما ایک چھوٹی سی بستی میں رہتے ہیں اور لوگوں کے گھروں میں کام کر کے ہم اپنی روزی کماتے ہیں۔ وحیدہ' بیگ صاحب کے گھر میں جھاڑو برتن اور صفائی دھلائی کا کام کرتی ہے۔" لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک بوجھل سانس خارج کی' پھر اضافہ کرتے ہوئے بولی۔ "اشتیاق بیگ صاحب کا بنگلہ نارتھ ناظم آباد میں واقع ہے......"

"ٹھیک ہے......" میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "قتل کی واردات کب پیش آئی ہے؟"

"کل دن میں جناب۔" اس نے جواب دیا۔

آج جنوری کی 21 تاریخ تھی' گویا یہ گزشتہ روز یعنی 20 جنوری کا واقعہ تھا۔ اس کا ایک واضح مطلب یہ بھی تھا کہ آج صبح پولیس نے ملزمہ کو عدالت میں پیش کر کے اس کا ریمانڈ حاصل کرلیا ہوگا۔ جب یہی سوال میں نے سلمٰی سے کیا تو اس نے میرے اندازے کی تصدیق کردی۔ میں نے پوچھا۔

"آپ کی بیٹی وحیدہ کو کب اور کہاں سے گرفتار کیا گیا تھا؟"

"کل دن میں تقریباً دو بجے جناب۔" اس نے بتایا۔ "ہم دونوں اپنے گھر میں بیٹھی کھانا کھا رہی تھیں کہ پولیس ہمارے دروازے پر پہنچ گئی...... پھر وہ لوگ وحیدہ کو پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے......" بولتے بولتے اس کی آواز بھرا گئی۔

واقعات کی تفصیل میں سلمیٰ نے بتایا کہ وہ خود تین گھروں میں اور اس کی بیٹی وحیدہ دو گھروں میں کام کرنے جاتی تھیں۔ وہ دونوں روزانہ ساڑھے آٹھ بجے گھر سے نکلتی تھیں اور دوپہر ایک ڈیڑھ بجے تک ان کی واپسی ہوتی تھی۔ بنگلوں والے پیسے اچھے دیتے تھے لہٰذا وہ انہی پانچ بنگلوں تک محدود تھیں اور آدھے دن کی سخت محنت کے بعد باقی کا آدھا دن آرام کرتی تھیں۔ مزاجاً دونوں ماں بیٹیاں سادہ اور قناعت پسند تھیں' اس لئے زیادہ کے لالچ میں نہیں آتی تھیں۔ سلمیٰ ایک بیوہ عورت تھی۔

وحیدہ کے پاس دو بنگلوں کا کام تھا اور یہ دونوں بنگلے نارتھ ناظم آباد کے علاقے میں واقع تھے۔ پہلے وہ نو بجے سے گیارہ بجے تک مقتول اشتیاق بیگ کے گھر کا کام نمٹاتی تھیں' اس کے بعد گیارہ سے ایک بجے دوپہر تک فیاض شیخ کے بنگلے کا کام کرتی تھیں۔ یہ دونوں بنگلے قریب قریب تھے۔ وقوعہ کے روز بھی وہ مقتول کے گھر کا کام ختم کر کے بنگلے پر گئی تھی اور پھر وہاں سے فارغ ہونے کے بعد حسب معمول اپنے گھر چلی گئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی ماں سلمیٰ بھی گھر پہنچ گئی' پھر وہ دن کے کھانے میں مصروف تھیں کہ پولیس نے وہاں آ کر وحیدہ کو اشتیاق بیگ کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا تھا۔

میں مزید پندرہ بیس منٹ تک سلمیٰ سے مختلف زاویوں سے سوال کرتا رہا۔ میں نے سلمیٰ کے بیان کے مختلف اہم پوائنٹس نوٹ کرنے کے بعد تسلی آمیز انداز میں کہا۔ ''ٹھیک ہے سلمیٰ صاحبہ! آپ کل اسی وقت میرے پاس آ جائیں پھر میں آپ کو بتاؤں گا کہ وحیدہ کی رہائی کے سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔''

''کل آؤں......!'' وہ قدرے مایوسی سے بولی۔ 'آپ آج کچھ نہیں کریں گے......؟''

وہ قانونی اور عدالتی معاملات سے بالکل ناواقف نظر آتی تھی۔ میں نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ ''سلمیٰ جی! ابھی اس لئے کچھ نہیں ہو سکتا کہ آپ کی بیٹی عدالتی ریمانڈ پر پولیس کی تحویل میں ہے۔ میرے اندازے کے مطابق پولیس نے تفتیش مکمل کرنے کیلئے کم از کم سات روز کا ریمانڈ تو ضرور لیا ہوگا۔ جب وہ لوگ چالان کے ساتھ وحیدہ کو حوالہ عدالت کریں گے تو اس کے بعد میرا کام شروع ہوگا۔ اس دوران میں' میں وحیدہ سے ملاقات کر کے اس واقعہ کے حوالے سے معلومات حاصل کر لیتا ہوں......'' لمحاتی توقف کر کے میں نے ایک گہری سانس لے کر سلمیٰ سے پوچھا۔ ''وحیدہ کو کس تھانے میں رکھا گیا ہے؟''

اس نے مجھے متعلقہ تھانے کا نام بتا دیا۔

میں نے اس کی پریشانی کے پیش نظر تسلی اور دلاسے دیئے۔ وہ بڑی توجہ سے میری بات سنتی رہی اور میرے خاموش ہونے پر بولی۔ ''کیا میری بچی سات دن تک پولیس والوں کے قبضے ہی میں رہے گی......؟''

ہاں...... یہ قانونی مجبوری ہے۔'' میں نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ ''جب پولیس کسی ملزم کو عدالت میں پیش کر کے اس کا ریمانڈ حاصل کر لیتی ہے تو پھر وہ تفتیش کی تکمیل تک اسے اپنی کسٹڈی میں رکھنے کی مجاز ہوتی ہے۔''

وہ اپنی بیٹی کیلئے بے حد فکرمند تھی' متذبذب انداز میں مستفسر ہوئی۔ ''وکیل صاحب! میری وحیدہ رہا تو ہو جائے گی نا......؟''

''ان شاءاللہ!'' میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''اگر وہ بے گناہ ہے تو پھر اس کا ایک بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ آپ حوصلہ رکھیں۔''

''یہ تو مجھے پکا یقین ہے کہ وحیدہ نے قتل نہیں کیا۔'' وہ بڑے وثوق سے بولی۔ ''میری بیٹی کو خوامخواہ اس کیس میں پھنسانے کی کوشش کی گئی ہے۔''

''عدالت سچ جھوٹ کا فیصلہ کرنے کیلئے ہی لگائی جاتی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''وہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جاتا ہے۔ میں آج ہی کسی وقت تھانے جا کر وحیدہ سے ملاقات کرلوں گا۔''

وہ مجھے دعائیں دیتے ہوئے رخصت ہوگئی۔

اسی رات آفس سے اٹھنے کے بعد میں متعلقہ تھانے پہنچ گیا۔ تھانے میں عدالتی ریمانڈ پر آئے ہوئے بندے سے ملاقات کرنا آسان کام نہیں ہوتا' تاہم اس کام کو سہل بنانے کے مجھے ہزاروں گر آتے تھے۔ اس روز وحیدہ سے ملاقات میں مجھے پریشانی کا سامنا نہیں ہوا۔

جب میں حوالات پہنچا تو وحیدہ چپ چاپ کمرے کے ایک کونے میں بیٹھی ہوئی تھی' مجھے اپنے قریب آتے دیکھ کر وہ بدکنے والے انداز میں اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ میں نے زیرلب مسکراتے ہوئے شائستہ لہجے میں کہا۔ ''وحیدہ! کیسی ہو؟''

اس نے جواب دینے کے بجائے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں مجھے الجھن آمیز تذبذب دکھائی دیا جیسے خاموش نگاہ سے پوچھ رہی ہو...... میں کون ہوں' اس کا حال

احوال کیوں پوچھ رہا ہوں۔

''وحیدہ!'' میں نے اس کی مشکل آسان کرتے ہوئے کہا۔ ''میرا نام مرزا امجد بیگ ہے۔ میں ایک وکیل ہوں اور تمہیں اس مصیبت سے نجات دلانے آیا ہوں۔ تمہاری ماں نے میری خدمات حاصل کی ہیں اس لئے......'' میں نے رک کر گہری نظر سے اسے دیکھا' پھر ہمدردانہ انداز میں کہا۔ ''میں تم سے جو بھی پوچھوں اس کا بالکل سچا اور کھرا جواب دینا۔''

''جی اچھا......!'' اس کے چہرے پر اطمینان کی جھلک نمودار ہوئی۔

وحیدہ کی عمر پچیس کے آس پاس نظر آتی تھی۔ وہ دبلی پتلی اور درمیانے قد کاٹھ کی مالک ایک قبول صورت عورت تھی۔ میں نے نہایت نرمی سے پوچھا۔ ''پولیس والوں نے اقبال جرم کروانے کیلئے تمہارے ساتھ زور زبردستی تو نہیں کی......؟''

''کوشش تو ان کی یہی ہے کہ میں بیگ صاحب کو قتل کرنے کا اقرار کرلوں۔'' وہ سادگی سے بولی' پھر چونکتے ہوئے انداز میں پوچھا۔ ''وکیل صاحب! آپ نے اپنا نام کیا بتایا ہے......؟''

میں اس کے سوال کی تہ میں پہنچ گیا اور زیرلب مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''میرا نام مرزا امجد بیگ ایڈووکیٹ ہے اور میرا مقتول اشتیاق بیگ کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں......''

اس کی آنکھوں اور چہرے پر اطمینان جھلکنے لگا۔ میں دھیمے انداز میں وحیدہ سے وقوعہ کے روز پیش آنے والے واقعات کے بارے میں پوچھنے لگا۔ اسے جہاں تک معلوم تھا وہ مجھے بتا دیا۔ میں نے اس سے مقتول اشتیاق بیگ کی فیملی اور دیگر معاملات کے بارے میں بھی سوالات کئے اور اس نے مجھے تسلی بخش جوابات دیئے۔ آدھے گھنٹے کی ایک تحقیقاتی گفتگو سے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ وحیدہ کا اس قتل سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ اس بے چاری کو کسی سوچی سمجھی سازش کے تحت اس کیس میں گھسیٹ لیا گیا تھا۔

میں نے اس ملاقات کے اختتام پر وکالت نامے' درخواست ضمانت اور دیگر اہم کاغذات پر وحیدہ کے انگوٹھے لگوائے کیونکہ وہ چٹی ان پڑھ تھی' لہٰذا دستخط وغیرہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے اسے ایک بار پھر اس بات کا یقین دلایا کہ میں اپنی کوششوں سے اسے باعزت رہا کروا لوں گا' اسے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ علاوہ ازیں میں نے سے پولیس کی تفتیشی مہربانیوں سے بچنے کیلئے چند پتے کی باتیں بھی بتائیں پھر وہاں سے

واپس آ گیا۔

اگلے روز وحیدہ کی ماں سلمٰی حسب وعدہ مجھ سے ملنے آئی تو میں نے اسے بتایا کہ میں نے اس کی بیٹی کا کیس لینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اس نے میری فیس پوچھی۔ میں نے اس کے سوال کا جواب دے دیا۔

اس کے چہرے اور آنکھوں میں تذبذب نمودار ہوا' ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں بولی۔ ''وکیل صاحب! آپ کی فیس بہت زیادہ نہیں ہے......؟''

''بعض لوگوں کو میری فیس بہت زیادہ محسوس ہوتی ہے۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن بہت سے وکیلوں کی تو مجھ سے دگنی تگنی فیسیں ہیں......''

''مجھے دوسرے وکیلوں کا تو پتا نہیں جناب!'' وہ سادگی سے بولی۔ ''میں تو آپ کے پاس آئی ہوں۔ آپ بھلے آدمی ہیں۔ میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ ہم بہت غریب لوگ ہیں۔''

''آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟'' میں نے اسی سے پوچھ لیا۔

''آپ یا تو اپنی فیس میں کچھ رعایت کردیں اور یا......!''

وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر متذبذب انداز میں مجھے تکنے لگی تو میں نے پوچھ لیا۔ ''اور یا...... کیا؟''

''یا یہ کہ......!'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''آدھی فیس ابھی لے لیں' آدھی وحیدہ کی رہائی کے بعد۔''

''میں اس قسم کے معاملات نہیں کیا کرتا۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''البتہ' فیس میں رعایت والی بات قابل عمل ہے۔''

''ٹھیک ہے جناب! یہ بھی آپ کی مہربانی ہے۔'' وہ احسان بھری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''جو بھی زیادہ سے زیادہ کم کرسکتے ہیں' وہ کردیں۔''

میں سال میں ایک آدھ چیریٹی کیس بھی پکڑ لیا کرتا تھا جس میں' میں ایک پیسہ بھی نہیں کماتا تھا۔ اس عمل سے میں اپنے پیشے کا صدقہ نکالتا رہتا تھا' لیکن یہ سال کا آغاز تھا۔ لہٰذا میں سال کے پہلے ہی مہینے میں اس قسم کا کوئی کام نہیں کرنا چاہتا تھا اور سلمٰی کو بالکل مایوس کردینا بھی مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا' چنانچہ میں نے درمیانی راہ کا انتخاب اور استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس راستے کے استعمال سے مجھے کوئی نقصان نہیں تھا' البتہ سلمٰی کو اس سے حسب منشا فائدہ

ضرور پہنچ سکتا تھا۔

''آپ کی خاطر میں اپنی فیس میں پچاس فیصد کمی کر سکتا ہوں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''مگر میں فیس ایڈوانس ہی میں لوں گا' ادھار کی کوئی گنجائش نہیں۔''

وہ قدرے الجھن زدہ انداز میں بولی۔ ''وکیل صاحب! یہ فیصد' وصد کا حساب میری سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ سیدھی سیدھی رعایتی فیس بتائیں......!''

''پچاس فیصد کا مطلب ہے' آدھی!'' میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے آپ کو اپنی جو فیس بتائی ہے اس کو آدھا کر سکتا ہوں۔ بس' اس سے زیادہ رعایت ممکن نہیں۔''

''جناب......!'' وہ خوشی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ بولی۔ ''آدھی فیس کا مطلب تو اتنی رقم ہے جو میں آپ کو ایڈوانس ادا کر سکتی ہوں۔ جیسا کہ میں کہہ چکی ہوں' آدھی فیس ابھی لے لیں...... ہیں نا؟''

''جی ہاں' اس کا بالکل یہی مطلب ہے۔'' میں نے زیرلب مسکراتے ہوئے سانس بھرے لہجے میں کہا۔ اس کی آنکھوں میں مسرت کے جگنو جگمگا اٹھے۔ اس نے مجھے ڈھیروں دعائیں دیں اور میرا شکریہ ادا کرنے کے بعد رخصت ہو گئی۔

''دعا'' بڑی عجیب وغریب چیز ہے۔ اس کی خرید وفروخت ممکن نہیں۔ اسے ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچانے کیلئے نہ تو کرایہ خرچ ہوتا ہے اور نہ ہی اس پر مختلف ٹکٹ چسپاں کرنے کی صورت پیش آتی ہے۔ یہ ایک ''خیر'' کا جذبہ ہے جو ایک انسان' دوسرے انسان کیلئے اپنے دل میں رکھتا ہے۔ دوسروں کی دعائیں لیتے رہنا چاہئے۔ پتا نہیں' کب کس کی دعا آپ کو لگ جائے۔ دعاؤں کی قبولیت کا اختیار جس ذات پاک کے پاس ہے وہ ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور بے شک! وہ ہر شے پر قادر ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے میں آپ کو ملزمہ وحیدہ اور مقتول اشتیاق بیگ کے بارے میں مختصراً بتاتا چلوں جس سے کیس کے پس منظر پر بھی روشنی پڑے گی اور آگے چل کر اس کیس کی سماعت کے دوران میں آپ کا ذہن کسی الجھن کا شکار بھی نہیں ہوگا۔ ایک بات کی وضاحت بھی کرتا چلوں کہ ان میں سے بہت سی باتیں مجھے بعد میں پتا چلی تھیں لیکن واقعات کی ترتیب کا خیال رکھتے ہوئے یہاں بیان کر رہا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی میں نے بعض باتیں آپ سے چھپا بھی لی ہیں جن کا ذکر عدالتی کارروائی کے دوران مناسب سنسنی خیز مقامات پر کیا جائے گا

تا کہ آپ کی تفریح کے لطف کو دوبالا کیا جا سکے۔

☆......☆......☆

جیسا کہ پیچھے بتایا جا چکا ہے' ملزمہ وحیدہ اور اس کی ماں سلمیٰ کا تعلق معاشرے کے نچلے طبقے سے تھا۔ وہ لوگوں کے گھروں میں صفائی ستھرائی کا کام کر کے اپنا گزارہ کرتی تھی۔ وحیدہ کے باپ عبدالشکور کا بہت پہلے انتقال ہو گیا تھا۔ وہ ایک فیکٹری میں مزدوری...... کرتا تھا۔ ان ماں بیٹی کی رہائش بفرزون کے عقبی علاقے میں واقع ایک گوٹھ نما بستی میں تھی۔

سلمیٰ کے پاس تین گھروں کا کام تھا جبکہ ملزمہ وحیدہ صرف دو گھروں میں جھاڑو برتن اور صفائی دھلائی کیا کرتی تھی' جن میں ایک گھر تو مقتول اشتیاق بیگ کا تھا اور دوسرا فیاض شیخ کا۔ پہلے وہ مقتول کے گھر کا کام نمٹاتی تھی۔ اس کے بعد فیاض شیخ کے بنگلے کا رخ کرتی تھی۔ وقوعہ کے روز بھی اس نے اپنا معمول جاری رکھتے ہوئے یہی کیا تھا لیکن جب وہ کام نمٹانے کے بعد اپنے گھر پہنچی تو تھوڑی ہی دیر کے بعد پولیس نے اسے اشتیاق بیگ کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا تھا۔

مقتول کی فیملی نہایت ہی مختصر تھی۔ یعنی صرف دو افراد مقتول اشتیاق بیگ اور اس کی بیوی نرگس۔ یہ لوگ نارتھ ناظم آباد میں واقع دو سو گز کے ایک بنگلے میں رہتے تھے۔ مقتول ایک صنعتکار تھا۔ شہر کے انڈسٹریل ایریا میں اس کی لیدر جیکٹس کی ایک چھوٹی سی فیکٹری تھی جہاں سے اندرون ملک اور بیرون ملک مال جاتا تھا۔ اس کا بزنس بہت اچھے انداز میں چل رہا تھا کہ اچانک دل نے اس کے ساتھ دھوکہ کر دیا۔ ایک رات اسے ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ بیڈ کا ہو کر رہ گیا۔ دل کے دورے سے اس کی جان تو بچ گئی تھی مگر ڈاکٹر نے کم از کم چھ ماہ تک بیڈ ریسٹ بتا دیا تھا اور ابھی اس ''بیڈ ریسٹ'' کے چار ماہ ہی گزرے تھے کہ اسے کسی شقی القلب شخص نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ وہ بے چارہ بے بسی کی موت مارا گیا تھا۔

نرگس' مقتول کی دوسری بیوی تھی۔ مقتول کی پہلی بیوی رخسانہ بیگم کا کافی عرصہ پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ پہلی بیوی...... سے مقتول کی اولاد عادل نامی ایک بیٹا تھا جو اپنے ماموں کے پاس رہتا تھا۔ مقتول کی دوسری شادی نے باپ بیٹے کے درمیان خاصی شدید اور سنگین اختلافی فضا قائم کر دی تھی لہٰذا وہ باپ کو چھوڑ کر اپنے ماموں کے گھر میں جا بسا تھا۔ ویسے بھی مقتول کا ساری زندگی اپنی سسرال یعنی عادل کی ننھیال کے ساتھ جھگڑا رہا تھا اور رخسانہ کے انتقال کے

بعد تو یہ کشیدگی اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ عادل کا رجحان شروع ہی سے اپنی ننھیال کی جانب تھا۔ لہٰذا مقتول کی دوسری شادی کے بعد گھر میں کچھ اس قسم کے تنازعات اٹھے کہ عادل اپنا سامان سمیٹ کر ماموں عثمان کے گھر میں آ گیا۔ جب تک وہ مقتول کے گھر میں تھا (مقتول کی دوسری شادی کے بعد) اس کا صبح شام کسی نہ کسی بات پر اپنی سوتیلی ماں نرگس کے ساتھ جھگڑا ہوتا رہتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ ان اختلافات کے سلسلے میں مقتول اس کے بجائے اپنی بیوی نرگس کا ساتھ دیتا ہے تو اس کا دل بجھ کر رہ گیا۔ رفتہ رفتہ یہ رنجش بڑھتی گئی اور بالآخر سال بھر پہلے وہ اپنے ماموں کے پاس آ گیا تھا۔ اس کا ماموں عثمان ٹیکسٹائل انڈسٹری میں انجینئر تھا۔ اس کی رہائش گلشن اقبال میں تھی۔ عثمان کی اپنے بہنوئی مقتول اشتیاق بیگ سے کبھی نہیں بنی تھی۔

مقتول کا بنگلہ دو بیڈ روم' ایک ٹی وی لاؤنج' ایک ڈرائنگ روم اور سرسبز لان پر مشتمل تھا۔ یہ ایک ہوادار اور سکون بخش رہائشگاہ تھی۔ ملزمہ وحیدہ روزانہ نو بجے صبح کام کیلئے وہاں پہنچتی اور گیارہ بجے تک وہاں رہتی تھی۔ اس دوران میں مقتول کی بیوی نرگس بھی گھر میں موجود ہوتی تھی۔ اگر اسے کسی ضروری کام سے باہر جانا ہوتا تو وہ انہی اوقات میں نکلا کرتی تھی اور وحیدہ کا کام ختم ہونے سے پہلے واپس آ جایا کرتی تھی' کیونکہ اسے اپنے بیمار شوہر مقتول اشتیاق بیگ کی دیکھ بھال کرنا ہوتی تھی۔

ملزمہ وحیدہ کے مطابق وقوعہ کے روز وہ حسب معمول کام کرنے مقتول کے بنگلے پر پہنچی تھی۔ لگ بھگ ساڑھے نو بجے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ ٹیلیفون سیٹ ٹی وی لاؤنج میں ایک سٹینڈ پر رکھا تھا۔ نرگس نے فون اٹینڈ کیا اور پھر ملزمہ کے پاس کچن میں چلی آئی۔ وحیدہ اس وقت کچن میں برتن دھو رہی تھی۔

"سنو وحیدہ!" اس نے ملزمہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میں تھوڑی دیر کیلئے باہر جا رہی ہوں۔ تم بیگ صاحب کا خیال رکھنا۔"

"ٹھیک ہے باجی۔" ملزمہ نے تائیدی انداز میں کہا' پھر پوچھا۔ "آپ کب تک واپس آ جائیں گی؟"

"تمہاری چھٹی کے ٹائم سے پہلے ہی آ جاؤں گی۔" وہ سرسری انداز میں بولی۔ "تمہارے صاحب کی ایک دوا لانا ہے۔ ڈاکٹر نے ایک ایسی گولی لکھی ہے جو بہت کم سٹورز پر

ملتی ہے۔ ابھی ایک میڈیکل سٹور والے ہی کا فون تھا۔ اس نے بتایا ہے کہ ابھی وہ ٹیبلٹس موجود ہیں۔ میں نے سوچا' ابھی لے آؤں۔ کیا پتا' پھر ملیں نہ ملیں۔" لمحاتی توقف کر کے اس نے گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"تمہارے صاحب نے ناشتہ کرلیا ہے اور میں نے انہیں صبح والی دوا بھی کھلا دی ہے۔ وہ اپنے کمرے میں آرام سے سو رہے ہیں۔ ان کی دواؤں میں ایک سکون کی گولی بھی ہے۔ وہ تمہیں کسی کام کیلئے نہیں کہیں گے۔ مجھے یقین ہے' میری واپسی تک وہ یونہی بے خبر سوتے رہیں گے۔"

"ٹھیک ہے باجی! آپ بے فکر ہو کر جائیں۔" وحیدہ نے تسلی بھرے انداز میں کہا۔ "اگر صاحب جی جاگ بھی گئے تو میں سنبھال لوں گی۔"

اس کے بعد نرگس بنگلے سے روانہ ہوگئی تھی۔

یہ کوئی نئی بات نہیں تھی کہ نرگس' وحیدہ کو گھر میں چھوڑ کر باہر نکلی ہو۔ اکثر و بیشتر وہ ایسا کرتی تھی لہٰذا وقوعہ کے روز وحیدہ نے نرگس کے باہر جانے کو کوئی خاص اہمیت نہ دی اور حسب معمول اپنے کام میں جتی رہی۔

وحیدہ کا خیال تھا کہ اس کی باجی نرگس دس بجے تک واپس آجائے گی لیکن جب وقت دس سے آگے بڑھنے لگا اور نرگس کی شکل نظر نہ آئی تو وحیدہ کو تشویش ہونے لگی۔ جوں جوں اس کی چھٹی کا وقت قریب آرہا تھا' اس کی فکرمندی میں اضافہ ہوتا چلا جارہا تھا۔ اس نے دو تین بار مقتول کے بیڈروم میں بھی جھانک کر دیکھ لیا۔ مقتول اشتیاق بیگ گہری نیند سو رہا تھا۔

دس کے بعد' سوا دس اور پھر ساڑھے دس بج گئے۔ وحیدہ سوچنے لگی' پتا نہیں باجی کہاں رہ گئی ہیں؟ کون سے میڈیکل سٹور سے وہ صاحب کی دوا لینے چلی گئی ہیں......؟

وحیدہ مقتول کے گھر کا کام ختم کرنے کے بعد فیاض شیخ کے بنگلے پر جاتی تھی جہاں اسے گیارہ سے ایک بجے تک کام کرنا ہوتا تھا۔ فیاض شیخ کا بنگلہ' مقتول کے بنگلے سے پانچ منٹ کے فاصلے پر تھا۔ اگر اسے وہاں پہنچنے میں کبھی دیر ہو جاتی تو...... شیخ صاحب کی بیوی بہت شور مچاتی تھی۔ وہ ایسی غصہ ور عورت تھی کہ شیخ صاحب بھی عالم طیش میں اس کا سامنا کرتے ہوئے گھبراتے تھے۔ وحیدہ' امینہ کے غصے کا سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی اور دل ہی دل میں یہ دعا بھی کر رہی تھی کہ گیارہ سے پہلے پہلے نرگس واپس لوٹ آئے تا کہ اسے امینہ کے غیظ و

غضب کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ مسز امینہ شیخ بڑی دھانسو قسم کی عورت تھی۔

کم و بیش پونے گیارہ بجے فون کی گھنٹی بجی تو وحیدہ نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف اس کی باجی نرگس تھی۔

"ہاں وحیدہ!" اس نے پوچھا۔ "سب ٹھیک ہے نا......؟"

"جی سب ٹھیک ہے۔" اس نے جلدی سے بتایا۔

"میں نے سارا کام ختم کرلیا ہے اور صاحب جی ابھی تک سو رہے ہیں۔" لمحاتی توقف کر کے اس نے پوچھ لیا۔ "باجی آپ کب تک آئیں گی؟"

"بس میں دس پندرہ منٹ میں پہنچنے ہی والی ہوں۔" نرگس نے جواب دیا اور اگر مجھے ایک دو منٹ اوپر نیچے ہو جائیں تو تم چلی جانا......"

"میں گھر سے زیادہ دور نہیں ہوں۔" نرگس نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ "اور تمہارے صاحب تو ویسے بھی آرام سے سو رہے ہیں۔ تم مین گیٹ کو بھیڑ کر اپنے وقت پر چلی جانا۔ میں تھوڑی دیر میں پہنچ رہی ہوں۔ یہ میں اس لئے بھی کہہ رہی ہوں کہ جب تمہیں دوسرے گھر پہنچنے میں دیر ہو جاتی ہے تو شیخ صاحب کی بیوی تم پر چیختی چلاتی ہے......"

وحیدہ نے نرگس کو مسز شیخ کے غصے کے بہت سے قصے سنا رکھے تھے۔ نرگس نے جب اس کی دکھتی ہوئی رگ پر انگلی رکھی تو وہ ممنونیت بھرے لہجے میں بولی۔

"جی باجی...... یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میں گیارہ بجے تک آپ کے آنے کا انتظار کروں گی۔ اس کے بعد باہر کا گیٹ بند کر کے شیخ صاحب کے گھر کی طرف چلی جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے......!" یہ کہتے ہوئے نرگس نے ٹیلیفونک رابطہ منقطع کر دیا۔

وحیدہ نے مجھے بتایا کہ اس نے احتیاطاً گیارہ پانچ تک نرگس کی واپسی کا انتظار کیا تھا اور پھر باجی کی حسب ہدایت وہ بنگلے کے بیرونی گیٹ کو بند کر کے دوسرے بنگلے پر کام کرنے چلی گئی تھی۔ گیٹ کو اس نے باہر سے کنڈی لگا دی تھی تا کہ ہوا وغیرہ کے دباؤ کی وجہ سے وہ خود بخود کھل نہ جائے۔

وحیدہ نے وقوعہ کے روز حسب معمول شیخ صاحب کے گھر کا کام نمٹایا پھر وہ اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئی تھی۔ اس کی ماں سلمیٰ اس سے پہلے گھر پہنچ چکی تھی اور کھانا وغیرہ تیار کر رہی

تھی۔ وہ دونوں جب دوپہر کا کھانا کھانے میں مصروف تھیں تو ایک سب انسپکٹر دو کانسٹیبل کے ساتھ ان کے گھر پہنچ گیا' پھر وحیدہ کو اشتیاق بیگ کے قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا۔

وحیدہ نے جب مقتول کے گھر کو چھوڑا تو اشتیاق بیگ زندہ سلامت' گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ اس کے قتل کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ وحیدہ کو جو کچھ بھی معلوم تھا وہ اس نے بڑی تفصیل کے ساتھ مجھے بتا دیا تھا۔ باقی کی معلومات مجھے خود حاصل کرنا تھیں اور اس مقصد کے حصول کیلئے میں نے اپنے تمام گھوڑے میدان میں ڈال دیئے تھے اور مجھے اپنی محنت سے اور خدا کے گھر سے قوی امید تھی کہ کامیابی میرے قدم چومے گی۔

☆......☆......☆

ریمانڈ کی مدت پوری ہونے کے بعد پولیس نے عدالت میں چالان پیش کر دیا۔ میں نے جب تھانے جا کر حوالات میں بند وحیدہ سے ملاقات کی تھی تو اسے بعض ایسے گر بھی بتائے تھے جن کا بروقت استعمال کر کے وہ خود کو پولیس کی معروف تفتیشی ''مہربانیوں'' سے محفوظ رکھ سکتی تھی اور اس نے بہ عین میری ہدایت پر عمل کیا تھا۔ اس معاملے میں وہ خاصی عقل مند ثابت ہوئی تھی۔

عدالتی کارروائی شروع ہونے سے پہلے میں نے وحیدہ کے وکیل کی حیثیت سے اپنا وکالت نامہ اور ملزمہ کی درخواست ضمانت دائر کر دی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد جج اپنی کرسی پر آ کر بیٹھا تو عدالتی کارروائی کا آغاز ہوا۔

میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اپنی مؤکلہ کے حق میں بولنا شروع کیا۔ ''جناب عالی! ملزمہ وحیدہ ایک معصوم اور بے گناہ لڑکی ہے۔ کسی گہری سازش کے تحت اس بے چاری کو قتل کی اس واردات کے ساتھ نتھی کیا جا رہا ہے۔ میری معزز عدالت سے استدعا ہے کہ میری مؤکلہ کی درخواست ضمانت کو منظور کرتے ہوئے اس کی رہائی کے احکامات صادر کئے جائیں......''

''یور آنر......!'' وکیل استغاثہ نے ضمانت کے خلاف دلائل دیتے ہوئے کہا۔ ''ملزمہ ایسی معصوم' بے گناہ اور بے چاری بھی نہیں جیسا میرے فاضل دوست بیان کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس لڑکی نے ایک سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے لہٰذا اس کی ضمانت منظور کرنا انصاف کے اصولوں کے منافی ہوگا۔''

''سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے......'' میں نے وکیل استغاثہ کی آنکھوں میں دیکھتے

ہوئے اسی کے الفاظ دہرائے پھر کڑے لہجے میں پوچھا۔ ’’وکیل صاحب! آپ کس سنگین جرم کی بات کر رہے ہیں؟‘‘

’’کیا مطلب؟‘‘ اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ ’’آپ کو نہیں پتا‘ کون سا سنگین جرم......‘‘

’’چند لمحات کیلئے فرض کر لیں‘ مجھے کچھ بھی معلوم نہیں......‘‘ میں نے اپنے لہجے کی سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ ’’آپ بتا دیں گے تو بڑی مہربانی ہوگی۔‘‘

’’میں ایسی کوئی مہربانی کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔‘‘ وہ رکھائی سے بولا۔ ’’اور دوسری بات یہ کہ عدالتی معاملات میں ’’فرض کرنے‘‘ سے کام نہیں چلتا۔ جب آپ کو یہی نہیں پتا کہ عدالت میں کس کیس کی سماعت ہو رہی ہے تو پھر آپ اپنی مؤکل کی وکالت کیسے کریں گے؟‘‘

’’آپ میرا کام مجھ پر چھوڑ دیں میرے محترم!‘‘ میں سلگانے والے انداز میں کہا۔ ’’صرف اتنا بتا دیں کہ میری مؤکل نے کون سے سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے۔‘‘

میرے سوالات نے ابتدا ہی میں وکیل استغاثہ کو ذہنی طور پر الجھا کر رکھ دیا تھا۔ وہ برہمی سے بولا۔ ’’میں اشتیاق بیگ مرڈر کیس‘‘ کا ذکر کر رہا ہوں جس کی اس وقت عدالت میں کارروائی ہو رہی ہے۔‘‘

’’اوہ......!‘‘ میں نے چونکنے کی اداکاری کی پھر گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ ’’تو آپ کا خیال ہے اشتیاق بیگ کو میری مؤکل وحیدہ نے قتل کیا ہے؟‘‘

’’تو اور کیا......!‘‘ وہ بے ساختہ بولا۔ ’’اسی لئے تو وہ عدالت میں حاضر ہے۔‘‘

’’عدالت میں تو آپ اور میں بھی حاضر ہیں میرے فاضل دوست۔‘‘ میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ’’تو کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ ہم نے بھی اشتیاق بیگ کے قتل میں حصہ لیا ہے؟‘‘

’’آپ خوانخواہ بات کو الجھانے کی کوشش کر رہے ہیں!‘‘ وہ اکتاہٹ آمیز انداز میں بولا۔

’’بالکل نہیں......!‘‘ میں نے بڑی شدت سے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ’’میں تو الجھے ہوئے معاملے کو سیدھا کرنے کی تگ و دو میں لگا ہوا ہوں اور اس سلسلے میں آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔‘‘

"میرے تعاون کی ضرورت ہے...... کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"آپ نے میری مؤکل کے حوالے سے کہا ہے کہ...... اس لڑکی نے جو سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے۔" میں نے نہایت ہی سنجیدگی سے کہا۔ "اور ابھی آپ نے اضافہ کیا ہے کہ اسی لئے وہ اشتیاق بیگ کے قاتل کی حیثیت سے اس وقت عدالت میں حاضر ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ میری مؤکل کے جرم کے بارے میں بہت پر یقین ہیں؟"

"جی ہاں......" وہ خاصی کراری آواز میں بولا۔ "میں پر یقین ہوں۔"

اس نے میرے بچھائے ہوئے جال میں پہلا قدم رکھ دیا تھا۔ میں نے پوچھا۔ "آپ کے یقین سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے میری مؤکل کو خود اپنی آنکھوں سے یہ جرم کرتے ہوئے دیکھا ہے......؟"

"نن...... نہیں......" وہ گڑبڑا گیا۔ "ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"پھر کیسی بات ہے میرے فاضل دوست؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "میں وہی تو جاننا چاہتا ہوں۔"

"م...... میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ...... میں نے ملزمہ وحیدہ کو یہ قتل کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "میں بھلا اس واقعہ کو کیسے دیکھ سکتا تھا۔"

"کوئی نہیں۔" اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔

"تو پھر......" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "آپ کو میری مؤکل کے بارے میں زبان کو زحمت دیتے وقت محتاط الفاظ کا استعمال کرنا چاہئے۔ جب تک عدالت میں اس پر عائد جرم ثابت نہیں ہو جاتا اس کی حیثیت ایک ملزمہ ایسی ہے لہٰذا یہ کہہ دینا کہ...... وہ ایک مجرم ہے اس نے سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے...... سراسر زیادتی والی بات ہوگی۔"

میری وضاحت نے وکیل استغاثہ کو قدرے شرمندہ سا کر دیا تھا۔ وہ کھسیاہٹ آمیز انداز میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ میں نے روئے سخن جج کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی! میری مؤکل گھروں میں کام کرنے والی ایک بے چاری لڑکی ہے۔ میں آگے چل کر ثابت کردوں گا کہ قتل کی اس واردات سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں لہٰذا معزز عدالت سے میری درخواست ہے کہ اس کی ضمانت کو منظور کیا جائے۔"

وکیل استغاثہ ایک بار پھر ضمانت رکوانے کیلئے بڑھ چڑھ کر بولنے لگا۔ "جناب عالی!

واقعاتی شہادتیں سراسر ملزمہ کے خلاف جاتی ہیں۔ خاص طور پر آلہ قتل پر ملزمہ کے جو فنگر پرنٹس ملے ہیں انہیں کسی بھی قیمت پر نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔"

مزید پندرہ بیس منٹ تک وحیدہ کی ضمانت کے حق میں اور ضمانت کے خلاف دلائل کا سلسلہ جاری رہا' پھر عدالت نے میری مؤکل کی درخواست ضمانت کو رد کرتے ہوئے وحیدہ کو جوڈیشل ریمانڈ...... پر جیل بھیج دیا۔

جیسا کہ پہلے بھی کئی بار بتایا گیا ہے کہ قتل کے ملزم کی ضمانت ناممکن کی حد تک مشکل ہوتی ہے۔ مجھے عدالت کے اس فیصلے پر کوئی اچنبھا ہوا تھا اور نہ ہی مایوسی۔ میں مطمئن تھا کہ میں نے اپنے حصے کا کام نہایت ہی خوبی سے کر دیا تھا۔ کیس کی باقاعدہ سماعت پر مجھے جوہر دکھانا تھے۔

آگے بڑھنے سے قبل میں آپ کو پوسٹمارٹم رپورٹ اور پولیس کے چالان' یعنی استغاثہ کے بارے میں مختصراً بتاتا چلوں۔

پوسٹمارٹم رپورٹ کے مطابق مقتول اشتیاق بیگ کی موت 20 جنوری کی دوپہر دس اور بارہ بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ آلہ قتل ایک تیز دھار گوشت کاٹنے والی چھری تھی جس کی مدد سے مقتول کی شہ رگ کاٹ کر موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ مذکورہ خطرناک چھری سے مقتول کی گردن پر اتنا بڑا کٹ لگایا گیا تھا کہ اس کے زندہ بچنے کے امکانات صفر کے برابر ہو کر رہ گئے تھے۔

پوسٹمارٹم رپورٹ کے ساتھ ہی میڈیکل ایگزامینر کی رپورٹ بھی فائل میں لگی ہوئی تھی۔ اس رپورٹ میں بڑے واضح الفاظ میں لکھا تھا کہ بوقت قتل مقتول کسی خواب آور دوا کے زیر اثر تھا اور حالت بے ہوشی یا حالت نیند میں اس کی موت واقع ہوئی تھی۔ لیبارٹری ٹیسٹ سے یہ بھی ثابت ہوا تھا کہ مقتول کے معدے میں نشہ آور دوا کے اجزا موجود تھے۔ اغلب امکان اس بات کا تھا کہ یہ وہی دوا ہو جو نرگس نے ناشتے کے بعد اپنے شوہر مقتول اشتیاق بیگ کو کھلائی تھی۔

استغاثہ نے میری مؤکل کے خلاف خاصا مضبوط کیس تیار کیا تھا۔ اشتیاق بیگ کے قتل کے علاوہ بھی اس پر مزید دو الزامات ڈالے گئے تھے۔ نمبر ایک دس ہزار نقدی' نمبر دو لگ بھگ چالیس ہزار کے طلائی زیورات کی چوری۔ یہ دونوں چیزیں مقتول کی بیوی نرگس کی الماری

سے غائب ہوئی تھیں۔ نرگس کا دعویٰ تھا کہ جب وہ وقوعہ کے روز گھر سے نکلی تو یہ نقدی اور جیولری اس کی الماری میں موجود تھیں لیکن جب دن میں وہ واپس آئی تو اس کی الماری کے پٹ کھلے ہوئے تھے اور یہ دونوں اشیاء اپنی جگہ موجود نہیں تھیں۔ اس نے اپنی الماری کا کونہ کونہ چھان مارا' مگر اسے کہیں بھی نقدی یا زیورات دکھائی نہ دیئے۔ الماری کے کھلے ہوئے پٹ دیکھ کر اسے جس گڑبڑ کا احساس ہوا تھا وہ ایک ٹھوس حقیقت تھی۔

قصہ مختصر' میری مؤکل وحیدہ کو نقدی و طلائی زیورات چرانے اور اپنے صاحب اشتیاق بیگ کو قتل کرنے کے الزام میں گرفتار کر کے حوالہ عدالت کر دیا گیا تھا۔

☆......☆......☆

اس پیشی پر کیس کی باقاعدہ سماعت کا آغاز ہوا۔ جج کرسی انصاف پر براجمان ہوا تو عدالت میں سناٹا چھا گیا۔ جج نے کارروائی شروع کرتے ہوئے فرد جرم پڑھ کر سنائی۔ ملزم نے صحت جرم سے انکار کر دیا۔ یہ بات پہلے بھی کئی بار بتائی جا چکی ہے کہ پولیس کسٹڈی میں دیئے گئے ملزم کے بیان یعنی اقبال جرم کو عدالت میں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ پولیس والوں کے تفتیشی ہتھکنڈوں سے خود کو محفوظ رکھنے کیلئے بعض اوقات ملزم اقرار جرم کر لیتا ہے اور عدالت میں جا کر اس سے منحرف ہو جاتا ہے۔ یہ نکتہ چونکہ عدالت کے علم میں بھی ہوتا ہے اسی لئے وہ پولیس کی تحویل میں ملزم کے کسی بھی بیان کو سنجیدگی سے نہیں لیتی۔

اس کے بعد ملزمہ کا حلفیہ بیان ریکارڈ کیا گیا۔ ملزمہ وحیدہ نے میری ہدایت کے عین مطابق نہایت ہی نپے تلے الفاظ میں مختصر سا بیان ریکارڈ کرا دیا۔ یہ وہی بیان تھا جو وہ اس سے پہلے پولیس کو دے چکی تھی۔

استغاثہ کی جانب سے کل پانچ گواہوں کی فہرست دائر کی گئی تھی لیکن میں یہاں صرف انہی گواہوں کا ذکر کروں گا جن کے بیانات میں کوئی خاص بات ہوگی۔ اس سے پہلے کہ استغاثہ کے گواہوں کے بیانات کا سلسلہ شروع ہوتا' میں نے جج سے درخواست کی۔ ''جناب عالی! میں اس کیس کے انکوائری آفیسر سے چند اہم سوال کرنا چاہتا ہوں۔''

جج نے فوراً مجھے اجازت دے دی۔ ''پرمیشن گرانٹیڈ......''

تفتیشی افسر یا انکوائری آفیسر کی حیثیت کسی بھی کیس میں استغاثہ کے گواہ کی سی ہوتی ہے اور اسے ہر پیشی پر عدالت میں حاضر رہنا پڑتا ہے۔ موجودہ کیس کے آئی او (انکوائری

آفیسر) کا نام صفدر علی تھا۔ رینک کے اعتبار سے وہ ایک سب انسپکٹر تھا۔ صفدر علی پستہ قامت اور بھرے بھرے جسم کا مالک تھا۔ اس کے گال پھولے ہوئے تھے' آنکھوں سے شرارت ٹپکتی تھی۔ اس کے چہرے کو دیکھ کر ذہن میں پہلا تاثر یہی جاگتا تھا کہ وہ بڑے سائز کا کوئی شریر بچہ ہے۔

جج کے حکم پر آئی او صفدر علی وٹنس باکس میں آکر کھڑا ہوگیا۔ میں جرح کیلئے اس کے قریب چلا گیا اور سرتا پا اس کا جائزہ لیتے ہوئے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''آئی او صاحب...... آپ خاصے صاف ستھرے نظر آرہے ہیں۔''

وہ میرے ریمارکس پر چونک کر مجھے تکنے لگا' پھر قدرے ناگوار لہجے میں مستفسر ہوا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا وکیل صاحب؟''

''مطلب یہ کہ......'' میں نے چھیڑ چھاڑ کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''آپ کا یونیفارم خاصا اجلا نظر آرہا ہے' آپ کا شیو بنا ہوا ہے' بال بڑے سلیقے سے سنورے ہوئے ہیں اور جوتے بھی چمک رہے ہیں۔ آپ خاصے خوش ذوق معلوم ہوتے ہیں۔''

وہ اپنی تعریف اور وہ بھی ایک وکیل مخالف کی زبان سے سن کر خوش ہوگیا' تاہم اپنی خوشی کو دباتے ہوئے اس نے قدرے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''آپ نے بجا فرمایا کہ میں ایک خوش ذوق پولیس آفیسر ہوں لیکن ان باتوں کا زیرِ نظر کیس سے کیا تعلق ہے؟''

''کوئی تعلق نہیں آئی او صاحب!'' میں نے...... بے پروائی سے کہا۔ ''بس' میں نے ایسے ہی ذکر کر دیا ہے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ عموماً صبح وشام جن پولیس والوں سے واسطہ پڑتا ہے انہیں اپنے حلیے یا یونیفارم سے کوئی دلچسپی دکھائی نہیں دیتی۔ کم از کم تھانہ انچارج کے رینک سے نیچے تو اس بات کی اہمیت کو سمجھا ہی نہیں جاتا کہ انسان کا لباس اور حلیہ اس کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں میں نہایت ہی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔''

''بس جناب......'' وہ کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔ ''اپنی اپنی سمجھ کی بات ہے۔''

''کیا خوبصورت بات کی ہے آپ نے......!'' میں نے توصیفی نظر سے اسے دیکھا۔

اس نے کچھ نہیں کہا۔ خاموش نگاہ سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے پوچھا۔ ''صفدر صاحب! آپ کو اس واقعہ کی اطلاع کب اور کس نے دی

تھی......؟'' ایک لمحے کے توقف سے میں نے ان الفاظ میں اضافہ کر دیا۔'' واقعہ سے میری مراد'' اشتیاق بیگ مرڈر کیس'' ہے......!''

'' آپ وضاحت نہ بھی کرتے تو میں سمجھ گیا تھا'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔'' اس واقعہ کی اطلاع مقتول کی بیوی یعنی مقتول کی بیوہ نرگس نے 20 جنوری کی دوپہر تھانے فون کر کے دی تھی۔''

'' دوپہر...... کتنے بجے؟'' میں نے سوال کیا۔

'' پولیس کے روزنامچے کے مطابق یہ اطلاع دوپہر بارہ بج کر پینتالیس منٹ پر دی گئی تھی یعنی پونے ایک بجے......!''

'' اور آپ جائے وقوعہ پر کتنے بجے پہنچے تھے؟''

'' ایک......سوا ایک بجے کے درمیان۔'' اس نے جواب دیا۔

'' میری معلومات کے مطابق ملزمہ وحیدہ کو لگ بھگ دو بجے اس کے گھر سے گرفتار کیا گیا تھا'' میں نے آئی او کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔'' سب انسپکٹر صاحب! میری معلومات غلط تو نہیں ہیں؟''

'' جی نہیں۔'' اس نے نفی میں گردن ہلائی۔'' آپ بالکل درست فرما رہے ہیں۔ ملزمہ کی گرفتاری کا وقت وہی ہے جو آپ نے بتایا ہے۔''

'' ملزمہ کی گرفتاری یقیناً مقتول کی بیوہ نرگس کی نشاندہی پر کی گئی ہوگی؟'' میں نے استفسار کیا۔

'' جی ہاں۔'' اس نے سر کو اثباتی جنبش دی۔'' نرگس صاحبہ نے میری پوچھ گچھ کے نتیجے میں مجھے بتایا تھا کہ وہ ملزمہ کو گھر میں چھوڑ کر کسی ضروری کام سے باہر گئی تھی۔ واپسی میں اسے دیر ہوگئی۔ جب وہ گھر آئی تو ملازمہ وحیدہ یعنی ملزمہ گھر میں موجود نہیں تھی اور نرگس کے شوہر کو بڑی...... بے دردی سے گلہ کاٹ کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا اور دوسرے کمرے کی الماری بھی کھلی پڑی تھی۔ مذکورہ الماری میں سے نقدی اور طلائی زیورات بھی غائب تھے۔ نرگس کو شک تھا کہ یہ کارنامہ ملزمہ کے سوا اور کسی کا نہیں ہوسکتا لہٰذا ہم نے نرگس کے ایما پر ملزمہ کو اس گھر سے گرفتار کر کے شامل تفتیش کر لیا۔''

'' بہت خوب!'' میں نے سراہنے والے انداز میں کہا۔'' آپ کی کارکردگی واقعی

لاجواب تھی۔''

وہ ایسی نظر سے مجھے تکنے لگا جیسے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا ہو کہ میں اس کی تعریف میں سنجیدہ ہوں یا مذاق کر رہا ہوں۔ میں نے اسے زیادہ سوچنے کا موقع نہیں دیا اور سوالات کے سلسلے کو دراز کرتے ہوئے کہا۔

''آپ نے بتایا ہے کہ جب نرگس واپس آئی تو ملزمہ وحیدہ گھر میں موجود نہیں تھی۔ کیا ملزمہ کو اس وقت گھر میں موجود ہونا چاہئے تھا؟''

''جی ہاں......'' وہ اصراری انداز میں بولا۔''مقتول کی بیوی نرگس نے مجھے بتایا تھا کہ اس کا شوہر دل کا مریض تھا اور اس نے ملزمہ کو خاص طور پر ہدایت کی تھی کہ جب تک وہ واپس نہیں آجاتی وہ گھر میں موجود رہے۔''

''مقتول کی بیوہ نرگس نے شاید آپ کو یہ نہیں بتایا تھا کہ اس نے وقوعہ کے روز دس پینتالیس پر اپنے گھر فون کر کے ملزمہ سے کیا کہا تھا؟'' میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔

''جی ہاں......سب بتایا تھا۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔''نرگس نے ٹھیک پونے گیارہ بجے اپنے گھر فون کیا تھا۔ فون ملزمہ نے اٹینڈ کیا تھا۔ نرگس نے ملزمہ کو تاکید کی تھی کہ جب تک وہ واپس نہ آئے ملزمہ گھر سے نہیں جائے گی چاہے اسے دوسرے گھر سے کام کی چھٹی ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔''

''لیکن ملزم کا بیان اس کے برعکس ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ ''پونے گیارہ بجے جب مقتول کی بیوہ نرگس نے ملزمہ کو فون کیا تو ملزمہ نے پوچھا تھا' باجی! آپ کب تک واپس آئیں گی۔ مجھے گیارہ بجے شیخ صاحب کے گھر کام کرنے جانا ہے؟ اس پر نرگس نے جواب دیا تھا' میں گھر سے زیادہ دور نہیں ہوں۔ دس پندرہ منٹ میں پہنچ رہی ہوں۔ تم میری واپسی کا انتظار نہیں کرنا اور گیارہ بجے بیرونی گیٹ بند کر کے شیخ صاحب کے گھر چلی جانا ورنہ تمہارے دیر سے جانے پر شیخ کی بدمزاج بیوی تم پر خوامخواہ چیخے چلائے گی۔ ان دونوں بیانات میں اتنا زیادہ تضاد ہے کہ......'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''کہ......دونوں میں سے کوئی ایک بیان ہی درست ہو سکتا ہے۔''

''ملزمہ وحیدہ غلط بیانی سے کام لے رہی ہے۔'' آئی او جلدی سے بولا۔

میں نے کہا۔ ''یہی فتویٰ میں اس کیس کی مدعی اور مقتول کی بیوہ نرگس کیلئے بھی جاری کرسکتا ہوں۔''

''آپ کا فتویٰ درست نہیں مانا جائے گا' وکیل صاحب!'' انکوائری آفیسر بڑے اعتماد سے بولا۔ ''کیونکہ مقتول دل کا مریض تھا۔ نرگس اس کی طرف سے ایسا غیر محتاط اقدام اٹھا ہی نہیں سکتی۔ وہ ملزمہ کو اس وقت تک گھر سے باہر جانے کی اجازت نہیں دے سکتی تھی جب تک وہ خود مقتول کے پاس واپس نہ آ جاتی۔ یہ تو ایک سامنے کی حقیقت ہے جو معمولی سی عقل رکھنے والا انسان بھی بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔''

آئی او نے آخری جملے میں مجھ پر چوٹ کی تھی۔ میں نے اس کی بات کا برا نہیں منایا اور معتدل انداز میں پوچھا۔ ''آپ کی معلومات کے مطابق وقوعہ کے روز مقتول کی بیوہ نرگس کتنے بجے گھر واپس آئی تھی؟''

''ساڑھے بارہ بجے۔'' اس نے جواب دیا۔

''اور بارہ پینتالیس پر اس نے تھانے فون کرکے اپنے شوہر کو پیش آنے والے واقعہ کی اطلاع دی تھی۔'' میں نے آئی او کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یعنی گھر پہنچنے کے ٹھیک پندرہ منٹ بعد......؟''

''جی ہاں......!'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ نرگس صاحبہ بڑے مضبوط اعصاب کی مالک ہیں۔'' میں نے حیرت سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔ ''ورنہ ان کی جگہ اگر کوئی اور خاتون ہوتی تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے۔ وہ سب سے پہلے اردگرد کے لوگوں کو اکٹھا کرتی۔ پولیس کو اطلاع دینے کا خیال تو بہت بعد میں آتا......''

میری مؤکل نے مجھے بتایا تھا کہ وہ نرگس کی اجازت پر ہی گیارہ بج کر پانچ منٹ پر بنگلے سے نکلی تھی کیونکہ نرگس بنگلے کے قریب ہی کہیں موجود تھی لیکن آئی او سے ہونے والے سوال و جواب سے جو صورتحال سامنے آ رہی تھی اس سے ظاہر ہوتا تھا' نرگس کے ذہن میں کچھ اور ہی پک رہا تھا۔ جب وہ گواہی دینے وٹنس باکس میں پہنچتی تو میں اسے اپنے انداز میں گھس سکتا تھا۔ فی الحال تو آئی او سے نمٹنا تھا جو استغاثہ کا سب سے اہم گواہ ہونے کے ساتھ ہی استغاثہ کا وزرت بھی تھا۔ میں نے مختصر سی جرح کیلئے اسے جج سے مانگا تھا لیکن میں دیکھ رہا تھا

کہ سوال و جواب کا یہ سلسلہ کچھ زیادہ ہی دراز ہوتا چلا جا رہا تھا لیکن چونکہ میری کرید کے نتیجے میں نئے نئے انکشافات ہو رہے تھے لہٰذا جج بڑی توجہ اور دلچسپی سے یہ کارروائی دیکھ اور سن رہا تھا۔ اسی دوران وقفے وقفے سے اس کا قلم بھی حرکت میں آ جاتا تھا اور وہ اپنے سامنے پھیلے ہوئے کاغذات پر کچھ نوٹ کرنے لگتا تھا۔

"یہ تو جناب...... اپنی اپنی ہمت اور حوصلے کی بات ہے۔" انکوائری آفیسر نے میرے اعتراض کے جواب میں کہا۔ "بعض لوگ کسی مصیبت کا سن کر ہی ہاتھ پاؤں ڈال دیتے ہیں اور بعض پر قیامت بھی ٹوٹ پڑے تو وہ کسی چٹان کے مانند ایستادہ رہتے ہیں۔"

"پھر تو مقتول کی بیوہ کو "آئرن لیڈی" کی شیلڈ ملنا چاہئے۔" میں نے نیم طنزیہ لہجے میں کہا۔ "ایسے فولادی اعصاب کی مالک ہونا کوئی معمولی بات نہیں۔"

اس نے میرے طنز کا جواب طنز ہی سے دیا۔ "اگر آپ کا کوئی بورڈ اس قسم کے انعامات کا انعقاد کرتا ہے تو آپ بخوشی مسز بیگ کو یہ شیلڈ پیش کر سکتے ہیں۔"

میں نے زیرلب مسکرانے پر اکتفا کیا اور سوالات کے سلسلے کو دراز کرتے ہوئے انکوائری آفیسر سے پوچھا۔

"صفدر صاحب! وقوعہ کے روز جب آپ دوپہر ایک اور سوا ایک کے درمیان جائے واردات پر پہنچے تو وہاں مقتول کی بیوہ نرگس کے علاوہ اور کون موجود تھا؟"

"مقتول کی فیکٹری کا منیجر فرید غوری بھی جائے وقوعہ پر موجود تھا۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا فرید غوری کو بھی مقتول کی بیوہ نے فون کر کے وہاں بلایا تھا؟"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔" وہ سادہ سے لہجے میں بولا۔

"آپ نے اس سلسلے میں مقتول کی بیوہ نرگس سے پوچھا نہیں تھا؟" میں نے سوال کیا۔ ایک انکوائری آفیسر کی حیثیت سے آپ کو فرید غوری کی جائے وقوعہ پر موجودگی کا سبب پتا ہونا چاہئے تھا؟"

"میں نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔" وہ رکھائی سے بولا۔ "آپ نرگس سے خود پوچھ لیجئے گا......"

"میں مقتول کی بیوہ سے ضرور یہ سوال کروں گا۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "کیونکہ میں اس معاملے کو بہت اہم سمجھتا ہوں۔"

"جیسی آپ کی مرضی!" اس نے بے پروائی سے کندھے اچکا دیئے۔

میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ "آئی او صاحب! جب آپ جائے وقوعہ پر پہنچے تو آپ نے وہاں کیا دیکھا تھا؟"

"مقتول بیگ اپنے کمرے میں بیڈ پر مردہ پڑا تھا۔" اس نے سرسری لہجے میں جواب دیا۔ "اس کی گردن کٹی ہوئی تھی۔ خون کے بہاؤ نے اس کا لباس اور بیڈ کا ایک بڑا حصہ سرخ کر دیا تھا۔ میں اسے دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا کہ اب اسے زندوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی موت واقع ہو چکی تھی۔"

"پوسٹمارٹم رپورٹ کے مطابق جب مقتول کو موت کے گھاٹ اتارا گیا تو وہ کسی خواب آور دوا کے زیر اثر تھا۔ اس کے معدے کے کیمیاوی تجزیے سے بھی یہی ثابت ہوا ہے۔ اغلب امکان اس بات کا ہے کہ مقتول کی بیوہ نے ناشتے کے وقت اسے جو سکون بخش دوا کھلائی تھی یہ اس کے اثرات ہوں۔ ان اثرات کی روشنی میں دراصل میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ......" میں سانس ہموار کرنے کیلئے لمحے بھر کو رکا پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"جب کسی نشہ آور شے کے زیر اثر کسی شخص کی شہ رگ کاٹ کر اسے موت کے گھاٹ اتارا جاتا ہے تو مرنے والے کو زیادہ تڑپنے پھڑکنے کا موقع نہیں ملتا۔ آپ نے مقتول کی لاش کو دیکھ کر کیا اندازہ قائم کیا تھا؟"

"جیسا آپ فرما رہے ہیں' میں نے بالکل ویسا ہی دیکھا تھا۔" وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "مقتول کی لاش اور بستر کی حالت سے یہی اندازہ ہوتا تھا کہ موت کے منہ میں جاتے وقت مقتول نے زیادہ اچھل کود نہیں مچائی ہوگی۔"

"مجھے پتا چلا ہے' آپ نے جائے وقوعہ سے بڑی آسانی کے ساتھ آلۂ قتل بھی برآمد کر لیا تھا؟" میں نے قدرے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں......" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "آلۂ قتل کی تلاش میں مجھے زیادہ تگ و دو نہیں کرنا پڑی تھی۔ وہ خطرناک گوشت کاٹنے والی چھری مقتول کے بیڈ کے نیچے ہی پڑی مل گئی تھی۔"

"آپ نے آلۂ قتل پر سے فنگر پرنٹس بھی اٹھائے تھے۔" میں نے سادہ سے لہجے میں پوچھا۔ "اور وہ پرنٹس ملزمہ کے فنگر پرنٹس سے میچ بھی کر گئے تھے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا آئی

او صاحب؟''

''نہیں جناب! آپ بالکل درست فرما رہے ہیں۔'' وہ بآواز بلند بولا۔'' جبھی تو یہ بات اور بھی یقینی ہوگئی کہ ملزمہ ہی نے دراصل مقتول کی جان لی تھی۔ اگر وہ اس معاملے میں ملوث نہ ہوتی تو آلہ قتل پر اس کی انگلیوں کے نشانات کیوں پائے جاتے۔ یہ ایک غور طلب بات ہے۔'' بات ختم کر کے وہ معنی خیز انداز میں مجھے تکنے لگا۔

''ایک نہیں' اس کیس میں تو بہت سی باتیں غور طلب ہیں آئی او صاحب!'' میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔'' جن پر ہم باری باری غور بھی کریں گے لیکن آلہ قتل پر ملزمہ کے فنگر پرنٹس کی موجودگی ہرگز یہ ثابت نہیں کرتی کہ اسی نے مقتول اشتیاق بیگ کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔''

''جی کیا مطلب؟'' وہ چونک کر مجھے تکنے لگا۔'' یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔'' میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔'' میری مؤکل کے مطابق وہ خطرناک چھری جو اس کیس میں آلہ قتل کی حیثیت کی حامل ہے اس کا تعلق مقتول کے گھر کے کچن سے ہے۔ ملزمہ اکثر و بیشتر اسے استعمال کرتی تھی لہٰذا اس چھری کے دستے پر ملزمہ کی انگلیوں کے نشانات کا پایا جانا کوئی حیرت کی بات نہیں۔ اس چھری کے حوالے سے ملزمہ نے مجھے ایک نہایت ہی اہم بات بھی بتائی ہے......''

میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر معنی خیز انداز میں آئی او کی طرف دیکھا تو وہ جلدی سے بولا۔'' کون سی اہم بات؟''

میں نے آئی او کی حیرت کو نظر انداز کرتے ہوئے جج کی جانب دیکھا۔ اس کی دلچسپی ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بڑھ رہی تھی۔ میں نے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور آئی او کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

''میری مؤکل اور اس کیس کی ملزمہ کا دعویٰ ہے کہ وقوعہ سے چند روز قبل وہ چھری کچن سے غائب ہوگئی تھی۔ جب اس نے مذکورہ چھری کے بارے میں اپنی باجی یعنی مقتول کی بیوہ نرگس سے استفسار کیا تو اس نے چھری کے حوالے سے اپنی لاعلمی ظاہر کردی تھی۔''

''مجھے آلہ قتل کے ماضی کے بارے میں کچھ پتا نہیں۔'' وہ بے پروائی سے بولا۔'' نہ ہی مجھے یہ ہسٹری جاننے سے کوئی دلچسپی ہے۔ میرے لئے یہی کافی ہے کہ آلہ قتل پر ملزمہ کی

انگلیوں کے نشانات پائے گئے تھے اور وہ اپنی مالکن کی حکم عدولی کر کے اس کے گھر آنے سے پہلے ہی مقتول کے گھر سے نکل گئی تھی۔"

"آئی او صاحب!" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سنسنی خیز لہجے میں دریافت کیا۔ "کیا آپ پوری دیانتداری کے ساتھ مجھے ایک بات بتائیں گے؟"

"وکیل صاحب! میں نے ابھی تک معزز عدالت کے روبرو جو کچھ بھی کہا ہے اس میں دیانتداری کو ایک لمحے کیلئے بھی نظرانداز نہیں کیا۔" وہ قدرے ناراضی سے بولا۔ "پوچھیں، آپ کو مجھ سے کون سی بات پوچھنا ہے جو میری نظر میں سچ ہوگا میں ضرور بتاؤں گا۔"

"یہ جو معاشرے کے نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ ہوتے ہیں مثلاً مزدور، محنتی، جفاکش اور سخت کام کرنے والے یا گھروں میں کام کرنے والی نوکرانیاں وغیرہ......" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "آپ کے خیال میں ان کی کھوپڑی میں دماغ نہیں ہوتا؟"

"میں سمجھا نہیں، آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں......" وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔ "اپنی بات کی وضاحت کریں گے؟"

"میرا مطلب ہے، کیا یہ لوگ آپ کی نظر میں عقل سے پیدل ہوتے ہیں۔" میں نے اپنے لہجے کی سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ "ان میں اور ایک گدھے میں کوئی فرق نظر نہیں آتا آپ کو......؟"

جج نے اپنے ہاتھ میں موجود قلم سے سامنے پھیلے ہوئے کاغذات پر چند سطریں گھسیٹیں اور دوبارہ ہماری جانب متوجہ ہوگیا۔

آئی او نے میرے سوال کے جواب میں کہا۔ "میں تو ایسا نہیں سمجھتا جناب! جب اللہ نے ان کے سر کے اوپر کھوپڑی بنائی ہے تو یقیناً اس کے اندر دماغ بھی رکھا ہے اور یہ بھی معاشرے کے دوسرے یعنی بالائی طبقوں کے مانند سوچتے اور سمجھتے ہیں بلکہ بعض معاملات میں تو ان کا دماغ کچھ زیادہ ہی چلتا ہے۔"

"دماغ کے استعمال اور سمجھ بوجھ کے حوالے سے ملزمہ وحیدہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"وہی خیال ہے جس کا میں آپ کے پہلے سوال کے جواب میں اظہار کر چکا ہوں۔" وہ خاصے اطمینان کے ساتھ بولا۔

''یعنی ملزمہ بھی ایک سمجھدار اور باشعور انسان ہے۔'' میں نے معتدل انداز میں کہا۔ ''اسے ''الو کی پٹھی'' کہنا درست نہیں ہوگا؟''

''ایسے الفاظ کا استعمال تو کسی بھی شخص کیلئے مناسب نہیں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''لیکن اس سے ملزمہ کے جرم کی سنگینی کم یا ختم نہیں ہو جاتی......''

''ٹھیک ہے' ہم جرم اور اس کی سنگینی کی طرف آ جاتے ہیں۔'' میں نے مصلحت آمیز انداز میں کہا۔ ''میری مؤکل پر اشتیاق بیگ کو قتل کرنے کا الزام ہے اور آپ یہ بھی مانتے ہیں کہ وہ کوئی ڈفر یا الو کی پٹھی نہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ......'' میں نے ڈرامائی انداز میں توقف کر کے حاضرین عدالت پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی' پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''پھر کیا وجہ ہے کہ اس نے (استغاثہ کے مطابق) اشتیاق بیگ کو قتل کرنے کے بعد آلہ قتل کو اسی کے بیڈ کے نیچے پھینک دیا۔ آپ کو وہ خطرناک تیز دھار چھری مقتول کے بیڈ کے نیچے ہی سے ملی تھی نا؟''

''جی ہاں......وہیں سے ملی تھی۔'' آئی او نے پریشان لہجے میں جواب دیا۔

''وہ اگر چاہتی تو اس چھری کو کسی جگہ بھی چھپا سکتی تھی جہاں سے آسانی سے ڈھونڈی نہ جا سکتی۔'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔ ''وہ آلہ قتل کو گھر سے باہر کسی کچرا دان میں بھی پھینک سکتی تھی۔ اس نے اپنے سنگین جرم کے سب سے بڑے ثبوت کو مقتول کے بیڈ کے نیچے کیوں ڈال دیا تھا؟ یہ تو وہی بات ہوئی کہ......آ بیل مجھے مار!''

''آپ کا سوال یقیناً بہت اہم ہے۔'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں سمجھتا ہوں' ملزمہ نے بوکھلاہٹ اور پریشانی میں آلہ قتل کو بیڈ کے نیچے پھینک دیا ہوگا۔ اشتیاق بیگ کے قتل کے بعد اس پر وحشت اور دہشت سی طاری ہو گئی ہوگی اور وہ چھری کو وہیں چھوڑ کر جلد از جلد بنگلے سے فرار ہو گئی ہوگی۔''

''وحشت زدہ یا دہشت زدہ یا بوکھلایا ہوا پریشان شخص پہلی فرصت میں کسی پرسکون جگہ پر بیٹھ کر اپنے حواس کو مجتمع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔'' میں نے آئی او کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے خاصے زہریلے انداز میں کہا۔ ''جبکہ ملزمہ کا ریکارڈ اس کے برعکس گواہی دیتا ہے۔''

''کیا مطلب؟'' وہ متذبذب انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔

''آپ کے مطابق......'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولنا شروع کیا۔ ''ملزمہ

اشتیاق بیگ کے قتل کے بعد اس قدر بوکھلا گئی تھی اور دہشت زدہ ہوگئی تھی کہ پریشانی اور وحشت میں آلۂ قتل کو مقتول کے بیڈ کے نیچے ہی پھینک کر گھر سے فرار ہوگئی تھی جبکہ واقعات کے مطابق وہ اپنے مقررہ وقت پر فیاض شیخ کے گھر پہنچی تھی اور پورے دو گھنٹے اس نے شیخ صاحب کے گھر میں معمول کے مطابق پرسکون انداز میں کام کیا تھا۔ اس امر کی گواہی فیاض شیخ کی بیوی امینہ دے سکتی ہے۔ میں اس سلسلے میں امینہ سے ملاقات کر چکا ہوں۔ اگر معزز عدالت کا حکم ہوگا تو میں اپنی مؤکل کی بے گناہی ثابت کرنے کیلئے مسز فیاض شیخ امینہ بیگم کو عدالت تک لانے کا فرض پورا کرسکتا ہوں۔ امینہ ایک غصہ ور اور سخت گیر عورت ہے۔ وہ تو عام حالات میں ملزمہ کے کام میں سے کافی عیب نکالتی رہتی تھیں' کجا یہ کہ بوکھلاہٹ آمیز انداز میں کام کرتے ہوئے دیکھ کر وہ خاموش کیسے رہ سکتی تھیں۔ ایک عورت جس نے پانچ منٹ پہلے کسی شخص کا گلا کاٹ کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا ہو وہ صبر وسکون کے ساتھ پورے دو گھنٹے کسی گھر میں اپنے معمول کے کام کو کس طرح انجام دے سکتی ہے۔ یہ تو انسانی فطرت اور نفسیات ہی کے خلاف ہے آئی او صاحب......''

تفتیشی افسر صفدر علی میرے اس بھرپور منطقی اٹیک پر بغلیں جھانکنے لگا۔ اسے دیکھ کر مجھے وکیل استغاثہ کی یاد آگئی۔ میں اس قسم کے دھواں دھار حملے وکیل استغاثہ پر کیا کرتا تھا لیکن ابھی تک اس کیس میں وکیل استغاثہ کی باری نہیں آئی تھی جس طرح آئی او سے جرح کے جواب میں یہ کیس اور اس کیس کے معاملات پرت در پرت کھلتے چلے جا رہے تھے اور کیس تیزی سے اپنے اختتام کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے تو یہی محسوس ہو رہا تھا کہ وکیل استغاثہ کو بہت کم ''زحمت'' اٹھانا پڑے گی۔

''آئی او صاحب!'' میں نے سوالات کے سلسلے کو سمیٹتے ہوئے کہا۔ ''میری مؤکل پر اشتیاق بیگ کو قتل کرنے کے علاوہ بھی دو الزامات ہیں۔ نمبر ایک دس ہزار نقدی کی چوری' نمبر دو چالیس ہزار کے طلائی زیورات کی چوری...... میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟''

''نہیں جناب! آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

''آپ نے جب ملزمہ کو اس کے گھر سے گرفتار کیا تو خانہ اور جامہ تلاشی بھی لی ہوگی۔'' میں نے کہا۔ ''کیا آپ یہ رقم اور طلائی زیورات برآمد کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے؟''

''نہیں جناب۔'' اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''ہم نے ملزمہ کے گھر کا کونا کونا چھان مارا تھا لیکن مال مسروقہ اور نقدی کہیں سے برآمد نہیں ہو سکی۔''

''ریمانڈ کی مدت کے دوران آپ نے ملزمہ کی زبان کھلوانے کیلئے کڑی تفتیش بھی کی تھی۔'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔ ''دس ہزار نقدی اور طلائی زیورات کے بارے میں کچھ پتا چلا آپ کو؟''

اس نے ایک بار پھر نفی میں گردن ہلا دی۔ اب اس کے چہرے پر وہ پہلے والی تازگی اور بشاشت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ خاصا تھکا ہوا نظر آنے لگا تھا۔ میں وقفے وقفے سے جج کی طرف بھی دیکھ رہا تھا۔ جب بھی میں آئی او کے سامنے کوئی خاص نکتہ اٹھاتا اور آئی او اس کا جواب دیتا تو جج اپنے پاس کچھ نوٹ کر لیتا تھا' یعنی وہ اہم پوائنٹس اپنے پاس جمع کر رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میری جرح خاصی سودمند ثابت ہو رہی تھی۔

''آئی او صاحب!'' میں دوبارہ تفتیشی افسر کی جانب متوجہ ہو گیا۔ ''آپ کے خیال میں دس ہزار نقدی اور چالیس ہزار کے طلائی زیورات مقتول اشتیاق بیگ کے تکیے کے نیچے رکھے ہوئے تھے؟''

''یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں وکیل صاحب!'' وہ برہمی سے بولا۔ ''نقدی اور زیورات بھلا کون تکیے کے نیچے رکھتا ہے......؟''

''آپ کی تفتیش اور استغاثہ کی رپورٹ سے تو یہی لگتا ہے۔'' میں نے چوٹ کی۔

''کیا مطلب......؟''

''بھئی......میری مؤکل نے استغاثہ کے مطابق اشتیاق بیگ کی گردن پر چھری پھیری' تکیے کے نیچے سے دس ہزار نقدی اور چالیس ہزار کے طلائی زیورات نکالے اور چلتی بنی......'' میں نے طنز کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''آپ بھی کمال کرتے ہیں وکیل صاحب۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ ''استغاثہ کی رپورٹ میں یہ کہاں لکھا ہے کہ دس ہزار کی نقدی اور طلائی زیورات مقتول کے تکیے کے نیچے رکھے تھے؟''

''آبجیکشن یور آنر......!'' وکیل استغاثہ نے اپنی موجودگی کے اظہار کیلئے نعرۂ مستانہ بلند کیا۔ ''وکیل صفائی حد سے بڑھتے جا رہے ہیں۔''

جج نے گہری سنجیدگی سے وکیل استغاثہ کی جانب دیکھا' پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔ "وکیل صاحب! آپ کو کس بات پر اعتراض ہے؟"

"جناب عالی! آج اس کیس کی پہلی باقاعدہ سماعت ہے۔" وہ بڑے مضبوط لہجے میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "اور وکیل صفائی آدھے پون گھنٹے سے آئی او صاحب کو پکڑے کھڑے ہیں۔ کام کی کوئی بات نہیں ہو رہی اور محض...... عدالت کا قیمتی وقت برباد کیا جا رہا ہے اور اب تو انہوں نے حد ہی کر دی ہے......" وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر امداد طلب نظر سے جج کو تکنے لگا۔

جج نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔ مطلب یہی تھا کہ میں وکیل استغاثہ کے اعتراض کا جواب دوں۔

میں نے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور روئے سخن جج کی سمت پھیرتے ہوئے نہایت ہی ادب واحترام کے ساتھ بولنا شروع کیا۔

"جناب عالی! میں سمجھتا ہوں کہ میں نے اب تک انکوائری آفیسر صفدر پر جرح کے دوران میں ایک لحہ بھی ضائع نہیں کیا لہٰذا عدالت کے قیمتی وقت کے برباد ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر وکیل استغاثہ کے اعتراض کو ایک سیکنڈ کیلئے درست بھی مان لیا جائے تو پھر سر! آپ نے اس جرح کے دوران میں زیر سماعت کیس کے حوالے سے اپنے پاس جو اہم پوائنٹس نوٹ کئے ہیں انہیں بھی بیکار اور فضول سمجھتے ہوئے کاٹ دینا ہی مناسب ہوگا اور...... مجھے یقین ہے سر' آپ ایسا نہیں کریں گے......"

میں نے ڈرامائی انداز میں توقف کر کے وکیل استغاثہ اور تفتیشی افسر سمیت حاضرین عدالت پر ایک سرسری نظر ڈالی' پھر دوبارہ جج کی طرف دیکھتے ہوئے سلسلہ کلام جاری رکھا۔ اب میرے انداز میں ایک خاص قسم کا جذباتی رنگ بھی شامل ہو گیا تھا۔

"جناب عالی! اگر میں نے پچھلے تیس چالیس منٹ تک عدالت کا قیمتی وقت برباد کرنے کی غرض سے جھک ماری ہے تو میں اپنے اس فعل پر انتہائی شرمندہ اور معذرت خواہ ہوں...... دیٹس آل یور آنر۔"

"اب آپ کیا فرماتے ہیں وکیل صاحب؟" جج نے وکیل استغاثہ سے پوچھا۔

"میں کیا کہوں جناب عالی!" وہ بلا سوچے سمجھے بول گیا۔ "جب میرے فاضل دوست

نے خود ہی اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا ہے تو پھر کچھ کہنے کی گنجائش ہی کہاں باقی رہ جاتی ہے......"

جج نے قدرے ناگواری سے کہا۔"وکیل صاحب! آپ کے فاضل دوست اور اس کیس کے ڈیفنس کونسلر مسٹر بیگ نے اپنی کسی غلطی کا اعتراف نہیں کیا بلکہ ان کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر ان کے اٹھائے ہوئے نکتے عدالت کی نظر میں بے معنی اور لغو ہیں تو وہ اپنی جرح کو موقوف کرنے پر تیار ہیں......"

وکیل استغاثہ خاموش اور الجھن زدہ انداز میں جج کو دیکھتا چلا گیا۔ جج نے مزید کہا۔ اس کا مخاطب صد فیصد وکیل استغاثہ ہی تھا۔

"اگر آپ کی بات کو درست مان کر یہ عدالت وکیل صفائی کو مزید سوالات سے روک دے تو پھر آپ کو ان تمام امور کی وضاحت کرنا ہوگی' چاہے یہ نکات بے معنی ہیں یا بامعنی؟"

"یور آنر! وکیل صفائی کے اس سوال کو معزز عدالت کس خانے میں فٹ کرے گی جو انہوں نے سب سے آخر میں تفتیشی افسر سے پوچھا ہے......" وکیل استغاثہ نے شاکی لہجے میں کہا۔

"یعنی مقتول کے تکیے اور نقدی وزیورات والا سوال؟"

"یس یور آنر......!" وہ قدرے جوشیلے لہجے میں بولا۔"معزز عدالت بخوبی اندازہ لگا سکتی ہے کہ زیر سماعت کیس کی عدالتی کارروائی کے دوران میں ایسے بچگانہ سوال کی کیا تک بنتی ہے......؟"

"ایسے بچگانہ سوال کی کیا تک بنتی ہے۔" جج نے زیر لب دہرایا' پھر مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔"بیگ صاحب! وکیل استغاثہ کے اس سوال کا جواب آپ کو دینا ہے۔"

"ضرور جناب......" میں نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا۔"اگر معزز عدالت مجھے جرح جاری رکھنے کی اجازت مرحمت فرمائے تو میں اپنے فاضل دوست کے اعتراضات کا بڑا مدلل اور شافی جواب دینے کیلئے بیقرار ہوں۔"

جج نے گھمبیر انداز میں کہا۔"مسٹر بیگ! پلیز پروسیڈ......"

میں بڑے چاؤ کے ساتھ اس کیس کے انکوائری آفیسر سب انسپکٹر صفدر علی کی طرف متوجہ ہوگیا۔"آئی او صاحب!" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اسے مخاطب کیا۔"تو آپ کو

اس بات کا یقین ہے کہ چوری ہونے والے چالیس ہزار کے طلائی زیورات اور دس ہزار نقدی مقتول کے تکیے کے نیچے نہیں رکھے تھے؟"

"جی بالکل نہیں!" وہ پوری قطعیت سے بولا۔

"پھر ان دونوں چیزوں کو کہاں سے چرایا گیا؟"

"الماری کے اندر سے۔"

"کون سی الماری؟" میرے سوالات میں تیزی آتی گئی۔

"مقتول کی بیوہ نرگس کی الماری میں سے۔" اس نے جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔"کیا مذکورہ الماری بھی مقتول کے بیڈ روم میں رکھی ہوئی تھی؟"

"نہیں۔" اس نے بڑی شدت سے نفی میں گردن ہلائی۔" دونوں میاں بیوی کے بیڈ روم الگ الگ تھے۔ جس الماری میں سے نقدی اور طلائی زیورات چرائے گئے وہ نرگس کے بیڈ روم میں رکھی تھی۔"

"آپ نے یقیناً اس بیڈ روم اور خصوصی طور پر اس الماری کا بھی معائنہ کیا ہوگا جہاں سے زیورات اور نقدی چرائی گئی تھی؟"

"جی ہاں...... یہ تو میرا فرض تھا۔" اس نے بڑے فخر سے بتایا۔

"آپ کا اس سے زیادہ بڑا ایک اور فرض بھی تھا۔" میں نے اسے طنزیہ انداز سے گھورا۔" کیا آپ نے وہ فرض بھی پورا کیا تھا؟"

"کون سا فرض؟" وہ پریشانی سے مجھے دیکھنے لگا۔

"مذکورہ الماری سے فنگر پرنٹس اٹھانا" میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔" اور ان فنگر پرنٹس کا ملزمہ کے فنگر پرنٹس سے موازنہ کرنا......"

"یہ کام ہم نے کیا تھا......" وہ کمزوری سی آواز میں بولا۔

"لیکن افسوس کہ اس الماری پر سے ملزمہ کی انگلیوں کے نشانات نہیں مل سکے تھے۔" میں نے بدستور اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔" میں غلط تو نہیں کہہ رہا آئی او صاحب......؟"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" وہ شکست خوردہ انداز میں بولا۔" اس الماری کے کسی حصے پر ملزمہ کی انگلیوں کے نشانات نہیں پائے گئے تھے۔"

''یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے۔'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''آلہ قتل پر سے تو ملزمہ کے فنگر پرنٹس مل جاتے ہیں مگر الماری کے کسی حصے خصوصاً اس کے ہینڈل پر فنگر پرنٹس موجود نہیں ہیں؟''

''کیا کہا جا سکتا ہے۔'' وہ جاہلانہ انداز میں بولا۔ ''ہوسکتا ہے' ملزم نے پہلے نقدی اور زیورات چرائے ہوں اور الماری پر سے اپنی انگلیوں کے نشانات صاف کرنے کا اسے ہوش نہ رہا ہو اور وہ چھری کو وہیں بیڈ کے نیچے پھینک کر بنگلے سے فرار ہوگئی ہو۔''

''ہونے کو تو بہت کچھ ہوسکتا ہے آئی او صاحب!'' میں نے سلگتے ہوئے انداز میں کہا۔ ''لیکن جو کچھ آپ فرما رہے ہیں وہ عقل سے باہر ہے۔ خیر......'' میں نے تھوڑی دیر رک کر ایک آسودہ سانس لی پھر خاصی سنجیدگی سے پوچھا۔

''آئی او صاحب! ملزمہ ریمانڈ کی مدت کے دوران میں لگ بھگ ایک ہفتہ آپ کی کسٹڈی میں رہی ہے۔ آپ نے اسے اٹھتے بیٹھتے' کھاتے پیتے' سوتے جاگتے اور مختلف اشیاء کو استعمال کرتے ہوئے دیکھا ہوگا......؟''

''جی ہاں' بار بار دیکھا تھا......'' وہ متذبذب انداز میں مجھے تکنے لگا۔

''آپ نے اسے کس ہاتھ کا پایا تھا؟''

''میں سمجھا نہیں......'' اس کی الجھن دوچند ہوگئی۔

''مطلب یہ کہ ملزمہ کس ہاتھ سے کام کرنے کی عادی ہے؟'' میں نے فوراً وضاحت کردی۔

''دائیں ہاتھ سے۔'' وہ بڑے وثوق سے بولا۔ ''جیسا کہ عموماً لوگ کہتے ہیں......رائٹ ہینڈڈ!''

''آئیں ذرا' مقتول کے بیڈروم میں چلتے ہیں......'' میں نے کہا۔

''جی......؟'' وہ حیرت سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے بولا۔

''آپ پریشان نہ ہوں آئی او صاحب!'' میں نے تسلی آمیز انداز میں کہا۔ ''ہم عدالتی کارروائی کو ادھورا چھوڑ کر مقتول کے بیڈروم یعنی جائے وقوعہ پر نہیں جارہے بلکہ اس کمرے کا ذکر شیئر کریں گے۔''

وہ ایک بوجھل سانس خارج کر کے رہ گیا۔

''آئی او صاحب!'' میں نے دھیمے انداز میں اسے گھسنے کی کوشش کی۔''آپ نے جائے وقوعہ کا نقشہ تیار کرتے ہوئے چھوٹی سے چھوٹی چیز کا بھی بڑی توجہ اور غور سے جائزہ لیا ہوگا؟''

اس نے اثبات میں جواب دیا۔ میں نے کہا۔''میں نے بھی اپنے ذرائع کی مدد سے اس بیڈ روم کا ایک نقشہ بنایا ہے۔ میں کچھ تفصیلات آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ آپ تصدیق کیجئے گا کہ میں غلط ہوں یا صحیح......!''

''ٹھیک ہے۔'' وہ آمادگی ظاہر کرتے ہوئے بولا۔

''وہ بارہ ضرب بارہ فٹ کا ایک کشادہ بیڈ روم ہے؟''

''درست......!''

''کمرے میں داخل ہونے کا راستہ مغربی دیوار سے ہے۔''

''جی ہاں' ایسا ہی ہے۔''

''کمرے کی جنوبی دیوار کے ساتھ مقتول کا بیڈ اس طرح بچھا ہوا ہے کہ بیڈ کا سرہانہ مشرقی دیوار کو ٹچ کرتا ہے۔'' میں نے کہا۔''یعنی مشرقی اور جنوبی دیوار کے اتصال سے وجود پانے والے کونے پر بیڈ کا قبضہ ہے۔''

''بالکل درست فرمایا آپ نے۔'' اس نے جواب دیا۔

میں سوالات کے زاویے تبدیل کر کے رفتہ رفتہ اسے اپنے جال میں پھانسنے کی سعی میں مصروف تھا اور آئی او بے خبری میں میری کھینچی ہوئی لکیر پر دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہا تھا۔

''بیڈ اپنے سائز میں چھ فٹ لمبا اور پانچ فٹ چوڑا ہے۔'' میں نے کہا۔

اس نے ایک بار پھر اثبات میں جواب دیا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ......'' میں نے اپنے ''کام'' کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''سرہانے کی طرف سے مشرقی دیوار پانچ فٹ اور سائیڈ سے جنوبی دیوار چھ فٹ بیڈ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے؟''

جی ہاں...... بیڈ اور دیواروں کی یہی صورتحال ہے۔''

''مقتول کی شہ رگ کاٹ کر اسے موت کے حوالے کیا گیا۔'' میں نے کہا۔''اور بوقت

موت وہ بیڈ پر سویا ہوا تھا یعنی اس کا سر مشرقی دیوار کی جانب اور پاؤں مغربی دیوار کی سمت تھے۔ اگر چہ اس رخ پر سونا مذہبی طور پر اچھا نہیں سمجھا جاتا لیکن یہاں پر شریعت کی بات نہیں ہو رہی۔ آپ صرف اتنا بتائیں کہ میں نے مقتول کے لیٹنے کے حوالے سے جو تفصیلات بتائی ہیں، وہ کہاں تک درست ہیں؟"

"آپ نے بالکل درست نقشہ کھینچا ہے۔" وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "مقتول اسی پوزیشن میں اپنے بیڈ پر مردہ پایا گیا تھا۔"

"پھر تو آپ اس بات سے بھی اتفاق کریں گے کہ قاتل نے جنوبی اور مشرقی سمت سے مقتول پر حملہ نہیں کیا تھا؟" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"بالکل اتفاق کروں گا۔" وہ جلدی سے بولا۔ "جن دو سمتوں کا آپ نے ذکر کیا ہے، ادھر سے تو بیڈ دیواروں کے ساتھ چپکا ہوا ہے۔"

"اور مغربی جانب سے بھی اس نوعیت کا قاتلانہ حملہ ممکن نظر نہیں آتا......؟"

"جی ہاں......وہاں سے مقتول کی گردن اتنی دور پڑتی کہ اس پر چھری چلانا ناممکن تھا۔" اس نے کہا۔ "پھر قاتل کو اتنی مشکل میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اس نے سیدھا سیدھا شمالی جانب سے حملہ کیا ہوگا جدھر سے مقتول اپنے بیڈ پر چڑھتا اور اترتا تھا۔"

"اللہ آپ کا بھلا کرے آئی او صاحب!" میں نے بڑی رسان سے کہا۔ "میرا بھی یہی خیال ہے......"

وہ ایسی نظر سے مجھے تکنے لگا جیسے یہ اندازہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہو کہ میں اس قسم کے اوٹ پٹانگ سوالات پوچھ کر کیا حاصل کرنے کی سعی میں لگا ہوں۔ میں نے اسے زیادہ دیر تک سوچوں میں گم نہیں رہنے دیا۔

"آئی او صاحب!" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "آپ نے مقتول کی کٹی ہوئی گردن کا تو بڑی باریک بینی سے جائزہ لیا ہوگا؟"

"جی ہاں...... یہ تو بہت ضروری تھا۔"

"کٹ کا اینگل تو آپ کو یاد ہوگا؟"

"جی بالکل یاد ہے۔" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

میں اس حوالے سے اپنے مختلف ذرائع استعمال کر کے بڑی تفصیلی اور مصدقہ معلومات

حاصل کر چکا تھا۔ گویا مقتول کی کٹی ہوئی گردن کا ہر زاویہ اور ہر منظر میرے تصور کی نگاہ میں محفوظ تھا اور یہی اس کیس کا وہ اہم رخ تھا جس سے ماہرانہ انداز میں کھیلتے ہوئے مجھے اپنی مؤکل اور اس کیس کی ملزمہ کو بے گناہ ثابت کرنا تھا۔

''بالکل یاد ہے......'' میں نے پرسوچ انداز میں آئی او کے الفاظ دہرائے اور قدرے بلند آواز میں کہا۔ ''آپ ذرا اس کٹ کی وضاحت کر دیں جس سے واضح ہو جائے کہ مقتول کی گردن چھری کے مہلک وار سے کہاں سے کہاں تک متاثر ہوئی تھی؟''

''دیکھیں جناب......'' وہ دونوں ہاتھوں کو اپنی گردن کے ساتھ مصروف کرتے ہوئے بتانے لگا۔ ''وہ خوفناک کٹ......'' اس نے انگشت شہادت کو اپنے دائیں کان کی لو کے نیچے چہرے کی ہڈی کے پاس رکھتے ہوئے کہا۔ ''یہاں سے شروع ہوا تھا اور......'' پھر وہ اسی انگلی کو بائیں کندھے پر گردن کی جڑ کے قریب لے گیا اور ایک جگہ ٹھہراتے ہوئے بولا۔ ''یہاں تک گیا تھا......''

''اوہ......!'' میں نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔ ''یہ تو خاصا لمبا چوڑا اور خطرناک کٹ تھا اور...... شہ رگ بے چاری اس کٹ کے سینٹر میں آتی ہے۔ اسے تو کٹنا ہی تھا۔''

''جی ہاں' ایسا ہی ہوا تھا۔'' اس نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ ''جبھی تو مقتول موت کے منہ میں چلا گیا تھا۔''

میں نے کہا۔ ''آئی او صاحب! میں ایک تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ میرا ساتھ دیں گے؟''

''کیسا تجربہ......؟''

''آپ ساتھ دینے کا وعدہ کریں تو بتاؤں۔''

''ٹھیک ہے...... میں تیار ہوں۔''

اس مقصد کیلئے میں پوری تیاری کے ساتھ عدالت میں پہنچا تھا۔ میں نے اپنی فائل میں سے ایک تہ شدہ پوسٹر نکالا اور اس کی تہیں کھول ڈالیں۔ اس پوسٹر پر ایک عورت چت لیٹی گہری نیند سو رہی تھی۔ یعنی وہ کسی سوئی ہوئی عورت کی قدم آدم تصویر کا پوسٹر تھا۔ میں نے مذکورہ پوسٹر کو ایک میز پر پھیلا دیا پھر اپنے بریف کیس میں سے پھل کاٹنے والی ایک چھری نکال کر آئی او کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''جناب! سمجھ لیں کہ یہ ایک عورت سوئی ہوئی ہے۔'' میں نے پوسٹر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔''آپ اس کے پہلو میں کھڑے ہو کر اس کی گردن کاٹیں گے' بالکل ویسے ہی جیسے قاتل نے مقتول اشتیاق بیگ کی گردن کاٹ کر اسے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔''

وہ لمحاتی ہچکچاہٹ کے بعد اس عجیب وغریب تجربے کیلئے راضی ہو گیا۔ جج گہری دلچسپی سے دیکھ رہا تھا کہ میں کون سا شعبدہ دکھانے والا ہوں۔ وکیل استغاثہ کی حالت سب سے جدا تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہونے جا رہا ہے۔ وہ بے چارہ تو جج کے انہماک کے پیش نظر ''آبجیکشن یور آنر'' کا نعرہ لگانے کی بھی پوزیشن میں نہیں تھا۔ عدالت کے کمرے میں موجود افراد کو گویا سانپ نے سونگھ گیا تھا۔ سب کی نظریں تفتیشی افسر اور مجھ پر لگی ہوئی تھیں۔

آئی او نے ڈیمو دینے سے پہلے ایک مرتبہ پھر متذبذب نظر سے مجھے دیکھا۔ میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے اشارہ کیا کہ...... چڑھ جا بیٹا سولی پر'رام بھلی کرے گا۔

آئی او نے اس سوئی ہوئی عورت کی گردن کاٹ ڈالی۔ چھری کا ایک لمبا کٹ پوسٹر پر نمایاں ہو گیا جو مذکورہ ''عورت'' کے بائیں کان سے دائیں کندھے کی سمت تھا یعنی کندھے سے شروع ہو کر کان کی طرف گیا تھا۔

''یہ آپ نے کیا کر دیا آئی او صاحب......؟' میں نے جلدی سے کہا۔

''کیوں......کیا ہو گیا؟'' وہ بوکھلا کر میری جانب دیکھنے لگا۔

میں نے کہا۔''مقتول اشتیاق بیگ کی کٹی ہوئی گردن پر کٹ کا اینگل یہ تو نہیں تھا۔''

وہ الجھن زدہ انداز میں پوسٹر کو تکنے لگا۔

''آئی او صاحب! میں نے ایک ایک لفظ پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔''اشتیاق بیگ کی گردن کا کٹ دائیں کندھے سے شروع ہو کر بائیں کان کے نیچے تک چلا گیا تھا جبکہ آپ کا لگایا ہوا کٹ بائیں کندھے سے شروع ہو کر دائیں کان تک گیا ہے۔ یہ تو بالکل الٹا معاملہ ہو گیا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''آپ کہہ تو ٹھیک ہی رہے ہیں......'' وہ تذبذب بھرے انداز میں کبھی عورت کی تصویر کو اور کبھی اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔

''پھر......؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اسے گھورا۔

''شاید میرا ہاتھ صحیح نہیں پڑ رہا......'' وہ بڑبڑاہٹ آمیز انداز میں بولا۔'' اسی لئے کٹ کا زاویہ بدل گیا ہے۔''

''ہاتھ صحیح نہیں پڑ رہا تو ہاتھ کو بدل کر دیکھیں۔'' میں نے اسے ٹپ دی۔

اس نے میکانکی انداز میں چھری کو دائیں ہاتھ سے بائیں میں منتقل کیا۔ میری بات اس کی سمجھ میں بیٹھ گئی تھی۔ پھر اس نے بائیں ہاتھ کی مدد سے عورت کی گردن کاٹنے والا عمل دہرایا تو وہ ہو بہو ویسا کٹ لگا جیسے مقتول کی گردن پر پایا گیا تھا۔

آئی او سنسنی خیز نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے کہا۔'' کچھ آیا سمجھ میں جناب کی......؟''

''یہی سمجھ میں آیا کہ......'' وہ ہیجان آمیز سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔'' قاتل نے الٹے ہاتھ سے چھری کا استعمال کرتے ہوئے اشتیاق بیگ کی گردن کاٹ کر اسے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔''

''یعنی قاتل لیفٹ ہینڈڈ ہے۔'' میں نے تصدیق طلب نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہر کام بائیں ہاتھ سے کرنے کا عادی......؟''

''جی...... جی بالکل!'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''آپ تھوڑی دیر پہلے اس امر کی بھی تصدیق کر چکے ہیں کہ اس کیس کی ملزمہ اور میری مؤکل وحیدہ دائیں ہاتھ سے کام کرنے کی عادی ہے یعنی وہ رائٹ ہینڈڈ ہے...... ہیں نا؟''

''جی ہاں......'' اس نے کمزور سی آواز میں جواب دیا۔ اس کے ساتھ ہی عدالت کا مقررہ وقت ختم ہو گیا۔

☆......☆......☆

گزشتہ پیشی پر میں نے اس کیس کے انکوائری آفیسر سب انسپکٹر صفدر علی پر خاصی طویل اور معنی خیز جرح کی تھی جس سے کافی مثبت اور مفید نتائج برآمد ہوئے تھے۔ میں اپنی کارکردگی کو تسلی بخش اور حوصلہ افزا کہہ سکتا تھا۔ میں ایک نہایت ہی اہم نکتہ عدالت کے علم میں لانے میں کامیاب رہا تھا کہ اشتیاق بیگ کو جس بھی شخص نے قتل کیا وہ بائیں ہاتھ سے کام کرنے کا عادی تھا یعنی وہ لیفٹ ہینڈڈ تھا جبکہ آئی او نے اس امر کی تصدیق کی تھی کہ میری مؤکل اور اس کیس کی ملزمہ وحیدہ رائٹ ہینڈڈ تھی۔

اس پیشی پر استغاثہ کی جانب سے تین گواہ پیش کیے گئے جن میں صرف ایک کا بیان قابل ذکر اور اہمیت کا حامل ہے۔ میں یہاں پر اسی گواہ کا احوال بیان کروں گا۔

مقتول کے بنگلے کے عین سامنے جو بنگلہ واقع تھا اس کے چوکیدار نے وقوعہ کے روز ملزمہ کو اپنے بنگلے سے نکلتے دیکھا تھا یعنی مقتول کے بنگلے سے۔ مذکورہ چوکیدار نما ملازم کا نام افضل خان تھا۔ افضل خان کی عمر پینتیس کے آس پاس رہی ہوگی۔ وہ درمیانے قد کا مالک اور عام شکل وصورت والا شخص تھا۔ افضل خان نے سچ بولنے کا حلف اٹھانے کے بعد اپنا بیان ریکارڈ کرایا۔ اس کے بعد وکیل استغاثہ نے اس سے سوال وجواب کا سلسلہ شروع کر دیا۔

"افضل خان! تم نے وقوعہ کے روز جس عورت کو مقتول کے بنگلے سے نکلتے دیکھا تھا کیا وہ یہی ہے؟" بات کے اختتام پر وکیل نے ملزمہ سے اکیوزڈ باکس میں کھڑی میری مؤکل کی جانب اشارہ بھی کر دیا۔

"جی جی...... بالکل یہی تھی۔" گواہ نے جواب دیا۔

"ذرا سوچ کر بتاؤ یہ کتنے بجے کا واقعہ ہے؟" وکیل استغاثہ نے استفسار کیا۔

"ساڑھے دس بجے کا۔" گواہ نے بڑے اعتماد سے بتایا۔

مجھے یہ سمجھ لینے میں کوئی وقت محسوس نہیں ہوئی کہ گواہ ایک رٹا ہوا بیان دے رہا تھا۔ پوسٹمارٹم رپورٹ کے مطابق مقتول اشتیاق بیگ کی موت دس اور بارہ بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی گواہ کے ساڑھے دس بجے والے بیان سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ ملزمہ اپنے مالک کو قتل کرنے کے بعد بنگلے سے نکلی تھی۔

"تم نے ملزمہ کے انداز میں کوئی خاص بات نوٹ کی؟" وکیل استغاثہ نے پوچھا۔

"جی......" اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور بولا۔ "اس نے باہر آ کر گیٹ کو بند کیا اور کنڈی بھی لگا دی۔"

"یعنی گیٹ کو باہر سے کنڈی لگا دی؟" وکیل استغاثہ نے تصدیق طلب نظر سے افضل خان کی طرف دیکھا۔

"جی بالکل...... باہر سے کنڈی لگا دی۔" گواہ نے بڑے وثوق سے جواب دیا۔ "مجھے اس کی اس حرکت پر حیرت ہوئی تھی۔"

"کیا تم نے اس سے یہ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ وہ گیٹ کو باہر سے کنڈی

کیوں لگا کر جا رہی ہے؟'' وکیل استغاثہ نے پوچھا۔

''میرے دل میں تو آیا تھا کہ اس سے پوچھوں لیکن اس نے اتنا موقع ہی نہیں دیا......''

''موقع نہیں دیا...... کیا مطلب؟'' وکیل استغاثہ نے سنسنی خیز انداز میں استفسار کیا۔

''جناب! اس اللہ کی بندی نے جلدی سے گیٹ بند کر کے باہر سے کنڈی لگائی اور اس سے پہلے کہ میں اسے آواز دے کر روکتا اور کوئی سوال کرتا' یہ آناً فاناً میری نگاہ سے غائب ہوگئی......''

''نگاہ سے غائب ہوگئی......'' وکیل استغاثہ اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔'' تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ملزمہ نے کوئی جادوئی عمل کیا تھا؟''

''نن...... نہیں جناب۔'' وہ جلدی سے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔'' میرا مطلب یہ تھا کہ یہ تقریباً بھاگنے والے انداز میں تیز تیز چلتے ہوئے وہاں سے رخصت ہوگئی تھی جیسے...... جیسے......''

''کیا جیسے؟'' وکیل استغاثہ نے لقمہ دیا۔'' تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟''

''جیسے اسے ڈر ہو کہ اگر یہ ایک لمحہ بھی وہاں ٹھہری تو کوئی اسے پکڑ لے گا۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔'' یہ بہت گھبرائی ہوئی تھی۔''

''مجھے گواہ سے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی!'' وکیل استغاثہ نے جج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا پھر فاتحانہ انداز میں میری جانب تکنے لگا۔

میں وکیل استغاثہ کے اس انداز کی تہ میں چھپے ہوئے فاتحانہ جذبات کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ وہ گواہ کی زبان سے یہ کہلوا کر بہت خوش تھا کہ وقوعہ کے روز جب ملزمہ مقتول کے بنگلے سے رخصت ہوئی تو بے حد گھبرائی ہوئی تھی جیسے اسے ڈر ہو کہ کوئی اسے پکڑ نہ لے' یعنی...... وہ کوئی ایسا کارنامہ انجام دے کر بنگلے سے نکلی تھی جس کے نتیجے میں گرفتاری کا اندیشہ ہو۔

میں اپنی باری پر ڈنس باکس کے قریب آ گیا' پھر استغاثہ کے گواہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اپنی جرح کا آغاز کیا۔

''افضل خان! تم نے جھوٹی گواہی دینے کیلئے کتنی رقم وصول کی ہے؟''

''یہ...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں......'' اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

''آبجیکشن یورآنر۔'' وکیل استغاثہ نے فوراً ٹانگ اڑا دی۔''میرے فاضل دوست' استغاثہ کے معزز گواہ پر الزام لگا رہے ہیں۔ دس از ناٹ فیئر۔''

جج نے مجھے ہدایت کی کہ میں متعلقہ امور کو مدنظر رکھتے ہوئے گواہ سے سوال کروں۔ میں نے نہایت ہی فرمانبرداری سے سر کو اثباتی جنبش دی اور گواہ کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

''افضل خان! تھوڑی دیر پہلے تم نے وکیل استغاثہ کے ایک سوال کے جواب میں بتایا ہے کہ وقوعہ کے روز جب تم نے گھبرائے ہوئے انداز میں ملزمہ کو مقتول کے بنگلے سے نکلتے دیکھا اس وقت دوپہر کے بارہ بجے تھے۔''

یہ بات میں نے گواہ کو چکر دینے کیلئے کہی تھی۔ میں نے افضل خان کے حوالے سے کافی ہوم ورک کر رکھا تھا اور اسے جکڑنے کیلئے ایک نادیدہ جال بھی اس کے اوپر پھینک چکا تھا۔

میرے سوال کے جواب میں وہ ترت بولا۔''میں نے تو ایسا کچھ بھی نہیں کہا......''

''پھر تم نے کیا بتایا تھا؟'' میں نے بہت معصومیت سے پوچھا۔

''میں نے تو کہا تھا کہ اس وقت ساڑھے دس بجے تھے۔''

''فکس ساڑھے دس؟'' میں نے ٹھوس لہجے میں پوچھا۔

''جی بالکل۔'' اس نے جواب دیا۔

''کیا تم وقت کا درست اندازہ لگانے کے ماہر ہو یا تم نے گھڑی میں وقت دیکھا تھا جو اتنے وثوق سے بتا رہے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''میں نے گھڑی میں وقت دیکھا تھا۔'' اس نے بتایا۔

''اوکے......تمہاری گھڑی کا وقت تو درست ہے نا؟''

''اس نے اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

میں نے اپنی فائلوں میں سے چند کاغذات نکال کر جج کی جانب بڑھا دیئے۔ جج نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا تو میں نے کہا۔

''جناب عالی! یہ وقوعہ کے روز یعنی 20 جنوری کا مقتول کے ٹیلیفون کا کال ریکارڈ ہے۔ اس ریکارڈ کے مطابق مذکورہ نمبر پر دن کے پہلے حصے میں' پہلے ساڑھے نو بجے اور پھر

پونے گیارہ بجے کال آئی تھی۔ ان دونوں کالز کی گزشتہ پیشیوں پر وضاحت کی جا چکی ہے لیکن میں ایک مرتبہ پھر مختصر ذکر کروں گا......" لمحاتی توقف کرکے میں نے ایک گہری سانس لی پھر سلسلہ بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ساڑھے نو بجے کسی کا فون آتا ہے۔ مقتول کی بیوہ نرگس فون اٹینڈ کرتی ہے اور ملزمہ کو بتاتی ہے کہ کسی میڈیکل سٹور والے کا فون ہے۔ اس کے بعد نرگس بنگلے سے رخصت ہو جاتی ہے۔ پھر دس پینتالیس یعنی پونے گیارہ بجے اسی نمبر پر ملزمہ نرگس کی کال ریسیو کرتی ہے اور نرگس اسے بتاتی ہے کہ وہ دس پندرہ منٹ میں واپس آ جائے گی۔ اگر وہ مزید چند منٹ لیٹ ہو جائے تو ملزمہ اپنے وقت پر یعنی ٹھیک گیارہ بجے چلی جائے۔ ملزمہ نے اپنی مالکن کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے گیارہ بج کر پانچ منٹ پر بنگلہ چھوڑا اور گیٹ کو باہر سے کنڈی لگا کر فیاض شیخ کے گھر کی جانب روانہ ہو گئی' لیکن......" میں نے ایک مرتبہ پھر ڈرامائی انداز میں توقف کیا پھر استغاثہ کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن...... افضل خان کا دعویٰ ہے کہ اس نے ملزمہ کو ٹھیک ساڑھے دس بجے بنگلے سے گھبرائے ہوئے انداز میں نکلتے' گیٹ کو باہر سے کنڈی لگاتے اور وہاں سے فرار ہوتے دیکھا تھا جبکہ حالات و واقعات اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ افضل خان کے بتائے ہوئے وقت پر ملزمہ مقتول کے بنگلے کے اندر موجود تھی اور کم از کم پونے گیارہ بجے تک وہ بنگلے ہی میں موجود تھی کیونکہ ٹھیک پونے گیارہ بجے نرگس اور ملزمہ کی فون پر بات ہوئی تھی۔"

جج نے گھور کر افضل خان کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "تم نے غلط بیانی سے کیوں کام لیا۔ کیا تمہیں پتا ہے اس دروغ گوئی پر تمہارے خلاف تعزیری کارروائی بھی ہو سکتی ہے؟"

"مجھے معاف کر دیں جناب۔" وہ گھبرائے ہوئے انداز میں بولا۔ "ہو سکتا ہے اس دن میری گھڑی میں کوئی خرابی ہو گئی ہو۔ اگر مجھے پتا ہوتا کہ ساڑھے دس بجے ملزمہ بنگلے کے اندر موجود تھی اور پونے گیارہ بجے اس کی نرگس سے فون پر بات بھی ہوئی تھی تو میں ایسا بیان نہ دیتا۔"

"بیگ صاحب! پلیز پروسیڈ۔" جج نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"افضل خان!" میں اپنے کام سے لگ گیا۔ "تم نے وکیل استغاثہ کے ایک سوال کے جواب میں بتایا ہے کہ ملزمہ نے تمہیں بات کرنے کا موقع فراہم نہیں کیا تھا ورنہ تم اس سے

بہت کچھ کہنے والے تھے۔"

"جی' میں نے یہی کہا ہے۔" وہ قدرے سنبھلتے ہوئے بولا۔" میں اس کی گھبراہٹ اور پریشانی کا سبب جاننا چاہتا تھا۔"

"تم جسے میری غلط فہمی کہہ رہے ہو نا' وہ ایک سفاک حقیقت ہے اور اس حقیقت کے نصف درجن گواہ بھی ہیں جن میں تمہاری گلی کے کونے پر واقع جنرل سٹور کا مالک ظہیرالدین اور اس کے برابر میں موجود پان فروش شاکر بھی شامل ہے...... آئی سمجھ...... یا پہلی بھی چلی گئی؟"

وہ پریشان ہو کر ادھر ادھر تکنے لگا۔ جج نے مجھ سے پوچھا۔

"بیگ صاحب! یہ غلط فہمی والا کیا معاملہ ہے؟"

"جناب عالی!" میں نے کھنکھار کر گلا صاف کیا پھر بڑی کراری آواز میں بولنا شروع کیا۔" استغاثہ کا معزز گواہ افضل خان کافی عرصے سے ملزمہ پر" نگاہ" رکھے ہوئے تھا اور میری معلومات کے مطابق یہ کوئی اچھی نگاہ نہیں تھی۔ میری معلومات کی تصدیق کیلئے جنرل سٹور کے مالک ظہیرالدین اور پان فروش شاکر کو عدالت میں بلایا جا سکتا ہے۔ یہ دونوں افراد اس شرمناک واقعہ کے عینی شاہد ہیں جب نصف درجن افراد نے افضل خان کی درگت بنائی تھی اور وہ بھی بیچ چوراہے پر......" میں نے سانس ہموار کرنے کیلئے توقف کیا پھر اپنی بات کو دراز کرتے ہوئے مزید کہا۔

"جیسا کہ میں نے بتایا گواہ ملزمہ پر کافی عرصے سے بری نظر رکھے ہوئے تھا۔ جب بھی اسے موقع ملتا یہ ملزمہ سے بات کرنے کی کوشش کرتا۔ ایسی ہی ایک نازیبا کوشش گواہ کو بہت مہنگی پڑ گئی۔ جب گلی کے کونے پر گواہ نے ملزمہ کو زبردستی روکنے کی کوشش کی۔ ملزمہ نے اس کے منہ پر زناٹے دار طمانچہ رسید کیا تو آس پاس موجود افراد ان کی جانب متوجہ ہو گئے پھر اس سرعام بدتمیزی پر" عوام" نے افضل خان کی خوب خاطر تواضع کر ڈالی تھی اور اب......" میں نے لمحاتی توقف کر کے حاضرین عدالت پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی پھر جج کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی بات مکمل کر دی۔

"اور اب...... یعنی وقوعہ کے روز جب افضل خان نے دیکھا کہ ملزمہ کو اشتیاق بیگ کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا ہے تو یہ اپنی اس دن والی بے عزتی کا ملزمہ سے بدلہ لینے

کیلئے اس نوعیت کا بیان دینے کیلئے تیار ہو گیا جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ وقوعہ کے روز ملزمہ کچھ اس قدر گھبرائے ہوئے انداز میں مقتول کے بنگلے سے رخصت ہوئی تھی جیسے وہ اشتیاق بیگ کو قتل کر کے فرار ہو رہی ہو۔"

میں خاموش ہوا تو عدالت کے کمرے میں موجود افراد کی سرگوشیاں ایک مخصوص نوعیت کی بھنبھناہٹ کی صورت میں ابھرنے لگیں۔ لوگوں کی اکثریت ناپسندیدہ نظروں سے استغاثہ کے گواہ افضل خان کو دیکھ رہی تھی' چہ مگوئیاں بھی کر رہی تھی۔

جج نے "آرڈر...... آرڈر" کی صدا بلند کر کے عدالت کے کمرے میں مخصوص سکون کو قائم کیا اور خاصے سخت الفاظ میں گواہ افضل خان کو سرزنش کی۔ اس کے بعد وہ میری جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

"بیگ صاحب! آپ کو گواہ سے اور تو کچھ نہیں پوچھنا؟"

"نہیں جناب عالی!" میں نے نہایت ہی مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا۔ "استغاثہ کے معزز گواہ کی بدنیتی اور دروغ گوئی عدالت کے ریکارڈ پر آ چکی ہے۔ مجھے افضل خان سے مزید کچھ نہیں پوچھنا' البتہ...... عدالت سے میری ایک چھوٹی سی درخواست ہے۔"

"کیسی درخواست؟" جج نے مجھ سے استفسار کیا۔

"فیاض شیخ کی بیوی امینہ اس وقت عدالت کے کمرے کے باہر موجود ہے۔" میں نے بڑی رسان سے جواب دیا۔ "میں نے امینہ کو صفائی کے گواہ کی حیثیت سے بلایا ہے۔ اس کی گواہی ہو جائے تو میری مؤکل کی بے گناہی مزید ثابت ہو جائے گی۔ میں معزز عدالت کی اجازت سے امینہ بیگم کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" جج نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

امینہ' فیاض شیخ کی بیوی بہت موٹی اور غصہ ور عورت تھی۔ فیاض شیخ بھی اس کے سامنے بھیگا بلا ہی نظر آتا تھا۔ ملزمہ نے مجھے بتایا تھا کہ وہ ذرا ذرا سی بات پر آپے سے باہر ہو جاتی تھی اور اسے ڈانٹ ڈپٹ کیا کرتی تھی۔ میرے شماریات کے مطابق امینہ کی گواہی میری مؤکل کیلئے کافی سودمند ثابت ہونے والی تھی۔

امینہ نے سچ بولنے کا حلف اٹھانے کے بعد اپنا بیان ریکارڈ کرا دیا تو میں مختصری جرح کیلئے وٹنس باکس کے قریب چلا گیا۔

''امینہ جی......!'' میں نے انگلی سے اکیوزڈ باکس میں موجود اس کیس کی ملزمہ وحیدہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔ ''کیا آپ اس عورت کو جانتی ہیں؟''

''جی بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''کچھ عرصہ پہلے یہ میرے گھر میں کام کر چکی ہے۔''

''پھر اس نے آپ کے گھر کا کام کیوں چھوڑ دیا؟'' میں نے پوچھا۔

''اس نے کام چھوڑا نہیں بلکہ یہ قتل کے کیس میں گرفتار ہو گئی۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''اس لئے یہ میرے گھر میں کام کرنے نہیں آ سکی۔''

''کیا آپ کو لگتا ہے کہ اس بے چاری نے اپنے مالک اشتیاق بیگ کو قتل کیا ہوگا؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''یہ تو اللہ کو پتا ہوگا یا پھر آپ جیسے قانون دانوں کو۔'' وہ قدرے بیزاری سے بولی۔ ''میں کیا جانوں!''

''اوکے......'' میں نے مصلحت آمیز انداز میں گردن ہلائی۔ ''آپ اتنا تو جانتی ہوں گی کہ ملزمہ کس کردار کی مالک ہے؟''

''میں آپ کا سوال سمجھ نہیں پائی۔'' اس نے الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھا۔

''میرا مطلب ہے یہ اپنے اخلاق اور برتاؤ میں کیسی ہے۔'' میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''اس میں چوری چکاری کی عادت تو نہیں ہے؟''

''جی بالکل نہیں۔'' وہ قطعیت سے بولی۔ ''مجھے مر کر اپنی قبر میں جانا ہے اور خود کو حساب دینا ہے اس لئے میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔ اس عورت نے میرے گھر سے کبھی کوئی معمولی سی چیز بھی نہیں چرائی۔ یہ اپنے کام سے کام رکھنے والی ماسی ہے اور اپنا کام جان مار کر بڑی محنت سے کرتی ہے۔''

''اس کے باوجود بھی اسے آپ کی ڈانٹ ڈپٹ سننا پڑتی ہے۔'' میں نے قدرے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''نہیں......آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''ڈانٹ ڈپٹ بہت ضروری ہے۔ اس سے انسان کا دماغ درست رہتا ہے۔''

''میری معلومات کے مطابق' ملزمہ روزانہ دوپہر گیارہ بجے سے ایک بجے تک آپ کے

گھر کام کرنے آیا کرتی تھی۔" میں نے اصل نکتے کی طرف آتے ہوئے کہا۔" کیا وقوعہ کے روز بھی یہ اپنے وقت پر ہی آئی تھی؟"

"جی نہیں۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔" یہ عموماً گیارہ بج کر پانچ منٹ پر آ جایا کرتی تھی لیکن اس روز یہ تقریباً پانچ چھ منٹ لیٹ آئی تھی لہٰذا میں نے اسے چھٹی بھی لیٹ ہی دی تھی۔"

"اوہ......" میں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔" تو وقوعہ کے روز آپ نے اسے دیر سے چھوڑا تھا؟"

"زیادہ دیر سے نہیں۔" وہ جلدی سے بولی۔" یہ پانچ چھ منٹ لیٹ آئی تھی۔ میں نے اسے دس منٹ لیٹ چھوڑا۔ یہ ایک بج کر دس منٹ پر میرے گھر سے نکلی تھی۔"

"امینہ جی! ایک نہایت ہی اہم سوال کر رہا ہوں۔ ذرا سوچ کر جواب دیجئے گا۔" میں نے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

وہ ہمہ تن گوش ہوگئی۔ میں نے اضافہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"وقوعہ کے روز یعنی 20 جنوری کو ملزمہ نے دوپہر گیارہ دس سے ایک دس تک آپ کے گھر میں کام کیا۔ کیا آپ نے اس کے انداز میں کوئی خاص تبدیلی محسوس کی؟"

"کس قسم کی تبدیلی؟" اس نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔

"مثلاً کسی نوعیت کی بے چینی' اضطراب' پریشانی' بوکھلاہٹ یا گھبراہٹ......؟"

"نہیں' میں نے اس میں ایسی کوئی بات نوٹ نہیں کی۔" اس نے پروثوق انداز میں کہا۔ "اس نے معمول کے مطابق کام کیا اور چلی گئی۔"

"معزز عدالت کے سامنے حقیقت بیانی کا بہت شکریہ۔" میں نے امینہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا' پھر جج کی جانب رخ پھیر کر ان الفاظ میں اضافہ کر دیا۔

"مجھے گواہ سے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی!"

اس کے ساتھ ہی عدالت کا مقررہ وقت ختم ہوگیا۔ جج نے پندرہ روز بعد کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کرنے کا اعلان کر دیا۔

"دی کورٹ از ایڈجارنڈ......!"

☆......☆......☆

منظر اسی عدالت کا تھا اور وٹنس باکس میں اس کیس کی سب سے اہم گواہ یعنی مدعی نرگس کھڑی تھی۔ گزشتہ بیس جنوری کو نرگس کے شوہر اشتیاق بیگ کو بڑی بے دردی سے قتل کر دیا گیا تھا لیکن نرگس کے بناؤ سنگھار اور پہناوے سے لگتا نہیں تھا کہ وہ بیوہ ہو۔

وکیل استغاثہ اپنا ''کام'' مکمل کر چکا تو میں جرح کیلئے نرگس والے کٹہرے کے نزدیک چلا گیا' پھر اس کے چہرے پر نگاہ جما کر ہمدردی بھرے لہجے میں کہا۔

''نرگس صاحبہ! مجھے اس بات کا سخت افسوس ہے کہ کچھ عرصہ قبل آپ کے شوہر کو قتل کر دیا گیا۔ میں آپ کے دکھ درد میں برابر کا شریک ہوں مگر یہ کارروائی بھی ضروری ہے۔''

''کوئی بات نہیں۔'' وہ سپاٹ آواز میں بولی۔

''جب یہ کیس عدالت میں لگا ہوا ہے تو پھر یہ سب تو ہونا ہے۔ آپ اپنا کام شروع کریں۔''

''نرگس صاحبہ! کیا یہ درست ہے کہ وقوعہ کے روز یعنی 20 جنوری کی صبح آپ کو اچانک گھر سے باہر جانا پڑ گیا تھا۔ ایک فون آیا تھا اور......''

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

''جی یہ درست ہے۔ وہ ایک میڈیکل سٹور والے کا فون تھا۔ ڈاکٹر نے میرے شوہر کو جو ادویات لکھ کر دی تھیں ان میں ایک گولی اکثر مارکیٹ سے شارٹ رہتی تھی اور اسے تلاش کرنے میں مجھے کافی دشواری ہوا کرتی تھی۔ میں نے اس میڈیکل سٹور والے سے کہہ رکھا تھا کہ جب بھی اس کے سٹور پر یہ گولی آئے تو وہ فوراً مجھے اطلاع دے۔''

''تو یہ ٹیلیفونک اطلاع اسی سلسلے میں تھی؟'' میں نے پوچھا۔

''جی...... جی ہاں۔' اس نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

میں نے اپنی فائلوں کے پاس رکھی ایک کتاب کو اٹھا کر نرگس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ فیض احمد فیض صاحب کی شاعری کا مجموعہ ہے۔ کیا آپ نے یہ کتاب پڑھ رکھی ہے؟''

اس نے عجیب سی الجھن بھری نظر سے مجھے دیکھا اور لمحاتی تذبذب کے بعد وہ کتاب میرے ہاتھ سے لے کر سرسری انداز میں اس کا جائزہ لینے کے بعد مجھے واپس کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں...... میں نے یہ کتاب نہیں پڑھی۔''

''کوئی بات نہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر انسان نے ہر کتاب پڑھ رکھی ہو۔'' میں نے مذکورہ کتاب اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا' پھر سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ان الفاظ میں اضافہ کیا۔

''اگر میری معلومات غلط نہیں ہیں تو آپ کی رہائش نارتھ ناظم آباد کے علاقے میں ہے۔ آپ دوسوگز کے ایک عالیشان بنگلے میں رہتی ہیں جو دو بیڈ روم ایک ڈرائنگ روم' ایک ٹی وی لاؤنج اور خوبصورت لان پر مشتمل ہے۔''

''آپ کی معلومات بالکل درست ہیں۔'' وہ میرے پھیلائے ہوئے جال میں قدم رکھتے ہوئے بولی۔ ''یوں محسوس ہوتا ہے آپ نے میرے بنگلے کا وزٹ کر رکھا ہے۔''

''ابھی تک تو نہیں کیا......'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''لیکن اگر ضرورت محسوس ہوئی تو آئندہ پیشی سے پہلے یہ نیک کام بھی کرنا پڑے گا۔ اینی ہاؤ......'' میں نے لحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی' پھر سلسلہ سوالات کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''جس شخص نے وقوعہ کے روز آپ کو کسی مخصوص ٹیبلٹ کے بارے میں فون کیا تھا' اس کا سٹور بھی نارتھ ناظم آباد ہی میں ہے۔''

''جی!'' اس نے مختصر جواب دینے پر اکتفا کیا۔

''نارتھ ناظم آباد کراچی کا خاصا وسیع وعریض علاقہ ہے۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''کیا مذکورہ میڈیکل سٹور آپ کے گھر کے نزدیک ہی ہے یا کچھ فاصلے پر؟''

''نہ زیادہ دور نہ زیادہ نزدیک۔'' اس نے جواب دیا۔ ''دس سے پندرہ منٹ کا فاصلہ ہوگا۔''

''دس سے پندرہ منٹ۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''پیدل یا کار میں؟''

''جی پیدل...... مطلب واکنگ ڈسٹینس ہے۔'' اس نے بتایا۔

''اوکے...... مگر آپ تو وقوعہ کے روز اپنی گاڑی لے کر گھر سے نکلی تھیں؟''

''جی' آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''مجھے ایک دو کام اور بھی تھے لہٰذا گاڑی ضروری تھی۔''

"وقوعہ کے روز آپ نے پہلے وہ اہم دوا حاصل کی تھی یا پہلے وہ دوسرے ایک دو کام نمٹائے تھے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ظاہر ہے' میں نے پہلے وہ دوا حاصل کی تھی۔" اس نے بڑی رسان سے جواب دیا۔

"دوسرے کام تو کسی وقت بھی کیے جا سکتے تھے۔"

"نرگس صاحبہ! کیا آپ معزز عدالت کو اس میڈیکل سٹور والے شخص کا نام بتانا پسند کریں گی جس نے وقوعہ کے روز فون کر کے آپ کو اس دوا کی دستیابی کی اطلاع دی تھی۔"

"کیوں......" وہ بدکے ہوئے انداز میں بولی۔ "اس کے نام کی کیا ضرورت ہے؟"

"آبجیکشن یور آنر۔" وکیل استغاثہ نے احتجاجی لہجے میں کہا۔ "ڈیفنس استغاثہ کی معزز گواہ کو خواہ مخواہ ہراساں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"اٹ از ناٹ فیئر" میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا' پھر جج کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی! میری صورت ایسی خوفناک ہے' نہ میں نے ہاتھ میں آتشیں اسلحہ اٹھا رکھا ہے اور نہ ہی میں نے ابھی تک کوئی جارحانہ دھمکی آمیز الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ پھر معزز گواہ کس چیز سے ہراساں ہو رہی ہیں۔ معزز عدالت سے میری درخواست ہے کہ مجھے اپنی جرح مکمل کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔"

جج نے نرگس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بی بی! آپ کو اس میڈیکل سٹور والے شخص کا نام بتانا ہوگا جس نے وقوعہ کے روز آپ کو فون کیا تھا۔ ہوسکتا ہے تمہارے بیان کی تصدیق کیلئے اسے عدالت میں طلب کرنے کی ضرورت پیش آ جائے۔"

"جی......فرحان۔" وہ جلدی سے بولی۔ "اس کا نام فرحان ہے۔"

"بیگ صاحب! پلیز پروسیڈ۔" جج نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نرگس صاحبہ! میری معلومات اور محکمہ ٹیلیفون کے ریکارڈ کے مطابق صبح ساڑھے نو بجے آپ کے گھر کے فون پر کسی کی کال آئی تھی۔ آپ نے بتایا کہ اس میڈیکل سٹور والے فرحان نے 20 جنوری یعنی وقوعہ کے روز ٹھیک ساڑھے نو بجے آپ کو اس مخصوص ٹیبلٹ کے بارے میں فون کر کے اطلاع دی تھی۔" میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔ "میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟"

"نہیں آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔" وہ تائیدی لہجے میں بولی۔

آپ اپنی گاڑی لے کر بنگلے سے نکلیں۔ سب سے پہلے آپ نے وہ ٹیبلٹس حاصل کیں پھر اپنے دوسرے کام نمٹانے چلی گئیں۔ ایسا ہی ہوا تھا نا؟"

"جی...... جی...... آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

"مذکورہ میڈیکل سٹور آپ کے بنگلے سے واکنگ ڈسٹینس پر ہے۔" میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کے بقول دس سے پندرہ منٹ کا فاصلہ...... گاڑی میں تو اور بھی کم وقت لگا ہوگا......؟"

"جی۔ میں پانچ چھ منٹ میں وہاں پہنچ گئی تھی۔"

"یعنی زیادہ سے زیادہ نو بج کر چالیس منٹ پر آپ نے وہ میڈیسن حاصل کر لی تھی؟" میں نے ٹٹولنے والے انداز میں سوال کیا۔

"جی بالکل......" اس نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"نرگس صاحبہ! ذرا سوچ کر بتائیں......" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر ڈرامائی انداز میں پوچھا۔ "20 جنوری کو کراچی میں سن رائز (طلوع آفتاب) صبح سات بج کر سترہ منٹ پر تھا اور سن سیٹ (غروب آفتاب) شام چھ بج کر چھ منٹ پر تھا۔"

"مگر...... میں کیا کروں......" وہ بکھری ہوئی آواز میں بولی۔ "آپ یہ سب مجھے کیوں بتا رہے ہیں......؟"

"اس لئے بتا رہا ہوں کہ مجھے آپ سے ایک نہایت ہی اہم سوال کرنا ہے۔" میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"کون سا اہم سوال؟" اس کے چہرے پر گھبراہٹ نمودار ہوئی۔

"20 جنوری کو صبح کراچی کے مشرقی افق پر صبح سات بج کر سترہ منٹ پر سورج طلوع ہوتا ہے اور ٹھیک دو گھنٹے تیرہ منٹ بعد یعنی ساڑھے نو بجے فرحان صاحب آپ کو فون کر کے ٹیبلٹ لے جانے کیلئے کہتے ہیں اور آپ نے ابھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ آپ نے نو بجکر چالیس منٹ پر وہ دوا حاصل کر لی تھی یعنی پونے دس بجے سے بھی پہلے......" میں نے تھوڑا توقف کر کے حاضرین عدالت پر ایک نگاہ ڈالی پھر استغاثہ کی گواہ سے استفسار کیا۔

"نرگس صاحبہ! آپ سے میرا سوال یہ ہے کہ کراچی کی ہسٹری میں یہی دیکھنے میں آیا ہے کہ میڈیکل سٹورز گیارہ بجے یا اس سے بھی کچھ بعد میں کھلتے ہیں۔ کیا فرحان صاحب کا

میڈیکل سٹور کراچی کی حدود سے باہر ہے یا وہ 20 جنوری کو علی الصبح اپنا سٹور کھول کر کراچی کی ہسٹری میں اپنا نام ذرا مختلف انداز میں لکھوانے کے متمنی تھے......؟''

''وہ......وہ جی......'' وہ بری طرح پریشان ہوگئی۔

''وہ جی اور یہ جی سے کام نہیں چلے گا۔'' میں نے وارننگ دینے والے انداز میں کہا۔ ''آپ جو بھی جواب دیں گی اس کی تصدیق کیلئے فرحان صاحب کو عدالت میں بلایا جائے گا۔''

وہ بے حد گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''وہ دراصل فرحان کا سٹور اس وقت بند تھا' اس نے اپنے گھر سے مجھے فون کیا تھا......''

اس کی آنکھیں اور چہرہ زبان کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ صاف دکھائی دے رہا تھا کہ وہ دروغ گوئی سے کام لے رہی تھی۔ میں نے اس پر چڑھائی کر دی۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے وہ میڈیسن فرحان کے میڈیکل سٹور سے نہیں بلکہ اس کے گھر سے جا کر حاصل کی تھی؟''

''جج......جی......'' وہ بس اتنا ہی کہہ پائی۔

''یہ ایمرجنسی عقل سے ماورا ہے۔'' میں نے سخت الفاظ میں کہا۔ ''خیر......فرحان کو تو عدالت میں طلب کرنا ناگزیر ہو ہی چکا ہے۔ کیونکہ تھوڑی دیر پہلے آپ بتا چکی ہیں کہ وقوعہ کے روز آپ نے وہ میڈیسن فرحان کے میڈیکل سٹور سے حاصل کی تھی۔ اب تو مجھے آپ کی اس بات پر بھی یقین نہیں رہا کہ یہ کتاب......''

میں دانستہ اپنی بات نامکمل چھوڑ کر فیض صاحب کے شعری مجموعے کی جانب بڑھا اور ایک مرتبہ پھر وہ کتاب نرگس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے پوچھا۔

''اچھی طرح سوچ کر بتائیں' یہ کتاب آپ نے پڑھ رکھی ہے یا نہیں؟''

''نہیں......بالکل نہیں۔'' وہ پوری قطعیت سے بولی۔

''اوکے۔'' میں نے ایک بار پھر وہ کتاب اس سے واپس لے کر چوبی میز پر رکھ دی' پھر استغاثہ کی سب سے اہم گواہ کے قریب پہنچ کر کہا۔ ''نرگس صاحبہ! وقوعہ کے روز آپ نے دس بجکر پینتالیس منٹ پر یعنی پونے گیارہ بجے...... اپنے بنگلے پر فون کر کے ملزمہ سے کہا تھا کہ آپ گھر کے قریب ہی کہیں موجود ہیں اور دس پندرہ منٹ بعد آپ پہنچ رہی ہیں؟''

"جی، میں نے یہی کہا تھا۔" اس نے ذرا سنبھل کر جواب دیا۔

"اور ملزمہ سے آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اپنے وقت پر یعنی ٹھیک گیارہ بجے چھٹی کر کے چلی جائے اور......"

"نہیں!" وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھی۔ "میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ میری واپسی تک بنگلے پر ہی رکے۔ میں دس پندرہ منٹ میں پہنچ رہی ہوں۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ملزمہ نے غلط بیانی سے کام لیا ہے؟" میں نے کہا۔

"جی ظاہر ہے۔" وہ بڑے اعتماد سے بولی۔

"پونے گیارہ بجے آپ اپنے بنگلے سے دس پندرہ منٹ کے فاصلے پر تھیں۔" میں نے چبھتے ہوئے انداز میں سوال کیا۔ "لیکن آپ کی واپسی ساڑھے بارہ بجے ہوتی ہے۔ کیا آپ معزز عدالت کو بتانا پسند کریں گی کہ آپ نے یہ پونے دو گھنٹے کہاں گزارے تھے؟"

"جب میں نے ملزمہ کو فون کیا اس وقت میں واقعی گھر سے دس پندرہ منٹ کے فاصلے پر ایک جگہ پر تھی۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ "لیکن پھر اچانک مجھے ایک کام یاد آ گیا۔ میں مطمئن تھی کہ میں نے ملزمہ کو گھر پر رکنے کیلئے کہہ دیا ہے۔"

"اوہ...... اگر ضروری سمجھا گیا تو آپ کے اس اچانک یاد آ جانے والے ضروری کام کی تفصیلات بھی طلب کر لی جائیں گی۔" میں نے سرسری انداز میں کہا' پھر پوچھا۔ "میری مؤکل اور اس کیس کی ملزمہ وحیدہ کے بیان کے مطابق آلہ قتل یعنی گوشت کاٹنے والی وہ تیز دھار چھری' جس سے آپ کے شوہر کو ذبح کیا گیا' چند روز پہلے وہ چھری کچن میں سے غائب ہو گئی تھی۔ آپ اس بارے میں کیا کہتی ہیں؟"

"ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔" وہ ناپسندیدہ نظر سے ملزمہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "یہ جھوٹ بول رہی ہے۔"

"اوکے...... جھوٹ اور سچ کا فیصلہ کرنے کیلئے ہی یہ عدالت لگی ہوئی ہے۔" میں نے سرسری انداز میں کہا۔ "اس عدالت میں ملزمہ پر دو کیس چل رہے ہیں۔ نمبر ون' اس نے آپ کے شوہر اشتیاق بیگ کو قتل کیا ہے۔ نمبر ٹو' اس نے آپ کی الماری میں سے دس ہزار نقدی اور لگ بھگ چالیس ہزار کے زیورات چرائے ہیں۔ کیا میں صحیح کہہ رہا ہوں؟"

"جی......" اس نے اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

"میں آپ کے بنگلے کے دو بیڈ رومز کی وقوع پذیری بیان کر رہا ہوں۔" میں نے کہا۔ "اگر میں کہیں غلطی پر ہوا تو ٹوک دیجئے گا اور ہاں......" میں نے ایک مرتبہ پھر چوبی میز پر سے فیض احمد فیض کا شعری مجموعہ اٹھالیا پھر اسے نرگس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جب تک میں اپنی بات مکمل کرتا ہوں' اس کتاب کو آپ پکڑے رکھیں اور یہ میرا آپ سے وعدہ ہے کہ اب آپ سے وہ سوال نہیں کروں گا جو پہلے دو بار کر چکا ہوں۔"

لمحاتی تذبذب کے بعد اس نے کتاب میرے ہاتھ سے لے لی۔ میں نے گہری سنجیدگی سے بولنا شروع کیا۔

"دونوں بیڈ رومز بنگلے کے پچھلے حصے میں بنے ہوئے ہیں۔ دونوں کا سائز بھی ایک جیسا ہی ہے یعنی بارہ بائی بارہ فٹ اور دونوں کے داخلی دروازے مغربی سمت میں ہیں۔"

"بالکل درست۔" اس نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔

میں نے اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "مقتول کا بیڈ اور وہ الماری جس میں سے نقدی اور زیورات چرائے گئے' یہ دونوں چیزیں دو مختلف بیڈ رومز میں ہیں۔ مقتول کا بیڈ اپنے کمرے کی جنوبی دیوار کے ساتھ اور آپ کی الماری آپ کے بیڈ روم کی شمالی دیوار کے ساتھ۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"نہیں جناب' آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" وہ حیرت سے آنکھیں جھپکاتے ہوئے بولی۔ "مجھے کیوں محسوس ہو رہا ہے جیسے آپ نے میرے گھر کا سروے کر رکھا ہو۔"

"وکیل کو اس نوعیت کی ساری معلومات رکھنا پڑتی ہیں۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "اور میرے خیال کے مطابق' مقتول اپنے کمرے میں بیڈ پر لیٹ کر آپ کے بیڈ روم کی الماری کو نہیں دیکھ سکتا تھا؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" وہ دوٹوک انداز میں بولی۔

"استغاثہ کے مطابق ملزمہ نے پہلے آپ کی الماری میں سے نقدی اور زیورات چرائے' اس کے بعد آپ کے شوہر کو قتل کر کے بنگلے سے روانہ ہوگئی۔" میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپ کیا کہتی ہیں؟"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ یہ دونوں کام ملزمہ نے میرے سامنے تھوڑی کئے ہیں۔" وہ ناگواری سے بولی۔ رپورٹ میں جو کچھ لکھا ہے' وہی درست ہے۔"

''استغاثہ کی رپورٹ کے مطابق پہلے ملزمہ نے نقدی اور زیورات چرائے پھر خود کو دیکھ لئے جانے کے خوف سے اس نے آپ کے شوہر کو قتل کر دیا' لیکن آپ اس امر کی تصدیق کر چکی ہیں کہ آپ کا شوہر اپنے بیڈ پر لیٹے لیٹے دوسرے بیڈ روم میں رکھی آپ کی الماری کو نہیں دیکھ سکتا لہٰذا بالفرض محال' اگر ملزم نے آپ کی الماری میں سے نقدی اور زیورات چرائے بھی تھے تو یہ عمل آپ کے شوہر کے علم میں آ ہی نہیں سکتا اور پھر......'' لحاتی توقف کر کے میں نے نرگس کے چہرے پر ابھرنے والے پریشانی کے تاثرات کا جائزہ لیا اور کہا۔

''اور پھر پوسٹمارٹم رپورٹ کہتی ہے کہ آپ کے شوہر کی موت نیند کے دوران ہوئی ہے یعنی اگر ملزمہ نے چوری کی تھی تو آپ کا شوہر کسی بھی قیمت پر اسے دیکھ نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ ناشتے والی دوا کے طفیل بے ہوشی کی حالت میں تھا۔''

''یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''اشتیاق کی ایک دوا ایسی ہے جس سے نیند آتی ہے۔''

''گویا استغاثہ کا بیان درست نہیں۔'' میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔''اگر ملزمہ نے نقدی اور زیورات چرا ہی لئے تھے تو اسے آپ کے شوہر کو قتل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی؟''

''مگر اس چھری پر ملزمہ کی انگلیوں کے نشانات ملے ہیں۔'' وہ ایک اہم نکتے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

''آپ اتنی بڑی حقیقت کو کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں؟''

''جیسے دوسری اتنی بڑی حقیقت کو استغاثہ نے نظر انداز کر دیا ہے۔'' میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا......مم......میرا مطلب ہے......آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں؟'' وہ جلدی سے سنبھلتے ہوئے بولی۔

''میرا مطلب صرف اتنا سا ہے کہ آپ کی الماری پر ملزمہ کے فنگر پرنٹس نہیں پائے گئے لیکن استغاثہ کو یقین ہے کہ نقدی اور زیورات اسی نے چرائے ہیں۔ دوسری جانب چھری پر ملزمہ کے فنگر پرنٹس پائے گئے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ یہ قتل میری مؤکل نے نہیں کیا......''

''پتا نہیں آپ کس قسم کی الجھی ہوئی باتیں کر رہے ہیں۔'' وہ بیزاری سے بولی۔''میری

تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"سب سمجھ میں آ جائے گا جب میں آپ کو یہ بتاؤں گا کہ آج عدالت میری مؤکل کو بے گناہ مان کر رہا کردے گی۔" میں نے یہ کہتے ہوئے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا اور زیرلب مسکراتے ہوئے یوں اضافہ کیا۔"لائیں' یہ کتاب مجھے دے دیں۔ اس کا کام ختم ہو چکا......"

اس کے چہرے پر الجھنوں کا جال سا پھیل گیا۔ شعری مجموعے کو میری جانب بڑھاتے ہوئے اس نے پوچھا۔"اس کتاب کا کیا کام تھا جو پورا ہو گیا اور عدالت کس بنا پر ملزمہ کو بری کردے گی؟"

"نرگس صاحبہ! میں آپ کے دونوں سوالوں کا جواب دوں گا۔" میں نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔"لیکن دوسرے سوال کا جواب پہلے اور پہلے سوال کا جواب بعد میں۔ آپ کو میری اس بے ترتیبی پر کوئی اعتراض تو نہیں؟"

"جی نہیں۔" وہ سپاٹ آواز میں بولی۔

میں نے کھنکھار کر گلا صاف کیا پھر کہا۔"عدالت آج میری مؤکل کو اس لئے بری کرے گی کہ وہ دائیں ہاتھ سے کام کرنے کی عادی یعنی رائٹ ہینڈڈ ہے جبکہ آپ کے شوہر کا قاتل بائیں ہاتھ سے کام کرنے کا عادی یعنی لیفٹ ہینڈڈ ہے اور...... اس امر کی تصدیق ایک پچھلی پیشی پر اس کیس کے انکوائری آفیسر نے بھی کی ہے۔"

"اوہ......" وہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی' پھر مضطرب نظر سے ادھر ادھر تکنے لگی۔

قبل اس کے کہ وکیل استغاثہ ہمارے بیچ کود پڑتا' میں نے نرگس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں نے فیض صاحب کے اس شعری مجموعے کا تین بار آپ سے "لین دین" کیا ہے صرف یہ چیک کرنے کیلئے کہ آپ کس ہاتھ سے کام کرنے کی عادی ہیں اور آپ نے ہر مرتبہ یہ ثابت کیا ہے کہ آپ لیفٹ ہینڈڈ ہیں لہٰذا اشتیاق بیگ کا قتل......"

"میں نے اشتیاق کو قتل نہیں کیا......" وہ پھٹی ہوئی آواز میں بولی۔"فرید غوری بھی تو لیفٹ ہینڈڈ ہے......"

"فرید غوری......"

میں نے کہیں بھی یہ نہیں کہا تھا کہ نرگس نے اپنے شوہر کو قتل کیا ہے لیکن وہ میری بات کو

خود پر لے گئی تھی اور اپنی سمت آنے والے تیر کو اس نے فرید غوری کی جانب پھیرنے کی کوشش کی تھی۔

"آ خاہ...... مقتول کا منیجر...... وہ وقوعہ کے روز اس وقت جائے واردات پر موجود تھا جب پولیس وہاں پہنچی......" میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔ "یہ شخص وہاں کیا کر رہا تھا......؟"

"م...... مجھے پتا نہیں...... یہ تو آپ اسی سے پوچھیں......" وہ کٹہرے سے باہر نکلتے ہوئے بولی۔ "مجھے جانے دیں......"

"ارے میڈم...... آپ کہاں جا رہی ہیں؟" میں نے نرگس کی طرف دیکھتے ہوئے اضطراری لہجے میں کہا۔ "آپ تو یہاں سے سیدھی جیل جائیں گی...... اپنے شوہر کے قتل کے الزام میں۔"

"میں نے اشتیاق کو قتل نہیں کیا۔" یہ کہتے ہوئے وہ دروازے کی جانب بڑھی۔

جج کے فوری حکم پر متعلقہ عدالتی عملے نے نرگس کو عدالت کے کمرے سے باہر جانے سے روک دیا۔ میں نے روئے سخن اس مقدمے کے منصف کی جانب پھیرتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی! جیسا کہ گزشتہ پیشی پر میں نے انکوائری آفیسر صفدر علی کی تصدیق سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچا دی تھی کہ اشتیاق بیگ کو کسی لیفٹ ہینڈڈ شخص نے موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ اس پیشی پر میں نے کوشش کر کے اس کیس سے متعلق افراد میں سے ایک لیفٹ ہینڈڈ شخصیت یعنی مقتول کی بیوہ نرگس صاحبہ کو ایکسپوز کر دیا ہے۔ انہی کی زبانی پتہ چلا ہے کہ مقتول کا منیجر فرید غوری بھی لیفٹ ہینڈڈ ہے۔ فرید غوری وقوعہ کے روز پولیس کی آمد کے وقت جائے واردات پر موجود پایا گیا ہے اور اس کی موجودگی کے حوالے سے نرگس کچھ بتانے پر تیار نہیں۔ لہٰذا......" میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک طویل گہری سانس لی پھر سلسلہ دلائل کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"لہٰذا معزز عدالت سے میری پرزور استدعا ہے کہ نرگس اور فرید غوری کو شامل تفتیش کرتے ہوئے استغاثہ کو نیا چالان پیش کرنے کی ہدایت کی جائے۔ یہ تو واضح ہو چکا کہ اشتیاق بیگ کو میری مؤکل وحیدہ نے قتل نہیں کیا۔ مجھے یقین ہے' نرگس اور فرید غوری پر اگر پولیس تھوڑی سی بھی "محنت" کرے تو ان کی یہ کوشش رائیگاں نہیں جائے گی...... دیٹس آل یور آنر!"

میرے متاثر کن دلائل اور منطقی انکشافات کی روشنی میں عدالت نے نرگس اور فرید غوری

کو فی الفور شامل تفتیش کرنے کے احکامات صادر کر دیئے۔

☆......☆......☆

آئندہ پیشی پر عدالت نے میری مؤکل وحیدہ کو باعزت بری کر دیا۔ میں اس کی بے گناہی ثابت کرنے میں کامیاب رہا تھا۔

نرگس اور فرید غوری جب پولیس کسٹڈی میں پہنچے تو اپنی جان بچانے کیلئے انہوں نے ایک دوسرے پر الزام لگانا شروع کر دیئے تاہم پولیس نے اپنے مخصوص ہتھکنڈے آزما کر انہیں سچ بولنے پر ''راضی'' کر ہی لیا' چنانچہ فرید غوری کو اقبال جرم کرنا ہی پڑا۔

واقعات کے مطابق نرگس اور فرید غوری میں ایک خاص قسم کی کھچڑی پک رہی تھی اور اشتیاق بیگ کی بیماری کے بعد تو ان کے معاملات کافی حد تک آگے بڑھ چکے تھے لہٰذا اپنے شوہر کو ٹھکانے لگانے کیلئے نرگس کی فرمائش پر فرید غوری نے ایک منصوبہ بنایا اور گھریلو ملازمہ وحیدہ کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلا دی۔

فرید غوری بہت ہی کائیاں اور چالاک شخص تھا۔ اس کے ریکارڈ سے پتا چلا کہ وہ پہلے بھی اسی نوعیت کی دو تین کامیاب وارداتیں کر چکا ہے لیکن اس کی اور نرگس کی بدقسمتی کہ یہ کیس میرے ہاتھ میں آ گیا تھا۔

فرید غوری بلاشبہ اپنے کام کا ماہر ایک کہنہ مشق کھلاڑی تھا مگر وہی بات کہ شاطر سے شاطر شخص کو بھی ایک روز اس کی عیاری لے ڈوبتی ہے۔ فرید غوری کو بھی منہ کی کھانا پڑی تھی......

☆......☆......☆

آخری کیل

وہ عورت اپنی وضع قطع اور پہناوے سے خاصی مہذب نظر آتی تھی۔ بعدازاں گفتگو پر پتا چلا کہ وہ تعلیم یافتہ اور شائستہ بھی ہے۔ وہ میرے چیمبر میں داخل ہو کر بیٹھ چکی تو میں اس کی جانب متوجہ ہو گیا اور پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ استفسار کیا۔ ''جی فرمائیں...... میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟''

میرا نام فوزیہ ہے۔'' وہ اپنا تعارف کراتے ہوئے بولی۔ ''اور میں ایک جذباتی مسئلے کیلئے آپ کے پاس حاضر ہوئی ہوں۔''

میں نے کاغذ قلم سنبھالتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''جی...... مجھے اپنے مسئلے کے بارے میں بتائیں؟''

''میں اپنے شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہوں......'' وہ بے حد مضبوط لہجے میں بولی۔

''ہوں......!'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ''تفصیلات کیا ہیں؟''

میرے سامنے بیٹھی ہوئی فوزیہ نامی وہ عورت خوش شکل اور جاذب نظر تھی تاہم اس وقت پریشانی اور تفکر نے پوری طرح اسے اپنے نرغے میں لے رکھا تھا۔ وہ ایک پڑھی لکھی اور باشعور عورت تھی۔ میرے محتاط اندازے کے مطابق وہ پینتیس کے آس پاس رہی ہوگی۔ بعد میں میرے اندازے کی تصدیق ہوگئی۔ اس کی عمر چھتیس سال تھی۔ میرے استفسار کے جواب میں اس نے کہا۔

''وکیل صاحب! تفصیلات بس اتنی سی ہیں کہ میں اب مزید اس شخص کے ساتھ وابستہ نہیں رہ سکتی۔ اس کا رویہ اور کردار میری برداشت سے باہر ہے۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ

رشتہ ختم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ آپ عدالت سے مجھے خلع دلوا دیں۔''

''خلع ..... !'' میں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ ''فوزیہ صاحبہ! آپ کی زبان سے ''خلع'' کا لفظ سن کر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آپ کا شوہر کسی بھی قیمت آپ کو طلاق دینے کیلئے تیار نہیں۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''نہیں وکیل صاحب! آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔'' وہ میرے اندازے کی تائید میں بولی۔ ''سفیان نہایت ہی کمینہ اور شیطانی ذہن کا مالک ہے۔''

''سفیان غالباً آپ کے شوہر کا نام ہے؟'' میں نے رف پیڈ پر قلم گھستے ہوئے کہا۔

اس نے اثبات میں گردن ہلائی' میں نے پوچھا۔

''آپ کا شوہر کرتا کیا ہے؟''

''سفیان کی ایک ایڈورٹائزنگ کمپنی ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''مارننگ اسٹار ایڈورٹائزرز اس کمپنی کا نام ہے جو کہ خوب چلتی ہے۔''

میں نے ''مارننگ سٹارز ایڈورٹائزرز'' کا نام سن رکھا تھا۔ یہ ایک معروف اور کامیاب ایڈورٹائزنگ کمپنی تھی۔ میں نے فوزیہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ کے شوہر کی کمپنی تو بہت اچھا بزنس کر رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں' آپ لوگوں کے ساتھ کوئی معاشی مسئلہ نہیں ہوگا' میں......''

''وکیل صاحب!'' وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول پڑی۔ ''پیسہ ہی تو سب کچھ نہیں ہوتا نا...... زندگی میں انسان کو اور بھی بہت سی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے جن میں سرفہرست محبت' اتفاق' اعتماد' عزت نفس ہیں۔''

''آپ نے میری بات مکمل نہیں ہونے دی۔'' میں نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ورنہ میں کچھ اور کہنے والا تھا۔''

وہ ندامت آمیز انداز میں مجھے تکنے لگی۔

''آپ نے انسانی زندگی کی جن بنیادی ضروریات کا ذکر کیا ہے' میں ان سے مکمل اتفاق کرتا ہوں۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ جب آپ اس شخص کے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہتیں بلکہ اس سے شدید نفرت کرتی ہیں تو وہ طلاق دے کر آپ کو فارغ کیوں نہیں کر دیتا۔ آپ کو اس شخص سے نجات پانے کیلئے عدالت سے کیوں

رجوع کرنا پڑ رہا ہے۔ کیا وہ مہر کی رقم بچانا چاہتا ہے یا پھر آپ کے برعکس' وہ اس رشتے کو چلانے کے حق میں ہے؟''

''اگر اس کو یہ رشتہ چلانے کا خیال ہوتا تو انسان بن جاتا۔'' وہ زہر خند لہجے میں بولی۔ ''سفیان کی اس وقت جو مالی حیثیت ہے اس کی روشنی میں مہر کی رقم کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی۔ وہ ایک لاکھ روپے میرے ہاتھ پر رکھ کر...... بآسانی مجھے اپنی زندگی سے نکال باہر کرسکتا ہے۔''

''پھر...... پھر مسئلہ کیا ہے؟'' میں نے سوالیہ نظر سے فوزیہ کی طرف دیکھا۔ ''جب آپ دونوں کو ایک دوسرے کی شکل سے نفرت ہے تو پھر سفیان کو طلاق دینے میں کون سی دقت محسوس ہو رہی ہے۔ کیا وہ جانتا ہے آپ اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتیں؟''

''جی ہاں' یہ بات میں بڑے واضح انداز میں اسے بتا چکی ہوں۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

''میں نے کئی مرتبہ اس سے طلاق کا مطالبہ بھی کیا ہے مگر وہ اس معاملے کو لٹکائے چلا آ رہا ہے۔ دراصل......''

وہ بولتے بولتے رکی تو میں نے فوراً پوچھ لیا۔ ''دراصل کیا؟''

''سفیان نے اس معاملے کو اپنی ضد اور انا کا مسئلہ بنا لیا ہے۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''وہ اس میں اپنی شکست محسوس کر رہا ہے۔ سفیان ایک ضدی' خودغرض اور انا پرست شخص ہے۔ وہ واضح الفاظ میں مجھے باور کرا چکا ہے کہ موت ہی مجھے اس کے چنگل سے نکال سکتی ہے۔ جیتے جی میں اس سے نجات حاصل نہیں کرسکتی' اسی لئے......'' لمحاتی توقف کرکے اس نے ایک گہری سانس لی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔

''اسی لئے میں سفیان جیسے عیاش اور بدقماش شخص کی قید سے نکلنے کیلئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے پر مجبور ہوئی ہوں۔''

میں نے ایک نہایت ہی اہم سوال کیا۔ ''فوزیہ صاحبہ! آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہوا ہے؟''

''لگ بھگ دس سال۔'' اس نے جواب دیا۔

''دس سال کا عرصہ ایک ساتھ گزارنے کے بعد آپ کو الگ ہونے کا خیال آیا ہے۔''

میں نے الجھن زدہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ ''میرا خیال ہے ایک دوسرے کو سمجھنے کیلئے شادی کے بعد کا پہلا سال کافی ہوتا ہے۔''

''وکیل صاحب!'' اس نے براہ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
''آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہوگیا ہے؟''

میں ایک لمحے کیلئے گڑبڑایا پھر سنبھل کر زیرلب مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''ابھی تک میں اس نعمت سے محروم ہوں......''

یہ واقعہ جس زمانے کا ہے اس وقت میں غیر شادی شدہ تھا۔

''تو پھر آپ اس رشتے کے نشیب وفراز کا اندازہ لگا سکتے ہیں اور نہ ہی اس کے پیچ وخم کو سمجھ سکتے ہیں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ ''ازدواجی زندگی بہت ہی عجیب اور پیچیدہ ہوتی ہے وکیل صاحب......'' اس نے لحاتی توقف کرکے ایک گہری سانس لی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''سفیان کی شخصیت پیاز کے مانند پرت در پرت کھلی ہے مجھ پر۔ وہ اتنا مکروہ اور بدذات شخص ہے کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتی۔ میں ہر قیمت پر اس کے نکاح سے نکلنا چاہتی ہوں۔ میرے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔''

''آپ کے بچے......'' میں نے ایک نہایت ہی نازک سوال کیا۔ ''آپ کے بچے کتنے ہیں......؟''

''صرف ایک......'' اس نے بتایا۔ ''میرا آٹھ سال کا ایک بیٹا ہے۔ اس کا نام نوید ہے......''

''ایک بات ذہن میں رکھیے گا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''خلع کا مقدمہ دائر کرنے کے بعد آپ اپنے شوہر کے ساتھ اس کے گھر میں نہیں رہ سکیں گی۔ اگرچہ یہ کوئی قانونی شرط نہیں ہے لیکن میرے خیال میں یہ قطعی مناسب ہوگا۔''

''میں آپ کی بات کو سمجھ سکتی ہوں۔'' وہ تفہیمی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''لیکن میری رہائش کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں جہاں ابھی رہ رہی ہوں' وہیں رہتی رہوں گی۔''

''کیا مطلب......!'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ''کیا آپ اس وقت سفیان کے ساتھ نہیں رہ رہیں؟''

''سفیان کے ساتھ تو میں کبھی بھی نہیں رہی۔'' وہ کرب ناک لہجے میں بولی۔'' بلکہ وہ مہینے میں دو تین بار میرے ساتھ رہنے آ جاتا ہے۔''

فوزیہ کے جواب نے مجھے بہت دور تک' بہت گہرائی تک سوچنے پر مجبور کر دیا۔ میرے پیہم اصرار نما استفسار پر اس نے بڑے دکھ بھرے انداز میں مجھے ایک حیرت انگیز کہانی سنائی۔

مارننگ سٹار ایڈورٹائزنگ کمپنی کے مالک سفیان کی فوزیہ کے ساتھ سیکنڈ میرج تھی۔ سفیان اپنی پہلی بیوی اور بچوں کے ساتھ ایک عالیشان بنگلے میں رہتا تھا جبکہ فوزیہ طارق روڈ کے کمرشل ایریا میں واقع دو کمروں کے ایک چھوٹے سے فلیٹ میں رہتی تھی۔ اس کے والد کا برسوں پہلے انتقال ہو چکا تھا اور بوڑھی بیمار والدہ سلمٰی بیگم بھی اس کے ساتھ ہی رہائش پذیر تھی۔ سلمٰی کو دمہ اور ٹی بی کا مرض تھا۔ دمہ تو دم کے ساتھ ہی جاتا ہے اور اس زمانے میں ٹی بی (تپ دق) بھی ایک لاعلاج مرض ہی تھا۔ سلمٰی بیگم کا زیادہ وقت بیڈ پر کھانستے اور سانسوں سے جنگ کرتے ہوئے گزرتا تھا۔ ایک لحاظ سے اسے عضو معطل کہا جا سکتا تھا۔ شکر کی بات یہ تھی کہ وہ چھوٹا سا فلیٹ ان کی ذاتی ملکیت تھا' لہٰذا گھر سے بے گھر ہو جانے کا کوئی خدشہ نہیں تھا۔

فوزیہ اور سفیان کی شادی کیسے اور کن حالات میں ہوئی اس تفصیل میں جانے کی میں ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ آپ نے بھی اپنے قرب و جوار میں ایسی شادیاں ہوتے دیکھی ہوں گی۔ وہ لڑکیاں جو اپنے گھر سے معاشی اور معاشرتی طور پر مضبوط نہیں ہوتیں اور خود کو بہت زیادہ غیر محفوظ محسوس کرتی ہیں وہ سفیان جیسے لوگوں کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر بغیر کسی تحقیق اور تفتیش کے ان سے شادی کیلئے تیار ہو جاتی ہیں اور بعد میں فوزیہ کی طرح اپنے نصیب کو روتی رہتی ہیں۔

خیر' فوزیہ اور سفیان کی شادی ہو گئی۔ فوزیہ رخصت ہو کر سفیان کے گھر نہیں گئی بلکہ وہ اپنی ضرورت پوری کرنے کیلئے گاہے بہ گاہے اس کے فلیٹ میں آ جایا کرتا تھا۔ نوید کی پیدائش کے بعد سفیان کی وہاں آمد و شد کم ہو گئی اور پھر رفتہ رفتہ یہ آمد مہینے میں دو تین بار تک محدود ہو کر رہ گئی۔ فوزیہ کے مطابق سفیان کو نہ تو اس سے محبت تھی اور نہ ہی اپنے بیٹے نوید سے۔ وہ صرف اپنی ہوس کی خاطر ان سے ملنے کے بہانے آ جاتا تھا۔ وہ خرچے کے نام پر انہیں تھوڑی بہت رقم بھی دے دیا کرتا تھا تاہم گھر کے اخراجات سے کماحقہ نمٹنے کیلئے فوزیہ کو چھوٹی موٹی

جاب بھی کرنا پڑتی تھی۔ علاوہ ازیں فوزیہ نے سفیان کی ذات کے حوالے سے چند ایسے واقعات بھی سنائے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ایک عیاش' بدکردار اور ہوس پرست انسان تھا۔ ان تمام تر حالات و واقعات کی روشنی میں فوزیہ اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ اس شخص سے جتنی جلدی جان چھوٹ جائے اتنا ہی اچھا تھا۔

میں نے پوری توجہ سے اس کی بات سنی اور اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ ''ٹھیک ہے فوزیہ صاحبہ! میں آپ کی طرف سے خلع کا کیس دائر کر دیتا ہوں لیکن آپ کو چند باتیں اپنے ذہن میں رکھنا ہوں گی۔''

''کون سی باتیں؟'' وہ سوالیہ نظر سے مجھے تکنے لگی۔

''ہمارے ملک کے عائلی قوانین کے مطابق' اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے ساتھ نہ رہنا چاہتی ہو اور عدالت میں کھڑی ہو کر اپنے اس فیصلے کا برملا اعلان کر دے تو کسی جرح و بحث میں پڑے بغیر عدالت اس عورت کے حق میں فیصلہ کر دیتی ہے۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''لیکن اس صورت میں عورت کو اپنے تمام حقوق اور مہر کی رقم وغیرہ سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔ آپ ذہنی طور پر اس کیلئے تیار رہئے گا۔''

''مجھے اس کمینے انسان سے ایک پیسہ نہیں چاہئے۔'' وہ نکیلے لہجے میں بولی۔ ''میں اپنے ذہنی سکون اور نوید کے مستقبل کیلئے مہر کی رقم اور دیگر تمام حقوق چھوڑنے کو تیار ہوں۔ اگر سفیان جیسے شیطان صفت انسان سے ہماری جان چھوٹ جائے تو میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کروں گی۔''

''آپ نے نوید کا ذکر کیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''آپ کے بیٹے کی عمر اس وقت آٹھ سال ہے۔ وہ اس عمر سے نکل آیا ہے جب چائلڈ کسٹڈی کے حوالے سے عدالت کا جھکاؤ بچے کی ماں کی طرف زیادہ ہوتا ہے۔ اگر خلع کے کیس کے دوران یا فوراً بعد سفیان نے چائلڈ کسٹڈی (بچے کی تحویل) کا مقدمہ دائر کر دیا تو آپ کیلئے پریشانی کھڑی ہو سکتی ہے۔''

ایک دیانتدار اور مخلص وکیل ہونے کے ناطے اپنے کلائنٹ کو کیس کے تمام تر نشیب و فراز سے آگاہ کرنا میرا فرض بنتا تھا۔ اس نے پوری توجہ سے میری بات سنی اور بولی۔

''وکیل صاحب! کیسا باپ اور کیسی چائلڈ کسٹڈی!'' اس کے انداز میں گہرا طنز پایا جاتا تھا۔ ''اگر سفیان نوید کو اپنی اولاد کا درجہ دیتا تو آج وہ بھی اس کی دوسری اولادوں کی طرح کسی

عالیشان بنگلے میں آرام و آسائش کی زندگی گزار رہا ہوتا......" وہ چند لمحات کیلئے متوقف ہوئی پھر ایک بوجھل سانس خارج کرنے کے بعد کہا۔

"مجھے ایک فیصد بھی امید نہیں کہ سفیان' نوید کو اپنی تحویل میں لینے کیلئے کسی قسم کی مقدمے بازی میں پڑے گا اور...... اگر اسے ایسا کوئی شوق اٹھا بھی تو میں ذہنی طور پر ہر مصیبت کا سامنا کرنے کیلئے تیار ہوں۔ میرے لئے اطمینان کی بات یہ ہے کہ نوید' سفیان سے شدید نفرت کرتا ہے اور وہ کسی بھی صورت سفیان کے ساتھ رہنے کیلئے تیار نہیں ہوگا۔"

"یہ واقعی اطمینان کی بات ہے۔" میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"جب کوئی بچہ سات سال کا ہو جاتا ہے تو "چائلڈ کسٹڈی" کے سلسلے میں عدالت اس کی ذاتی رائے اور فیصلے کو بہت زیادہ اہمیت دیتی ہے۔ وہ ماں اور باپ دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی رہنا چاہے عدالت اسے اجازت دے دیتی ہے۔ جو صورتحال آپ بتا رہی ہیں اس کی روشنی میں سفیان' نوید کو حاصل نہیں کر سکتا۔"

"تو آپ نے میرا کیس لینے کا فیصلہ کر لیا ہے؟" وہ سوالیہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ "یہ بات میں اس لئے پوچھ رہی ہوں تاکہ میں اس سلسلے میں ذہنی طور پر مطمئن ہو جاؤں اور ہاں......" وہ چونک کر رکی' پھر لمحاتی توقف کے بعد اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔ "آپ نے ابھی تک اپنی فیس کے بارے میں تو بتایا ہی نہیں......!"

میں نے اسے اپنی فیس بتائی اور کہا۔ "میں فیس ایڈوانس میں لیتا ہوں۔"

ایک لمحے کیلئے اس کے چہرے پر تفکر کی پرچھائیں لہرائی۔ میں یہی سمجھ پایا کہ اسے میری فیس زیادہ محسوس ہوئی تھی تاہم اس نے مجھ سے کسی قسم کی رعایت کی بات نہیں کی اور فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے وکیل صاحب! میں کل اسی وقت آپ کے آفس آ کر فیس ادا کروں گی۔ آپ میرا کیس تیار کر لیں۔"

مجھے یہ جاننے میں کوئی دقت محسوس نہ ہوئی کہ اس وقت فوزیہ کے پاس اتنی رقم نہیں تھی کہ وہ میری فیس ادا کر سکتی۔ میں نے اس سے تمام کوائف لینے کے بعد ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں آج ہی تمام ضروری کاغذات تیار کروا لوں گا۔ آپ کل ان کاغذات پر دستخط

کر دیجئے گا۔ پرسوں میں خلع کا مقدمہ دائر کر دوں گا۔"
اس نے میرا شکریہ ادا کیا اور سلام کر کے رخصت ہو گئی۔

☆......☆......☆

میں نے مکمل کاغذی تیاری کے بعد اپنی وکالت میں فوزیہ کی جانب سے خلع کا کیس عدالت میں دائر کر دیا۔ اسی روز میں نے اپنے ذرائع استعمال کر کے سفیان کے نام عدالت میں طلبی کا حکم نامہ بھی جاری کروا دیا۔ میری نظر میں یہ ایک حلوا کیس تھا۔ فوزیہ کسی بھی صورت میں سفیان کی زوجیت میں نہیں رہنا چاہتی تھی۔ آٹھ سالہ نوید اپنی ماں کا حمایتی تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ فوزیہ کے پاس سفیان کی بدکاری' عیاشی اور ہوس پرستی کے بھی واقعاتی شواہد موجود تھے۔ ان تمام تر حالات و واقعات کی روشنی میں یہ کیس کم از کم ایک اور زیادہ سے زیادہ تین پیشیوں کی مار تھا۔

یہ کیس 12 فروری کو عدالت میں دائر کیا گیا تھا اور 12 فروری ہی کو میں نے عدالتی حکم نامہ بہ نام سفیان علی جاری کروا دیا تھا جس میں سفیان کو 22 فروری میں حاضر ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔

اس روز عدالتی بکھیڑوں سے نمٹنے کے بعد میں اپنے آفس پہنچا اور عدالت میں دائر کیس کی ایک نقل متعلقہ یونین کونسل کو بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک ارسال کر دی۔ مجھے یقین تھا کہ عدالتی حکم نامے کے آگے پیچھے ہی یونین کونسل کی جانب سے بھی اس سے رابطہ کر لیا جانا تھا۔

15 فروری کی رات میں جیسے ہی اپنے گھر میں داخل ہوا' میرے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس وقت رات کے گیارہ کا عمل تھا۔ میں ٹیلیفون سیٹ کی جانب بڑھتے ہوئے سوچنے لگا...... اس وقت کون ہو سکتا ہے؟

تیسری گھنٹی پر میں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور ماؤتھ پیس میں کہا۔ "ہیلو......!"

"ہیلو بیگ صاحب! یہ میں ہوں۔" ایئر پیس میں ایک نسوانی آواز ابھری۔ "فوزیہ!"

"جی فوزیہ صاحبہ...... خیریت؟" میں نے پوچھا۔

فوزیہ کو میں نے اپنے وزیٹنگ کارڈ کے پیچھے گھر کا نمبر بھی لکھ کر دیا ہوا تھا تا کہ کسی ایمرجنسی کی صورت میں وہ کسی بھی وقت مجھ سے رابطہ کر سکے۔ آج تک اس نے میرے آفس کے نمبر پر ہی فون کیا تھا۔ گھر پر...... اور وہ بھی آدھی رات کو فون کرنے کا مطلب کسی نوعیت کی

گڑبڑ ہی کو ظاہر کرتا تھا۔

اس نے میرے استفسار کے جواب میں بتایا۔ ”بیگ صاحب! سفیان کو خلع کرنے والے کیس کے بارے میں پتا چل گیا ہے۔“

”تو اس میں ایسی حیرت یا پریشانی والی کون سی بات ہے۔“ میں نے نارمل انداز میں کہا۔ ”عدالتی حکم نامے کو جاری ہوئے تین دن گزر چکے ہیں۔ اسے اب تک وہ نوٹس مل گیا ہوگا اور عین ممکن ہے' متعلقہ یونین کونسل نے بھی اسے کوئی بلاوا بھیج دیا ہو۔“

”جی ہاں...... جی ہاں۔“ وہ اضطراری لہجے میں بولی۔ ”اسے دونوں جانب سے پکارا گیا ہے اور وہ سخت پریشان ہے۔ اس نے مجھے فون کیا تھا۔“

”فون کیا تھا۔“ میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔ ”کب......؟“

”ابھی آدھا گھنٹہ پہلے۔“ وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولی۔ ”میں نے پہلے آپ کے آفس کے نمبرز ٹرائی کیے۔ جب وہاں کال اٹینڈ نہیں کی گئی تو آپ کے گھر پر فون کیا ہے......“ لمحاتی توقف کے بعد اس نے معذرت خواہانہ انداز میں پوچھا۔

”آپ نے مائنڈ تو نہیں کیا بیگ صاحب؟“

”بالکل نہیں۔“ میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ”میں نے جب آپ کو اپنے گھر کا نمبر دے رکھا ہے تو رابطہ کرنے پر مائنڈ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں ابھی گھر میں داخل ہوا ہوں۔ آفس سے میں ایک گھنٹہ پہلے نکل آیا تھا......“ لمحاتی توقف کر کے میں نے پوچھا۔

”خیریت تو ہے نا......کیا کہہ رہا تھا وہ؟“

”وہ کہہ رہا تھا کہ میں مقدمے بازی کے چکر میں نہ پڑوں۔“

”یعنی اگر آپ خلع کا مقدمہ واپس لے لیں تو وہ آپ کو آزاد کر دے گا؟“ میں نے پوچھا۔

”نہیں جناب! ایسی کوئی بات نہیں......“ وہ جلدی سے بولی۔

”پھر وہ آپ کو مقدمے بازی سے کیوں روک رہا ہے؟“

”وہ مجھے خود سے الگ کرنے کے حق میں نہیں ہے۔“ فوزیہ نے بتایا۔ ”نہ خلع کے ذریعے اور نہ ہی طلاق دے کر......“

"کیا مطلب......!" میں نے الجھن زدہ انداز میں پوچھا۔ "آخر وہ شخص چاہتا کیا ہے؟"

"وہ کہہ رہا تھا' میں مقدمے بازی کا خیال دل سے نکال دوں اور خاموشی سے اپنے گھر میں بیٹھی رہوں...... اس کی منکوحہ کی حیثیت سے۔" فوزیہ نے جواب دیا۔ "وہ میری تمام تر شکایات دور کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"پھر آپ نے اس کیا کہا؟" میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"کچھ نہیں۔" وہ قطعی لہجے میں بولی۔ "میں ٹس سے مس نہ ہوئی۔"

"آپ کی ثابت قدمی کو دیکھتے ہوئے اس نے کیا مؤقف اختیار کیا؟" میں نے فوزیہ کے معاملے میں گہری دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

"جب اس نے دیکھا کہ میں کسی بھی طور اس کی بات ماننے کو تیار نہیں تو وہ ہوشیاری دکھانے لگا۔" فوزیہ نے بتایا۔

"کیسی ہوشیاری؟" میں نے سوال کیا۔

."اس نے کہا کہ وہ ہر قسم کی آوارہ گردی اور عیاشی سے باز آ جائے گا۔" وہ اپنے شوہر کی چال بازی سے مجھے آگاہ کرتے ہوئے بولی۔ "وہ ایک معزز و باکردار انسان بننے کی کوشش کرے گا اور میرا بہت خیال رکھے گا۔"

"تو کیا آپ سفیان کو یہ موقع دینے کا ارادہ رکھتی ہیں؟" میں نے فوزیہ کے دل کا حال جاننے کی خاطر استفسار کیا۔

"وکیل صاحب! اس بات کا تو اب سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" وہ دوٹوک لہجے میں بولی۔ "میں نے ایک حتمی فیصلے پر پہنچنے کے بعد جو قدم اٹھایا ہے' وہ اب واپس نہیں آ سکتا۔"

"ویری گڈ!" میں نے سراہنے والے انداز میں کہا' پھر پوچھا۔ "کیا سفیان نے ایک بار بھی آپ سے کوئی ایسی بات کی کہ وہ آپ کو اور آپ کے بیٹے کو بھی وہی عزت و آبرو دے گا جو اپنی پہلی بیوی اور بچوں کو دیتا ہے اور یہ کہ اگر آپ اس کی بات مانتے ہوئے خلع کا مقدمہ واپس لے لیتی ہیں تو وہ آپ لوگوں کو بھی کسی صاف ستھرے بنگلے میں رکھے گا؟"

"جناب! میں سفیان کی عیاری کو اچھی طرح سمجھ رہی ہوں۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "وہ اتنا سیدھا نہیں جیسا کہ خود کو ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن میں کسی بھی قیمت پر

اس کی چال میں نہیں آؤں گی۔ اگر اب میں اس کے جال میں پھنس گئی' اس کی ہمدردی بھری میٹھی باتوں میں آ گئی تو پھر وہ مکاری سے مجھے ایسا باندھ دے گا کہ میں کہیں کی نہیں رہوں گی۔ اگر اس خبیث انسان کی گرفت سے نکلنے کیلئے قدرت مجھے موقع فراہم کر رہی ہے تو میں اس سے ضرور فائدہ اٹھاؤں گی۔ میں عدالت کی مدد اور آپ کے تعاون سے اسے ایسی ذلت بھری شکست دوں گی کہ وہ اپنی اس عبرتناک ناکامیابی پر ہر روز جئے گا اور ہر روز مرے گا......"

میں نے ایئر پیس کو کان سے چپکائے چپکائے اس کے دل کے غبار کو اپنی سماعت میں انڈیلا اور اس کے خاموش ہونے پر ہمدردی بھرے لہجے میں پوچھا۔

"فوزیہ صاحبہ! موجودہ صورتحال میں آپ پریشان تو نہیں ہیں؟"

وہ چٹانی لہجے میں بولی۔ "ہرگز نہیں بیگ صاحب...... جب اوکھلی میں سر دے دیا تو پھر موسلوں سے کیا ڈرنا۔"

"ٹھیک ہے......" میں نے ایک گہری اور اطمینان بھری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ "آپ اپنے مؤقف پر ڈٹی رہیں۔ آپ کی یہ ثابت قدمی اس کیس کو مضبوط تر بنا دے گی۔"

"ان شاء اللہ......!" اس نے امید بھرے انداز میں کہا۔

"فوزیہ صاحبہ! میری ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔" میں نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "سفیان اگر کسی بھی بہانے آپ سے ملاقات کرنے کی کوشش کرے تو آپ اس کی کوشش کو ناکامیاب بنا دیں گی۔ یہ بہت ضروری ہے۔ اب کورٹ ہی میں آپ دونوں کی ملاقات ہونا چاہئے۔"

"میں آپ کی ہدایات کا خیال رکھوں گی بیگ صاحب!" وہ فرمانبرداری سے بولی۔

الوداعی کلمات کے بعد میں نے رابطہ منقطع کر دیا۔

آئندہ روز میں نے اپنے پیشہ ورانہ ذرائع استعمال کر کے یہ جان لیا کہ عدالت سے جاری ہونے والا "حکم نامہ طلبی" سفیان کو موصول ہو گیا تھا اور اس نے باقاعدہ دستخط کر کے وہ حکم نامہ وصول بھی کر لیا تھا جس کا سیدھا سادہ مطلب یہی سمجھ میں آتا تھا کہ وہ طلبی کی تاریخ پر عدالت میں ضرور حاضر ہو گا۔ یہ صورتحال انتہائی حوصلہ افزا اور تسلی بخش تھی' بہ الفاظ دیگر اس

کیس کو ہمارے حق میں ہموار کرتی دکھائی دیتی تھی۔ میں مطمئن ہو گیا۔

☆......☆......☆

عدالت نے سفیان کو 22 فروری کو حاضر ہونے کا حکم دیا تھا' مگر 20 فروری یعنی اس کی طلبی کی تاریخ سے دو دن پہلے ایک ایسا سنسنی خیز واقعہ رونما ہوا کہ میرا سارا اطمینان اور سکون خاک میں مل کر رہ گیا۔

میں حسب معمول اپنے آفس میں بیٹھا کلائنٹس سے نمٹ رہا تھا کہ میری سیکرٹری نے انٹرکام پر مجھے اطلاع دی۔

"سر......کوئی نور علی صاحب آئے ہیں۔ یہ آپ سے فوری ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔"

"نور علی......!" میں نے زیر لب دہرایا' پھر پوچھا۔"وہ کس سلسلے میں ملنا چاہتے ہیں۔"

"وہ آپ کی ایک کلائنٹ فوزیہ صاحبہ کے حوالے سے کوئی اہم اطلاع دینا چاہتے ہیں۔"

میرا ماتھا ٹھنکا اور فوزیہ کا چہرہ میری نگاہوں کے سامنے گھوم گیا۔ میں نے اپنی سیکرٹری سے کہا۔"ٹھیک ہے...... میں صغیر صاحب سے فارغ ہو جاؤں تو آپ نور علی کو اندر بھیج دینا۔"

"اوکے سر......!" سیکرٹری نے کہا۔

میں نے انٹرکام کا ریسیور کریڈل کر دیا۔

پندرہ منٹ کے بعد نور علی نامی وہ شخص میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ نور علی کی عمر چالیس سے متجاوز نظر آئی تھی۔ وہ بھاری تن و توش کا مالک ایک سانولا شخص تھا۔ نور علی نے مناسب سائز ڈاڑھی رکھی ہوئی تھی اور اس کے سر کے نوے فیصد بال بے وفائی کر گئے تھے۔

میں نے رسمی علیک سلیک کے بعد سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔"جی نور علی صاحب......آپ فوزیہ کے بارے میں کیا بتانا چاہتے ہیں؟"

وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔"جناب! فوزیہ بیٹھے بٹھائے ایک بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہو گئی ہے۔"

میں اپنی کرسی پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔"کیسی مصیبت......اور آپ کون ہیں؟"

"میں فوزیہ کا پڑوسی ہوں وکیل صاحب!" اس نے بتایا۔"فوزیہ کو آج شام میں پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔"

"کیا......!" بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔" پولیس نے فوزیہ کو کس جرم میں گرفتار کیا ہے؟"

"اس پر قتل کا الزام ہے۔"

"کس کے قتل کا الزام؟" میری حیرت گہری تشویش میں بدل گئی۔

"سفیان علی......" نور علی نے جواب دیا۔" اس کے شوہر کے قتل کا الزام وکیل صاحب۔"

"اوہ مائی گاڈ!" میں نے اضطراری لہجے میں کہا۔" تفصیلات کیا ہیں؟"

" مجھے اس واقعہ کے بارے میں کچھ زیادہ معلوم نہیں۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "فوزیہ کی ماں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے...... یہی بتانے کیلئے۔ آپ تھانے میں جا کر خود فوزیہ سے ملاقات کر لیں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے اثبات میں گردن ہلائی اور استفسار کیا۔" وہ کس تھانے میں ہے؟"

نور علی نے متعلقہ تھانے کا نام بتا دیا۔

فوزیہ مجھے بتا چکی تھی کہ اس نے اپنی والدہ سلمیٰ بیگم کو خلع والے کیس کے حوالے سے تفصیلاً آگاہ کر رکھا ہے جبھی سلمیٰ بیگم نے اس افتاد کے موقع پر نور علی کو میرے پاس بھیجا تھا۔ میں نے نور علی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"آپ فوزیہ کی والدہ کو اطمینان دلا دیں کہ فکرمند ہونے والی کوئی بات نہیں۔ میں ابھی فوزیہ سے تھانے جا کر ملاقات کروں گا۔ اگر اس نے جرم نہیں کیا تو کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

وہ میرا شکریہ ادا کر کے رخصت ہو گیا۔

رات کو آفس سے فارغ ہونے کے بعد میں فوزیہ سے ملنے متعلقہ تھانے پہنچ گیا۔ مذکورہ تھانہ میری واپسی کے روٹ پر تو نہیں تھا مگر اپنے کلائنٹ کی دادرسی روٹ سے زیادہ اہم تھی لہٰذا میں نے یہ کشت اٹھانے میں کوئی وقت محسوس نہیں کی۔ کچھ ہی دیر کے بعد میں تھانے کے اندر موجود تھا۔

میں اس تفصیل میں پڑ کر آپ کا قیمتی وقت اور نادر صفحات ضائع نہیں کروں گا کہ میں

نے اپنی کلائنٹ سے ملاقات کرنے کیلئے کیا حربہ آزمایا تھا۔ اس طریقہ واردات کا پہلے بھی کئی بار ذکر کیا جا چکا ہے۔

میں حوالات میں پہنچا تو فوزیہ کو ایک ٹھنڈے ٹھار فرش پر اکڑوں بیٹھے دیکھا۔ اس وقت رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے۔ فروری کے مہینے میں اگرچہ زیادہ سردی نہیں ہوتی تاہم رات کے اس حصے میں حوالات کا ماحول اچھا خاصا سرد ہو رہا تھا۔ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی فوزیہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"وکیل صاحب! میں نے سفیان کو قتل نہیں کیا...... میں اس واردات کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی......؟"

"مجھے اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہے کہ آپ نے کوئی جرم نہیں کیا۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ "لہٰذا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اطمینان سے مجھے بتائیں کہ آخر ہوا کیا تھا؟"

میری تسلی بخش باتوں سے اس کے چہرے پر امید کی کرن نمودار ہوئی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے میں نے اس کی زخموں پر سکون بخش مرہم رکھ دیا ہو۔ اس کی گھبراہٹ اور سراسیمگی میں یکلخت کمی آ گئی تھی۔

"وکیل صاحب......!" وہ امید بھری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ "اس وبال سے آپ ہی مجھے نکال سکتے ہیں۔"

"اسی لئے تو میں آپ کی مصیبت کا سنتے ہی فوراً یہاں پہنچ گیا ہوں۔" میں نے بدستور ہمدردی بھرے لہجے میں کہا۔ "آپ مجھ پر بھروسہ کریں۔"

وہ تشکر آمیز نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔

میں نے اپنا بریف کیس کھولتے ہوئے کہا۔ "فوزیہ صاحبہ! میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ کسی وقت بھی تھانہ انچارج ہماری اس اہم ملاقات میں رخنہ ڈال سکتا ہے لہٰذا آپ فوری طور پر چند ضروری کاغذات پر دستخط کر دیں۔"

"یہ کیسے کاغذات ہیں......؟" اس نے پوچھا۔

"ان میں ایک تو درخواست ضمانت ہے۔" میں نے کاغذات اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اور دیگر ضروری کاغذات ہیں جن کی عدالت میں کسی بھی موقع پر ضرورت پیش

آ سکتی ہے۔“

میں اپنے بریف کیس میں وکالت نامہ‘ درخواست ضمانت اور اسی نوعیت کے دوسرے ضروری کاغذات ہمیشہ ساتھ رکھتا تھا کہ جانے کب اور کس جگہ ان کی ضرورت پیش آ جائے۔ فوزیہ نے میرے بتائے ہوئے مقامات پر دستخط کر دیئے تو میں نے انہیں بریف کیس میں رکھنے کے بعد اس سے پوچھا۔

”فوزیہ صاحبہ! آپ کو کہاں سے گرفتار کیا گیا ہے؟“

”میرے گھر سے!“

”کتنے بجے؟“

”لگ بھگ چار بجے سہ پہر۔“ اس نے جواب دیا۔

”اور سفیان کو کہاں قتل کیا گیا ہے؟“

”بہادر آباد کے ایک فلیٹ میں......“

”اوہ...... بہادر آباد کے اس فلیٹ سے آپ کا کیا تعلق؟“ میں نے دریافت کیا۔ ”وہ کس کا فلیٹ ہے؟“

”آج دوپہر سے پہلے مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ فلیٹ کس کا ہے بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ میں اب بھی وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتی کہ وہ فلیٹ نرگس کا ہے یا کسی اور کا......“ وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔

”نرگس کون؟“ میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”میں یہ بھی نہیں جانتی کہ نرگس کون ہے۔“ وہ بے بسی سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ ”کیونکہ میں نے اسے دیکھا ہے اور نہ ہی کبھی اس سے میری ملاقات ہوئی ہے۔ مجھے تو وہ کوئی چال باز فراڈن لگتی ہے......مجھ سے سخت غلطی ہوئی کہ میں نرگس کے بلانے پر بہادر آباد والے فلیٹ پر پہنچ گئی تھی۔“

”کیا مطلب؟“ میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ ”کیا آپ جائے وقوعہ پر گئی تھیں......؟“

”جی ہاں......!“ اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

میں نے پوچھا۔ ”مجھے تفصیلاً بتائیں...... یہ واقعہ کس طرح پیش آیا تھا۔“

''آج صبح کم وبیش دس بجے میں نے ایک فون اٹینڈ کیا.....'' وہ بتانے لگی۔'' دوسری طرف بولنے والی نے اپنا نام نرگس بتایا اور مجھ سے پوچھا۔

''آپ فوزیہ بات کررہی ہیں' سفیان علی کی بیوی؟''

میں نے کہا۔''جی ہاں.....آپ کون ہیں؟''

''میرا نام نرگس ہے۔'' اس نے بتایا۔''میں بھی بدقسمتی سے سفیان کی بیوی ہوں.....''

''سفیان کی بیوی کا نام رضوانہ ہے۔ نرگس نامی اس عورت کا دعویٰ سن کر مجھے حیرت ہوئی۔ میں نے الجھن زدہ انداز میں کہا۔

''لیکن سفیان کی بیوی کا نام تو رضوانہ ہے۔''

''رضوانہ اس کی اصلی بیوی ہے۔'' وہ نفرت آمیز لہجے میں بولی۔

''اصلی بیوی.....کیا مطلب؟'' میں نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''ہاں.....رضوانہ اور اس کے بچوں کے ساتھ وہ معزز انسانوں کی طرح گھریلو زندگی گزارتا ہے۔'' وہ زہرخند لہجے میں بولی۔''آپ' میں.....اور ہم جیسی پتا نہیں کتنی عورتوں کو اس نے بیوی کے نام پر شہر کے مختلف حصوں میں رکھا ہوا ہے۔ وہ کمینہ ایک نمبر کا عیاش اور بدمعاش ہے۔''

''نرگس کا دکھ میرے درد سے گہری مماثلت رکھتا تھا لہٰذا اس کی باتیں سن کر مجھے ذہنی سکون محسوس ہوا۔ میں نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

''نرگس صاحبہ! آپ نے کس سلسلے میں مجھے فون کیا ہے؟''

''سلسلہ وہی ہے' سفیان سے چھٹکارا۔'' وہ بیزاری سے بولی۔''مجھے پتا چلا ہے کہ آپ نے خلع کا کیس دائر کر رکھا ہے۔ میں بھی سفیان سے نجات حاصل کرنے کیلئے یہی راہ اختیار کرنا چاہتی ہوں۔ اگر ہم دونوں مل جائیں تو یہ کیس اور بھی زیادہ مضبوط ہوجائے گا۔ کیا خیال ہے آپ کا؟''

''قدر مشترک'' ایک ایسی شے ہے کہ یہ دو دشمنوں کو بھی ایک صف میں کھڑا ہونے پر مجبور کردیتی ہے۔ میرے اور نرگس کے مسائل اور مصائب میں گہری قدر مشترک پائی جاتی تھی چنانچہ میں اپنے دل میں اس کیلئے ہمدردی کے جذبات محسوس کرنے لگی اور میں نے پوچھا۔

''نرگس صاحبہ! بتائیں' میں آپ کیلئے کیا کرسکتی ہوں؟''

"مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔" اس نے درخواست آمیز انداز میں کہا۔ "میں بھی اپنا کیس اسی وکیل کو دینا چاہتی ہوں جو آپ کا کیس لڑ رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آپ کو ان وکیل صاحب کا نمبر دے دیتی ہوں۔ وہ سٹی کورٹ کے قریب ہی ایک ملٹی سٹوری بلڈنگ میں بیٹھتے ہیں۔" میں نے کہا۔ "میں ان کے آفس کا ایڈریس بھی نوٹ کروا دیتی ہوں۔"

"میں آپ کے ساتھ ان وکیل صاحب سے ملنے جانا چاہتی ہوں۔" وہ بے حد جذباتی لہجے میں بولی۔ "اور اس سے پہلے میں آپ سے ایک بھرپور ملاقات کرنا چاہتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ جب کہیں گی، ہم مل لیں گے۔" میں نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"جب نہیں...... آج ہی!" وہ اصراری لہجے میں بولی۔ "میں آپ سے زیادہ دور نہیں ہوں۔ میں بہادر آباد کے علاقے میں رہتی ہوں۔ اگر آپ دن میں مجھے تھوڑا وقت دے دیں تو میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر یاد رکھوں گی۔"

"نرگس نے اتنی منت اور لجاجت سے یہ بات کہی تھی کہ میں مجبور ہوگئی اور میں نے کچھ سوچے سمجھے بغیر اس سے کہہ دیا۔

"بتائیں...... آپ کتنے بجے مجھ سے ملنا چاہتی ہیں؟"

"دن میں ایک اور تین کے درمیان کسی بھی وقت آ جائیں۔"

"میرے استفسار پر اس نے مجھے اپنے فلیٹ کا ایڈریس بڑی وضاحت کے ساتھ سمجھا دیا اور ہمارے درمیان ٹیلی فونک سلسلہ ختم ہوگیا۔

"اور آپ......" فوزیہ سانس لینے کیلئے تھمی تو میں نے افسوسناک انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "اس عورت کے کہنے میں آ کر بہادر آباد والے فلیٹ پر پہنچ گئیں......؟"

"جی بیگ صاحب!" وہ گہری ندامت سے بولی۔ "مجھ سے غلطی ہوگئی۔ اب محسوس ہو رہا ہے کہ مجھے اس فلیٹ پر نہیں جانا چاہئے تھا۔"

"اب پچھتائے کیا ہووت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔" میں نے کہا۔ "آپ کو کم از کم مجھے اس معاملے سے آگاہ تو کرنا چاہئے تھا۔ اگر آپ مجھے نرگس کے فون کے بارے میں فوراً بتا دیتیں جیسا کہ پانچ دن پہلے سفیان کے فون کے بارے میں مجھے گھر پر فون کر کے......

آگاہ کیا تھا تو...... میں ہرگز ہرگز آپ کو نرگس کے فلیٹ پر نہ جانے دیتا۔"

"بیگ صاحب......!" وہ شرمندہ سی صورت بناتے ہوئے بولی۔ "پتا نہیں' اس وقت میرے دماغ کو کیا ہوگیا تھا۔ مجھے اپنی سوچ پر بالکل اختیار نہیں رہا تھا۔ واقعی' مجھے پہلی فرصت میں آپ کو مطلع کرنا چاہئے تھا۔" لمحاتی توقف کرکے اس نے ایک بوجھل سانس خارج کی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔

"وہاں نرگس کے فلیٹ پر جو کچھ ہوا وہ بھی میری سمجھ سے باہر ہے۔ واپس گھر آکر میں کافی دیر تک اسی واقعہ کے بارے میں سوچتی رہی اور پھر چار بجے پولیس نے مجھے اپنے گھر سے گرفتار کرلیا۔"

"آپ کی واپسی کتنے بجے ہوئی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"تین بجے سہ پہر......" اس نے جواب دیا۔

"اور آپ بہادرآباد والے فلیٹ یعنی جائے وقوعہ پر کتنے بجے پہنچی تھیں؟"

"یہی کوئی دو...... سوا دو بجے!"

"طارق روڈ سے بہادرآباد زیادہ دور نہیں ہے...... بمشکل دس پندرہ منٹ کا راستہ ہوگا۔" میں نے کہا۔ "آپ نے اپنی آمدوشد کے جو اوقات بتائے ہیں' اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ بہادرآباد والے فلیٹ پر آپ زیادہ دیر نہیں رکی ہوں گی۔"

"زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ۔"

"وہاں بہادرآباد والے فلیٹ پر ایسا کیا واقعہ پیش آیا تھا کہ جس کے بارے میں آپ گھر آکر بھی کافی دیر تک سوچتی رہی تھیں۔" میں نے کریدنے والے انداز میں پوچھا۔ "کیا آپ کی نرگس سے ملاقات ہوگئی تھی؟"

"نہیں......!" اس نے قطعیت سے گردن ہلائی۔ "میں آج تقریباً سوا دو بجے اس فلیٹ پر پہنچی تھی۔ وہ اپارٹمنٹس بلڈنگ بہادرآباد کے کمرشل ایریا میں واقع ہے۔ میں نے فورتھ فلور کے اپارٹمنٹ نمبر "فور زیرو فور" کی گھنٹی بجائی اور ایک طرف رک کر دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگی۔ نرگس نے فون پر مجھے اسی فلیٹ کا ایڈریس سمجھایا تھا۔ جب گھنٹی کے جواب میں اندر سے کوئی نہیں نکلا تو میں نے دوبارہ گھنٹی بجادی۔

اس بار بھی کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہوا۔ میں نے سوچا' ہوسکتا ہے کہ نرگس واش روم میں

ہو۔ احتیاطاً میں نے دروازے پر دستک بھی دے ڈالی اور اسی وقت مجھ پر ایک ا
دروازہ لاک نہیں تھا۔ میری دستک کے دباؤ سے دروازہ کھل گیا۔ میرے اندر تجسس نے سر اٹھایا
ابھارا اور ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مجھے اندر داخل ہو جانا چاہئے اور پھر...... میں فلیٹ کے اندر داخل ہو گئی۔

وہ تین کمروں کا ایک صاف ستھرا فلیٹ تھا مگر اس کے اندر خاموشی اور سناٹے نے میرا استقبال کیا۔ وہاں کسی ذی روح کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔ میں فطری تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک کمرے سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے میں چکراتی رہی۔ میں نے واش روم اور کچن میں بھی جھانک کر دیکھ لیا لیکن وہ فلیٹ انسانی وجود سے خالی تھا۔

مجھے حیرت ہوئی کہ جب نرگس نے مجھے ایک بجے سے تین بجے تک وہاں آنے کو کہا تھا تو پھر وہ کہاں غائب ہو گئی اور اگر کسی ایمرجنسی میں اسے باہر جانا ہی تھا تو تو مجھے فون کر کے اطلاع دے سکتی تھی اور...... یہ بھی کہ وہ فلیٹ کا دروازہ کھلا کیوں چھوڑ گئی......؟

"جلد ہی مجھے اپنی حماقت کا احساس ہو گیا۔ مجھے یوں لگا جیسے نرگس نے مجھے بیوقوف بنانے کیلئے وہ ڈرامہ رچایا تھا۔ مجھے ایک اجنبی عورت کی کال پر یوں گھر سے اٹھ کر نہیں چلے آنا چاہئے تھا۔ اس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں یہ سوچ بھی جاگزیں تھی کہ آخر نرگس کو میرے ساتھ ایسا بھیانک مذاق کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ذہن میں فوری طور پر پیدا ہونے والے ایک سنسنی خیز خیال نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا...... کہیں یہ سفیان کی کوئی چال تو نہیں......؟

میں نے دل ہی دل میں خود کو لعنت ملامت کی اور فوری طور پر اس فلیٹ سے نکل آئی اور گھر پہنچنے کے بعد بھی میں کافی دیر تک اسی عجیب و غریب واقعہ کے بارے میں سوچتی رہی تھی......"

فوزیہ نے اپنا بیان مکمل کیا تو میں نے تصدیق طلب نظر سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور ٹھیک چار بجے سہ پہر پولیس نے آپ کو آپ کے گھر سے گرفتار کر لیا؟"

"جی ہاں!" اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"بہادر آباد والے فلیٹ کے بارے میں آپ نے اپنی والدہ کو بتایا تھا؟" میں نے پوچھا۔ "وہ اس صورتحال سے کس حد تک آگاہ ہیں؟"

"جاتے وقت انہیں میں نے کچھ نہیں بتایا تھا۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ "لیکن واپس آنے کے بعد میں نے وہاں بہادرآباد والے فلیٹ پر پیش آنے والے واقعہ کے بارے میں امی کو تفصیلاً بتادیا تھا۔

میں نے جاننا چاہا۔ "پھر انہوں نے کیا کہا؟"

"امی میری بات سن کر پریشان ہوگئی تھیں۔" فوزیہ نے جواب دیا۔ "انہوں نے بھی یہی کہا تھا کہ مجھے اس فلیٹ پر نہیں جانا چاہئے تھا۔"

"ہوں......" میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آپ نے اس فلیٹ میں مختلف چیزوں کو چھوا بھی تھا......؟"

"جی ہاں۔" وہ سر کو اثباتی جنبش...... دیتے ہوئے بولی۔ "جب میں نے اس فلیٹ کے تینوں کمروں اور باتھ روم اور کچن کو اچھی طرح جھانک کر دیکھا تھا تو ظاہر ہے' میں نے بیشمار چیزوں کو چھوا تو ہے......"

میں نے گمبھیر انداز میں پوچھا۔ "آپ کو بہادرآباد والے فلیٹ میں کسی نے داخل ہوتے یا باہر نکلتے ہوئے تو نہیں دیکھا؟"

"وہ بہادرآباد کا ایک کمرشل ایریا ہے بیگ صاحب۔" اس نے بتایا۔ "بلڈنگ میں داخل ہوتے وقت کئی افراد کی مجھ پر نگاہ پڑی ہوگی اور بعض نے مجھے بلڈنگ سے نکلتے ہوئے بھی دیکھا تھا لیکن میں سمجھتی ہوں ان میں سے کوئی بھی میرا شناسا نہیں تھا۔"

"اور فلیٹ میں داخل یا خارج ہوتے وقت کسی نے آپ کو دیکھا؟"

"جی نہیں' البتہ......!"

وہ بولتے بولتے اچانک خاموش ہوئی تو میں نے سوال کیا۔ "البتہ کیا؟"

"پولیس والے مجھ سے کہہ رہے تھے کہ ان کے پاس ایک عینی گواہ موجود ہے۔" وہ الجھن زدہ لہجے میں بولی۔ "جس نے مجھے فلیٹ نمبر چار سو چار کے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔"

پولیس نے سہ پہر چار بجے فوزیہ کو اس کے فلیٹ سے گرفتار کیا تھا جبکہ وہ لگ بھگ دو بجے اس فلیٹ پر گئی تھی اور یہ اتنی قلیل مدت تھی کہ کوئی عینی گواہ پیدا نہیں کیا جا سکتا تھا' پھر یہ سوال بھی غور طلب تھا کہ پولیس کو کیسے پتا چلا کہ فوزیہ نے سفیان علی کو بہادرآباد والے فلیٹ

میں قتل کردیا ہے۔ وہ اتنی جلدی گرفتاری کیلئے اس کے فلیٹ پر کیسے پہنچ گئی۔ میری سمجھ میں یہی بات آئی کہ پولیس اسے ہراساں کرنے کیلئے کوئی چال چل رہی ہے۔

''آپ کو بالکل فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ ''مصیبت چھوٹی ہو یا بڑی' اس سے بہرحال نمٹنا ہی پڑتا ہے' بس آپ اپنی ہمت کو مضبوطی سے تھام کر بیٹھی رہیں اور میری ہدایات کو ذہن میں نقش کرلیں۔ باقی تمام عدالتی معاملات سے میں خود ہی نمٹ لوں گا۔''

اس نے اطمینان کی سانس لی اور میرا شکریہ ادا کرنے کے بعد بولی۔ ''جی' حکم کریں...... میں پوری توجہ سے سن رہی ہوں۔''

آئندہ پانچ منٹ میں' میں نے فوزیہ کو چند اہم ٹپس دے دیں۔ اس نے میری ہدایات کو ذہن نشین کرنے کا وعدہ کیا اور ایک بار پھر میرا شکریہ ادا کرنے کے بعد بولی۔

''بیگ صاحب! اوپر خدا اور نیچے آپ ہیں۔ میری ساری امیدیں آپ دونوں سے ہی وابستہ ہیں۔''

''ہم دونوں سے آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔'' میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

اس دوران کانسٹیبل بہادر حوالات کی طرف تین چار چکر لگا چکا تھا۔ وہ مٹرگشت کرنے والے انداز میں آتا تھا اور ہمیں جھانک کر واپس چلا جاتا تھا۔ میرا کام پورا ہو چکا تھا لہٰذا مزید وہاں رکنے کی ضرورت نہیں تھی۔

میں نے فوزیہ کو مناسب الفاظ میں تسلی تشفی دی اور تھانے سے نکل کر اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

اگلے روز پولیس نے ملزم فوزیہ کو عدالت میں پیش کر کے ایک ہفتے کے تفتیشی ریمانڈ کی درخواست کی۔ میں نے پچھلی رات' حوالات میں ملزمہ سے ملاقات کے وقت ضروری کاغذات پر اس کے دستخط لے لئے تھے لہٰذا عدالت میں پیش ہونے پر میں نے درخواست ضمانت کے ساتھ اپنا وکالت نامہ بھی دائر کردیا اور جج کی طرف سے دیکھتے ہوئے نہایت ہی مؤدبانہ انداز میں کہا۔

"جناب عالی! یہ اپنی نوعیت کا ایک عجیب وغریب کیس ہے......"
وکیل استغاثہ نے آغاز ہی میں مجھ پر حملہ کر دیا اور میری بات پوری ہونے سے پہلے تیز آواز میں بولا۔
"جناب عالی...... یہ عجیب وغریب نہیں، قتل کا ایک کیس ہے۔"
جج نے حیرت بھری نظر سے وکیل استغاثہ کی جانب دیکھا جیسے یہی جاننے کی جستجو میں ہو کہ...... اس میں بتانے والی کون سی بات ہے۔ جج کے متوجہ ہونے پر اس نے مزید کہا۔
"جائے وقوعہ پر ملزمہ کی انگلیوں کے نشانات کئی مقامات پر پائے گئے ہیں۔ پولیس کو اپنی تفتیش مکمل کرنے کیلئے کم از کم سات روزہ ریمانڈ کی ضرورت ہے لہٰذا ان ابتدائی مراحل میں، ملزمہ کی ضمانت کی درخواست منظور کرنا انصاف کے اصولوں کے منافی ہوگا۔"
"یور آنر!" میں نے درخواست ضمانت کے حق میں آواز بلند کرتے ہوئے کہا۔ "میری مؤکل اور اس مقدمے کی ملزمہ ایک معزز شہری ہے۔ وہ بے گناہ ہے۔ اسے کسی گہری سازش کے تحت اس کیس میں ملوث کیا گیا ہے۔ اپنے اس مؤقف کو ثابت کرنے کیلئے میرے پاس ٹھوس دلائل بھی ہیں جنہیں میں مناسب موقع پر عدالتی کارروائی کے دوران میں منظرعام پر لاؤں گا۔ فی الحال معزز عدالت سے میری درخواست ہے کہ میری مؤکل کی درخواست ضمانت کو منظور کرتے ہوئے رہائی کا حکم جاری کیا جائے۔"
"جناب عالی! عدالت صرف حقائق، ثبوت اور سچائی کی بنیاد پر فیصلے کرتی ہے۔" وکیل استغاثہ نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "کسی ملزم کو بے گناہ یا معصوم کہہ دینے سے بات نہیں بنتی۔"
"میں آپ کی بات سے اتفاق کرتا ہوں میرے فاضل دوست!" میں نے نہایت ہی اطمینان سے کہا۔ "عدالت ٹھوس حقائق اور مضبوط دلائل کی روشنی ہی میں فیصلے کرتی ہے اسی لئے تو میں نے عرض کیا ہے کہ میں تمام حقائق اور ثبوت کو عدالتی کارروائی کے دوران میں منکشف کروں گا۔"
"جناب عالی! وکیل صفائی خوبصورت باتیں کر کے معزز عدالت کی توجہ اس کیس پر سے ہٹانا چاہتے ہیں۔" وکیل استغاثہ نے تیز آواز میں کہا۔ "اس سے عدالت کا قیمتی وقت برباد ہو رہا ہے۔ میں معزز عدالت سے درخواست کرتا ہوں کہ ملزمہ کی درخواست ضمانت کو نامنظور کرتے ہوئے اسے حوالہ پولیس کیا جائے تاکہ اس کیس کا معاملہ کچھ آگے بڑھ سکے۔"

میں نے جج کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "جناب عالی! یہ بات میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میری مؤکل کسی بھی قیمت پر اپنے شوہر سفیان علی کا خون نہیں کرسکتی۔"

جج، وکیل استغاثہ اور عدالت میں موجود ہر شخص نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ جج نے سنسناتے ہوئے لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

"بیگ صاحب! آپ اپنے اس دعوے کے حق میں کچھ کہنا چاہیں گے؟"

"ضرور کہنا چاہوں گا جناب عالی!" میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "آج 21 فروری ہے۔ گزشتہ روز یعنی 20 فروری، وقوعہ کی سہ پہر میری مؤکل کو اس کے گھر سے، اپنے شوہر کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے جبکہ صرف آٹھ روز پہلے یعنی 12 فروری کو میری مؤکل نے اپنے شوہر کے خلاف فیملی کورٹ میں ایک مقدمہ دائر کیا تھا۔ مذکورہ عدالت کی جانب سے مقتول سفیان علی کو 22 فروری کو عدالت میں حاضر ہونے کا حکم نامہ جاری کیا گیا تھا اور 20 فروری کو سفیان علی قتل ہو جاتا ہے۔ یہ بڑی حیرت اور اچنبھے کی بات نہیں......؟"

"بیگ صاحب......!" میری بات کے مکمل ہونے پر جج نے کہا۔ "آپ کی مؤکل نے کس سلسلے میں فیملی کورٹ میں مقتول کے خلاف مقدمہ دائر کر رکھا تھا؟"

"جناب عالی...... خلع کا کیس!" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"خلع کا کیس؟" جج کے لہجے میں الجھن در آئی۔

"یس سر! میں نے اٹل انداز میں کہا۔ "میری مؤکل اپنے شوہر کے ساتھ ہرگز ہرگز نہیں رہنا چاہتی تھی...... کیوں؟ اس سوال کا جواب بہت طویل ہے۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو عدالتی کارروائی کے دوران میں اس معاملے کی وضاحت بھی کردوں گا......" لمحاتی توقف کر کے میں نے ایک گہری سانس لی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"ملزمہ فوزیہ نے اپنے شوہر یعنی مقتول سفیان علی سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے 12 فروری کو میری وکالت کے ساتھ ایک فیملی کورٹ میں خلع کا مقدمہ دائر کر رکھا ہے۔ عدالت بخوبی جانتی ہے کہ خلع کے کیسز کا فیصلہ بیوی کے حق میں ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگتا۔ فروری کے اختتام پر زیادہ سے زیادہ مارچ کے وسط تک میری مؤکل کو تو ویسے بھی مقتول سے

نجات حاصل ہو ہی جاتا تھی پھر وہ اسے قتل کرنے کی حماقت کیسے کرسکتی ہے اور...... اگر اسے مقتول کی زندگی کا چراغ گل کر کے ہی مکتی پاتا تھی تو پھر اس غریب کو میرے جیسے مہنگے وکیل کی بھاری فیس ادا کر کے خلع کا مقدمہ دائر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

پھر میں نے خلع والے کیس کی نقول والی فائل جج کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔"اس فائل کے اندر موجود تمام کاغذات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ سفیان علی کو میری مؤکل نے قتل نہیں کیا تھا۔"

جج نے سرسری انداز میں اس فائل کی ورق گردانی کی اور پھر وکیل استغاثہ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔"وکیل صاحب! آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟"

"یہ ملزمہ فوزیہ کی کوئی گہری چال بھی ہوسکتی ہے جناب عالی!" وہ خاصے پرجوش انداز میں بولا۔"اس نے پہلے خلع کا مقدمہ دائر کیا پھر ایک سازش کے تحت مقتول سفیان علی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ خلع کا مقدمہ اس پیش بندی کا شاخسانہ ہوسکتا ہے کہ بعد میں ملزمہ پر شک کی گنجائش باقی نہ رہے اور...... میرے فاضل دوست اسی پیٹرن پر چل کر ملزمہ کی درخواست ضمانت منظور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ فوزیہ مجرم ہے...... جائے وقوعہ کے چپے چپے پر اس کی انگلیوں کے نشانات ملے ہیں۔ اسی نے مقتول سفیان علی کو موت کی نیند سلایا ہے۔"

"مجھے سخت اعتراض ہے جناب عالی!" میں نے احتجاجی انداز میں کہا۔"وکیل سرکار میری مؤکل کو مجرم گردان کر عدالتی قواعد وضوابط کی توہین کر رہے ہیں۔ جب تک کسی ملزم کا جرم ثابت نہیں ہوجاتا اسے مجرم نہیں کہا جاسکتا۔ علاوہ ازیں' میرے فاضل دوست نے بہت زور دے کر کہا ہے کہ میری مؤکل ہی نے مقتول سفیان علی کو موت کی نیند سلایا ہے۔ میں معزز عدالت کی اجازت سے وکیل استغاثہ سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا انہوں نے اپنی آنکھوں سے میری مؤکل کو قتل کی یہ واردات کرتے ہوئے دیکھا ہے......؟"

"ملزمہ کا جرم ثابت نہیں ہوا تو بہت جلد ثابت ہوجائے گا۔" وہ ڈھٹائی سے بولا۔"اور جہاں تک ملزمہ کا قتل کی واردات میں ملوث ہونے کا سوال ہے تو مناسب وقت آنے پر اس امر کا ٹھوس ثبوت بھی مہیا کردوں گا۔ ہمارے پاس ایک چشم دید گواہ بھی موجود ہے۔" وہ لمحے بھر کیلئے سانس درست کرنے کو تھما پھر اپنا بیان مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"جناب عالی! جائے وقوعہ پر متعدد مقامات پر ملزمہ کی انگلیوں کے نشانات موجود ہیں اور استغاثہ کے پاس جو عینی شاہد ہے اس نے ملزمہ کو جائے وقوعہ پر جاتے اور وہاں سے واپس آتے ہوئے دیکھا ہے۔ اگر ملزمہ کی ضمانت قبول کرلی گئی تو تفتیش کے راستے میں ان گنت رکاوٹیں کھڑی ہوسکتی ہیں لہٰذا میری عدالت سے استدعا ہے کہ ملزمہ کی درخواست ضمانت کو رد کرتے ہوئے عرصہ سات یوم کا ریمانڈ دے دیا جائے تاکہ جلد از جلد اس مقدمے کا چالان پیش کردیا جائے۔"

"یور آنر......!" وکیل استغاثہ کے خاموش ہونے پر میں نے کہا۔ "میری مؤکل بالکل بے قصور ہے۔ اسے کسی سوچی سمجھی سازش کے تحت اس کیس میں پھنسانے کی کوشش کی جارہی ہے فی الحال میں تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا کیونکہ اس سے آگے والی عدالتی کارروائی کے متاثر ہونے کا شدید خدشہ ہے۔ میری مؤکل کسی بھی قیمت پر اپنے شوہر کے ساتھ رہنے کو تیار نہیں تھی اور وہ اسے طلاق دینے کے حق میں نہیں تھا۔ مقتول نے طلاق والے معاملے کو اپنی انا کا مسئلہ بنالیا تھا۔ سب طرف سے مایوس ہونے کے بعد ہی اس مجبور و بے بس عورت نے انصاف کیلئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے کا فیصلہ کیا تھا۔ خلع کا مقدمہ اس کی مجبوری اور...... بے کسی کا کھلا ثبوت ہے۔ دونوں جانب سے حالات و واقعات' ثبوت وشواہد بعد میں عدالتی کارروائی کے دوران بھی ڈسکس کئے جاسکتے ہیں۔ سردست میں معزز عدالت سے پرزور اپیل کروں گا کہ میری مؤکل کی درخواست ضمانت قبول کرتے ہوئے اس کی ہتھکڑی کھولنے کے احکام صادر کئے جائیں۔"

"یور آنر! ملزمہ فوزیہ ایک خطرناک اور عیار عورت ہے۔" وکیل استغاثہ نے ملزمہ کی ضمانت رکوانے کیلئے ایک بار پھر زور مارا۔ "اگر اس کی ضمانت منظور کرلی گئی تو تفتیش کی راہ میں بہت سی رکاوٹیں کھڑی ہوجائیں گی۔"

ہمارے درمیان مزید پندرہ بیس منٹ تک اسی نوعیت کی نوک جھونک چلتی رہی پھر جج نے میری مؤکل کی درخواست ضمانت رد کرتے ہوئے سات روز کیلئے ملزمہ کو پولیس کی تحویل میں دینے کے احکام جاری کردیئے۔

پہلے بھی میں کئی بار اس بات کی وضاحت کرچکا ہوں کہ قتل کے ملزم کی ضمانت نہایت ہی مشکل اور ناممکن ہوتی ہے۔ اس کیس میں بقول استغاثہ اس کے پاس اس واردات کا ایک عینی

شاہد بھی موجود تھا۔ علاوہ ازیں جائے وقوعہ کے متعدد مقامات پر ملزمہ کے فنگر پرنٹس بھی ملے تھے لہٰذا اس کی درخواست ضمانت منظور ہونے کے امکانات صفر سے زیادہ نہیں تھے۔

میں نے اس ایک ہفتے میں بھاگ دوڑ کر کے اپنی مرضی اور کام کی بہت سی باتیں جمع کر لیں تاکہ عدالتی کارروائی کے دوران مجھے کسی مرحلے پر دقت کا سامنا نہ ہو۔ سردست میں اس کی تفصیل آپ کی خدمت میں پیش نہیں کروں گا۔ مناسب موقع پر سب کچھ خود بخود آپ کے سامنے آ جائے گا۔

☆......☆......☆

ریمانڈ کی مدت پوری ہونے کے بعد پولیس نے اس مقدمے کا چالان عدالت میں پیش کر دیا۔ ابتدائی چند پیشیاں تکنیکی کارروائی کی نذر ہو گئیں۔ لگ بھگ دو ماہ کے بعد اس کیس کی باقاعدہ سماعت کا آغاز ہوا۔ جج نے فرد جرم پڑھ کر سنائی۔ ملزمہ نے صحت جرم سے انکار کر دیا۔

اس کے بعد ملزمہ فوزیہ کا حلفیہ بیان ریکارڈ کیا گیا۔ اس نے بڑی تفصیل کے ساتھ بیان دیا تھا۔ اپنی اور مقتول کی زندگی کا گویا ایکسرے کر کے رکھ دیا تھا۔ اس بیان میں میری مؤکل نے نہایت ہی خفگی آمیز انداز میں مقتول کیلئے بے غیرت' بے شرم' آوارہ' کمینہ' بدمعاش' عیاش' بدقماش' شیطان' مکروہ' بدذات' بدکار' ہوس پرست' سفاک اور ظالم جیسے الفاظ استعمال کئے تھے۔ اپنے بیان کے اختتام پر اس نے ایک جذباتی جملہ بھی ٹانک دیا تھا حالانکہ میں نے حوالات میں ملاقات کے وقت بڑی سختی کے ساتھ اسے اس نوعیت کی جذباتی غلطی سے باز رہنے کی تلقین کی تھی۔ بہرحال' اس معاملے کو اب مجھے ہی ٹیکل کرنا تھا۔ فوزیہ نے بڑی نفرت سے عدالت کے روبرو یہ کہا تھا۔

"اگر اس نامراد کو قتل ہی کرنا ہوتا تو مجھے اس سے نجات حاصل کرنے کیلئے خلع کا مقدمہ دائر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہاں اگر...... وہ اس کیس کو خراب کرنے کی کوشش کرتا یا اس کیس کا فیصلہ میرے حق میں ہو جانے کے بعد وہ کسی دوسری نوعیت کی کمینگی میں لگ جاتا تو میں نتائج کی پروا کئے بغیر موقع ملتے ہی اس کی جان لینے سے ایک لمحے کیلئے بھی نہ چوکتی چاہے اس کیلئے بعد میں مجھے کتنی بھی مشکلات کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑتا۔"

ٹھیک ہے' یہ فوزیہ کا ایک جذباتی بیان تھا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ جوش بھرے الفاظ

اس کے احساسات کی سچائی کی ترجمانی بھی کرتے تھے۔ حالات نے اس دکھوں کی ماری کو گھٹ گھٹ کر جینے کے بجائے ایک ہی بار اذیت سے گزر کر مر جانے پر راضی کرلیا تھا۔ وہ ذہنی طور پر "مرو یا مارو" کے اصول پر عمل پیرا ہونے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اس نے اپنے حلفیہ بیان میں نرگس کی ٹیلیفون کال کی بھی تفصیل شامل کردی تھی جو اس کے کیس کو مضبوطی بخشتی تھی۔

استغاثہ کی جانب سے گواہان کی نہایت ہی مختصر سی فہرست دائر کی گئی تھی لیکن میں یہاں پر صرف انہی گواہوں کا تذکرہ کروں گا جن کے بیان میں کام کی کوئی بات موجود ہوگی یعنی گواہوں کی یہ فہرست اور بھی مختصر ہونے کے روشن امکانات ہیں۔

استغاثہ کی جانب سے شہادتوں کا سلسلہ شروع ہونے سے قبل ہی میں نے جج سے درخواست کی۔ "یور آنر...... میں اس کیس کے تفتیشی افسر سے چند اہم سوال کرنا چاہتا ہوں۔"

جج نے فوراً میری فرمائش پوری کردی۔

اگلے ہی لمحے تفتیشی افسر وٹنس باکس (گواہوں والے کٹہرے) میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ کسی بھی کیس میں تفتیشی افسر یا انکوائری آفیسر کی حیثیت استغاثہ کے ایک گواہ ایسی ہوتی ہے اور اسے ہر پیشی پر عدالت میں حاضر رہنا پڑتا ہے۔ اس کیس کا انکوائری آفیسر عہدے کے لحاظ سے ایک اے ایس آئی تھا۔ وہ ایک فربہ اندام مگر چست و چالاک پولیس والا تھا۔

میں گواہوں والے کٹہرے کے قریب آ گیا اور آئی او کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ "آئی او صاحب! مجھے پتا چلا ہے آپ اپنے ڈیپارٹمنٹ میں "اے جی" کے نام سے جانے اور پکارے جاتے ہیں۔ یہ "اے جی" کیا شے ہے؟"

"اے جی!" وہ زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔ "مطلب عبدالغفار۔"

وہ ایک پستہ قامت فربہ اور پھولے پھولے گالوں والا اے ایس آئی تھا اور جب وہ مسکراتا تھا تو اس کے گالوں میں ڈمپل بھی پڑتے تھے۔ میں نے اس کے جواب پر سرسری انداز میں کہا۔

"اوہ...... اچھا...... جیسے "اے ڈی" سے اللہ دتہ اور "جی این" سے غلام نبی۔ میں دراصل یہ سمجھا تھا کہ "اے جی" شاید کوئی ڈگری وغیرہ ہے یا پھر...... "اے جی" کا مطلب اکاؤنٹنٹ جنرل ہے...... جیسے "اے جی سندھ" بھی کہا جاتا ہے۔"

اس نے میرے تبصرے پر کچھ کہنا مناسب نہ جانا اور چپ چاپ گہری نظر سے مجھے دیکھتا چلا گیا۔ میں نے سوالات کے سلسلے کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

''اے جی صاحب! آپ کو اس واقعہ کی اطلاع کب اور کس نے دی تھی؟''

''ہمارے روزنامچے کے مطابق یہ اطلاع وقوعہ کے روز یعنی 20 فروری کو بذریعہ ٹیلیفون دی گئی تھی۔'' وہ پرسوچ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''اور اطلاع کنندہ کا نام ہے نورین......''

''نورین......!'' میں نے زیرلب دہرایا' پھر مصنوعی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ ''یہ نورین کون ہے؟''

''مقتول کی بیوی...... میرا مطلب ہے' مقتول کی بیوہ۔''

''لیکن مقتول کی ایک بیوہ کا نام تو رضوانہ ہے۔'' میں نے تیز نظر سے تفتیشی افسر کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''اور دوسری بیوی اس کیس کی ملزمہ اور میری مؤکل فوزیہ ہے...... آپ نے یہ تیسری بیوی کہاں سے پیدا کرلی...... میرا مطلب ہے' کہاں سے نکال لی؟''

وہ میرے اس چبھتے ہوئے سوال پر تلملا کر رہ گیا تاہم کوئی سخت قسم کا ردعمل ظاہر کرنے کے بجائے اس نے طنزآمیز لہجے میں جواب دیا۔

''نورین کو میں نے نہیں بلکہ اس کے والدین نے پیدا کیا ہے اور جہاں تک کہیں سے نکالنے کا تعلق ہے تو اس میں بھی میرا کوئی ہاتھ نہیں۔ مقتول نے اس سے باقاعدہ نکاح کر کے اسے بہادرآباد والے فلیٹ پر رکھا ہوا تھا۔ وہ مقتول کی تیسری بیوہ ہے۔ قتل چونکہ اس کے فلیٹ پر ہوا تھا اس لئے اسی نے تھانے فون کر کے ہمیں اس واردات کی اطلاع دی تھی۔''

''اے جی صاحب!'' میں نے جرح کے سلسلے کو نہایت ہی سنجیدگی سے آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ نے یہ نہیں بتایا کہ یہ اطلاع آپ کو کتنے بجے دی گئی تھی؟''

''لگ بھگ اڑھائی بجے......!'' اس نے جواب دیا۔

''یعنی دو بجکر تیس منٹ پر؟''

''جی ہاں...... اڑھائی کا مطلب' دو بج کر تیس منٹ ہی ہوتا ہے۔'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔

''اوکے......!'' میں نے اس کی تکلیف پر پھایا رکھتے ہوئے کہا' پھر سوال کیا۔ ''مقتول

کی بیوہ نورین نے اپنے شوہر مقتول سفیان علی کی موت کی اطلاع کن الفاظ میں دی تھی؟"
"صرف ایک لائن میں۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔" جلدی پہنچیں۔ کسی نے میرے شوہر کا قتل کر دیا ہے۔"
"آپ کے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ نورین نے اپنی آنکھوں سے مقتول کو قتل ہوتے دیکھا تھا؟" میں نے استفسار کیا۔
"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔" وہ جلدی سے بولا۔"اگر نورین نے اپنی آنکھوں سے یہ قتل ہوتے دیکھا ہوتا تو پھر اس کے الفاظ یہ ہوتے...... جلدی پہنچیں۔ فوزیہ نے میرے شوہر کو قتل کر دیا ہے۔"
"تو گویا آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ نورین' فوزیہ کی صورت آشنا ہے؟"
"سوتنوں کو ایک دوسرے کی صورت آشنا تو ہونا ہی چاہئے۔" وہ متذبذب انداز میں بولا اور بات ختم کر کے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔
"یہ کوئی فارمولا نہیں ہے۔" میں نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔"اس نوعیت کی شادیوں میں شوہر عموماً اپنی دوسری' تیسری یا چوتھی بیوی کو اپنی پہلی یا دوسری یا تیسری بیوی سے چھپا کر رکھنے کی کوشش کرتا ہے تا کہ نقص امن کا خطرہ پیدا نہ ہو اور وہ اپنے نصیب کی آکسیجن کو اپنی مرضی سے پھیپھڑوں میں اتارتا رہے۔"
اس نے میری وضاحت پر کوئی تبصرہ کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔
میں نے پوچھا۔" آپ جائے وقوعہ پر کتنے بجے پہنچے تھے؟"
"ٹھیک تین بجے سہ پہر۔" اس نے جواب دیا۔
"اور ٹھیک چار بجے آپ نے میری مؤکل کو اس کے گھر سے اپنے شوہر کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا تھا......" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔"آئی ایم رائٹ......؟"
"جی' آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔" کم وبیش چار بجے میں نے ملزمہ فوزیہ کو گرفتار کیا تھا۔"
"ٹھیک ہے......" میں نے غیر محسوس انداز میں اپنا جال پھیلاتے ہوئے کہا۔" آپ ٹھیک تین بجے جائے وقوعہ یعنی نورین کے فلیٹ واقع بہادر آباد پہنچے۔ فلیٹ کے اندر آپ نے

کیا دیکھا؟"

"جب میں اور دو ماتحت اہلکار جائے واردات پر پہنچے تو دروازہ مقتول کی بیوی نورین نے کھولا تھا۔ وہ ہمیں سیدھی بیڈ روم میں لے گئی۔" وہ بڑے اعتماد کے ساتھ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "اور بیڈ روم میں' بیڈ کے اوپر مقتول سفیان کی لاش پڑی تھی۔"

"بیڈ پر لاش پڑی تھی......" میں نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "مطلب' پہلی نظر دیکھ کر ہی آپ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ سفیان علی کو اب زندوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا؟"

"جی ہاں' یہی بات ہے۔" اس نے ایک بار پھر اثبات میں گردن ہلائی۔ "اس کی کھوپڑی کا جو حشر ہو چکا تھا اس میں کسی شک و شبے کی گنجائش تلاش نہیں کی جا سکتی تھی۔ سارا لباس اور بیڈ کا کچھ حصہ بھی خون آلود تھا۔ مجھے یہ اندازہ قائم کرنے میں کسی دقت کا سامنا نہیں ہوا کہ سفیان علی موت کے گھاٹ اتر چکا ہے۔"

"او کے اے جی صاحب!" میں نے سرسری انداز میں کہا۔ "اب ذرا یہ بھی بتا دیں کہ آپ نے پوسٹ مارٹم رپورٹ کو توجہ سے پڑھا ہے؟"

"جی ہاں...... پوری توجہ سے۔" وہ بڑے اعتماد سے بولا۔

"پڑھا تو میں نے بھی ہے......" میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "میں آپ سے چند امور کی تصدیق چاہتا ہوں۔ کیا آپ میرے چند سوالات کے مختصر جوابات دینا پسند فرمائیں گے؟"

"ضرور...... آپ پوچھیں' کیا پوچھنا چاہتے ہیں......"

میں نے پوچھا۔ "پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق' مقتول سفیان علی کی موت 20 فروری کی دوپہر ایک اور تین بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی؟"

"جی ہاں......!" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"اس کی کھوپڑی پر سائیلنسر لگے اعشاریہ تین آٹھ کے ریوالور سے فائر کیا گیا تھا......؟"

"درست......!"

"صرف ایک گولی نے مقتول کا کام تمام کر دیا تھا؟"

"جی...... رپورٹ یہی بتاتی ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "کھوپڑی کے اندر دھنسنے والی

گولی نے اس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑا دیئے تھے اور بھیجا کھوپڑی کے اندر سے نکل کر ادھر ادھر بکھر گیا تھا۔“

”اور یہ فائر...... بے آواز فائر بہت نزدیک سے کیا گیا تھا؟“

اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

”پوسٹمارٹم رپورٹ میں بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہوا ہے کہ مقتول پر گولی اس کی بے خبری میں چلائی گئی تھی۔“ میں نے ایک نہایت ہی اہم سوال کیا۔”اور یہ گولی مقتول کی کھوپڑی کے عقبی حصے سے اس کے بھیجے میں داخل ہوئی تھی یعنی...... قاتل نے مقتول کے عقب سے نہایت ہی کم فاصلے سے اس پر ایک بے آواز فائر کیا تھا؟“

”جی ہاں...... یہی حقیقت ہے۔“ وہ پریقین انداز میں بولا۔

میں نے جرح کا زاویہ تبدیل کرتے ہوئے اپنے سوالات میں تیزی پیدا کی اور پوچھا۔

”یقیناً موقع واردات کی ضروری کارروائی مکمل کرنے کے بعد ہی آپ نے ملزمہ کے گھر کا رخ کیا ہوگا؟“

”ظاہر ہے......!“

”آپ کس کی نشاندہی یا رہنمائی میں ملزمہ فوزیہ کو گرفتار کرنے طارق روڈ کی سمت لپکے تھے؟“ میں نے کریدنے والے انداز میں پوچھا۔”نورین نے فوزیہ کو وہاں آتے جاتے نہیں دیکھا تھا اور اگر دیکھا بھی ہوتا تو وہ پہچان نہیں سکتی تھی کیونکہ آپ ہی کے مطابق وہ ایک دوسرے کی صورت آشنا نہیں ہیں پھر...... پھر آپ نے یہ معاملہ کس طرح ٹیکل کیا؟“

”بات دراصل یہ ہے جناب......“ وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔

”ہمیں جائے وقوعہ سے ایک ایسا گواہ مل گیا تھا جس نے ملزمہ کو نورین کے فلیٹ کے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ......“

”اچھا اچھا......“ میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔”کہیں یہ وہی گواہ تو نہیں جس کا استغاثہ رپورٹ میں بڑی دھوم دھام کے ساتھ ذکر کیا گیا تھا؟“

”جی...... جی ہاں وہی!“

”کیا میں اس گواہ کا نام جان سکتا ہوں؟“

”فہمیدہ...... آنٹی فہمیدہ!“ اس نے جواب دیا۔

"تو آپ کا دعویٰ ہے کہ یہ عینی شاہد فہمیدہ آنٹی ملزمہ فوزیہ کو شکل سے اچھی طرح پہچانتی ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"جی بالکل......!" اس نے پرشوق انداز میں گردن ہلائی۔

"کیا فہمیدہ آنٹی نورین کو بھی پہچانتی اور جانتی ہے......؟"

"نن......نہیں......!"

"تھینک یو اے جی صاحب!" میں نے تفتیشی افسر پر جرح ختم کرتے ہوئے کہا پھر روئے سخن جج کی سمت موڑتے ہوئے اضافہ کیا۔

"مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی!"

آئی او نے سکھ کی سانس لی۔ اس کے بعد استغاثہ کی جانب سے کوئی گواہ مزید پیش کرنے کی نوبت نہیں آ سکی کیونکہ عدالت کا مقررہ وقت ختم ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

آئندہ پیشی پر آنٹی فہمیدہ کو استغاثہ کی جانب سے پیش کیا گیا۔ آنٹی فہمیدہ کی عمر چالیس سے متجاوز تھی۔ وہ درمیانے قد اور بھاری بھر کم بدن کی مالک ایک قبول صورت عورت تھی۔ اس نے آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگا رکھا تھا۔ موسم کی مناسبت سے اس نے پرنٹڈ لان کا سوٹ زیب تن کر رکھا تھا۔

فہمیدہ آنٹی اپنا حلفیہ بیان ریکارڈ کرا چکی تو وکیل استغاثہ نے اسے اپنے نرغے میں لے لیا۔ میں نے استغاثہ کے اس کردار سے متعلق اپنی تحقیقات مکمل کر کے اچھی خاصی مفید معلومات حاصل کر لی تھیں۔

وکیل استغاثہ نے فہمیدہ آنٹی کو اپنی جرح کے رگڑے سے نکالا تو میں سوالات کیلئے وٹنس باکس کے نزدیک چلا گیا۔ میں نے استغاثہ کی گواہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"فہمیدہ صاحبہ! میں آپ کو آنٹی فہمیدہ کہوں یا فہمیدہ آنٹی؟"

اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا تاہم ضبط کا پلو بڑی احتیاط سے تھامتے ہوئے اس نے جواب دیا۔ "وکیل صاحب! آپ مجھے صرف فہمیدہ کہیں تو زیادہ مناسب ہوگا......"

"فہمیدہ صاحبہ!" میں نے گہری سنجیدگی سے سوال کیا۔ "آپ کی رہائش کس جگہ پر ہے؟"

"طارق روڈ پر۔"

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "طارق روڈ پر کس جگہ؟"

"وہیں...... جہاں ملزمہ فوزیہ کی رہائش ہے۔" اس نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ "میں بھی اسی بلڈنگ میں رہتی ہوں۔"

اب کی بار فوزیہ نے بڑی حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔ اس کی حیرانی بجا تھی کیونکہ وہ اس حقیقت سے واقف نہیں تھی کہ فہمیدہ بھی اسی بلڈنگ کی رہائشی تھی جہاں وہ خود رہتی تھی۔ میں نے فہمیدہ کے حوالے سے تحقیق کرتے ہوئے اس امر کی تصدیق کر لی تھی' تاہم فوزیہ کو اس حوالے سے کچھ نہیں بتایا تھا۔ فہمیدہ آنٹی غلط نہیں کہہ رہی تھی۔ وہ واقعی اسی بلڈنگ کی رہائشی تھی۔

"لیکن فہمیدہ صاحبہ......!" میں نے گواہ کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔ "میری مؤکل اور اس کیس کی ملزمہ تو آپ کو نہیں جانتی۔ اس نے کبھی آپ کو اپنی بلڈنگ میں نہیں دیکھا تھا......؟"

"دراصل' مجھے اس بلڈنگ میں رہائش اختیار کئے ابھی چند ہی روز ہوئے ہیں۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ "ملزمہ کا فلیٹ سیکنڈ فلور پر واقع ہے جبکہ میں فورتھ فلور کے ایک فلیٹ میں کرائے دار کی حیثیت سے آئی ہوں۔ اسی لئے فوزیہ کو میرے بارے میں کچھ علم نہیں۔"

"کمال کی بات ہے فہمیدہ صاحبہ۔" میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ "میری مؤکل تو آپ کو جانتی تک نہیں آپ اس کے بارے میں اچھی خاصی معلومات رکھتی ہیں۔"

"یہ تو اپنی اپنی جان کاری کی بات ہے وکیل صاحب!"

"بالکل درست فرما رہی ہیں آپ۔" میں نے سرسری انداز میں کہا' پھر پوچھا۔ "کیا آپ کو اس بات کا احساس ہے کہ آپ استغاثہ کی سب سے زیادہ اہم اور معتبر گواہ ہیں؟"

"میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ میں ایک گواہ ہوں۔" وہ بڑی سادگی سے بولی۔

"صرف گواہ نہیں فہمیدہ صاحبہ!" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”آپ اس کیس میں استغاثہ کی جانب سے آئی وٹنس یعنی عینی گواہ کی حیثیت سے آج عدالت میں پیش ہوئی ہیں۔ وقوعہ کے روز آپ نے میری مؤکل فوزیہ کو بہادرآباد والے نورین کے فلیٹ میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔“

”جی ہاں...... یہ درست ہے۔“ اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

”کیا میں یہ جان سکتا ہوں کہ آپ وقوعہ کے روز بہادرآباد والی اپارٹمنٹ بلڈنگ میں کیا کر رہی تھیں؟“

”میں وہاں اپنی خالہ سے ملنے گئی تھی۔“ اس نے جواب دیا۔

”اچھا...... تو آپ کی خالہ بھی اسی بلڈنگ میں رہتی ہیں جس کے ایک فلیٹ...... نمبر چار سو چار میں سفیان علی کو بڑی...... بے دردی سے سر میں گولی مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا؟“

”جی ہاں، یہی حقیقت ہے۔“

”آپ کی خالہ کا نام کیا ہے؟“

”صفیہ خالہ......!“

”آپ کی صفیہ خالہ اس بلڈنگ کے کس فلیٹ میں رہتی ہیں؟“

”فلیٹ نمبر چھ سو دو۔“ اس نے جواب دیا۔ ”چھٹے فلور پر......“

”کیا آپ اکثر اپنی صفیہ خالہ سے ملنے اس بلڈنگ میں جاتی رہتی ہیں؟“

”جی ہاں......!“

”آپ نے ملزمہ فوزیہ کو کس وقت فلیٹ نمبر چار سو چار میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا؟“ میں نے سوال کیا۔ ”میرا مطلب ہے، جب آپ اپنی صفیہ خالہ سے ملنے جا رہی تھیں یا جب وہاں سے واپس آ رہی تھیں؟“

”جب میں اپنی خالہ سے ملنے جا رہی تھی۔“ اس نے جواب دیا۔ ”اسے اس بلڈنگ میں دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تھی لیکن میں نے اس سے بات کرنا یا کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا اور سیدھی اپنی خالہ کے فلیٹ کی طرف چلی گئی تھی۔“

”کیا ملزمہ فوزیہ نے بھی آپ کو اس بلڈنگ میں دیکھ لیا تھا؟“

ایک لمحہ سوچنے کے بعد اس نے جواب دیا۔ ”میرا خیال ہے...... نہیں......!“

''ابھی تک آپ نے میرے جن سوالات کے جوابات دیئے ہیں ان میں سے کسی میں کوئی تبدیلی تو نہیں کرنا......؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''بالکل نہیں...... میں نے جو بھی بتایا ہے' سولہ آنے سچ بتایا ہے۔'' وہ بڑے اعتماد سے بولی۔'' آپ یہ بات کیوں پوچھ رہے ہیں وکیل صاحب؟''

میں نے اس کے سوال کا جواب دینا مناسب نہ جانا اور سوالات کے سلسلے کو ایک انوکھا موڑ دیتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کی نشاندہی اور رہنمائی میں پولیس نے میری مؤکل کو اس کے گھر سے گرفتار کیا تھا اور اس امر کی تصدیق پچھلی پیشی پر انکوائری آفیسر اے جی نے بھی کی ہے۔ میں اپنی معلومات کی خاطر یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ نے کس طرح پولیس کی رہنمائی فرمائی تھی...... کیا آپ بھی پولیس کے ساتھ ہی واپس طارق روڈ والے فلیٹ پر گئی تھیں یا بس انہیں میری مؤکل کا ایڈریس سمجھا دیا تھا؟''

''میں ان کے ساتھ نہیں گئی تھی۔'' اس نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے جواب دیا۔'' بس انہیں گائیڈ کر دیا تھا۔''

''آپ کا گھر بھی اسی بلڈنگ میں واقع ہے جہاں ملزمہ کی رہائش ہے۔'' میں نے کرید کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا۔'' یہ جتنا بڑا واقعہ پیش آیا تھا اس میں تو آپ کو فوراً اپنے گھر کی جانب ریس ہو جانا چاہئے تھا پھر آپ اطمینان سے اپنی صفیہ خالہ کے گھر میں کیوں بیٹھی رہی تھیں؟''

''میں کسی خاص کام سے صفیہ خالہ سے ملنے گئی تھی اور جب تک وہ کام ہو نہ جاتا میں واپس نہیں آسکتی تھی۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔'' پھر یہ واقعہ میرے وہاں پہنچنے کے چند منٹ بعد ہی پیش آ گیا تھا۔''

''چند منٹ......!'' میں نے پوچھا۔'' مثلاً کتنے منٹ؟''

''یہی کوئی دس پندرہ یا بیس منٹ۔'' اس نے جواب دیا۔'' میں ابھی جا کر اپنی خالہ کے پاس بیٹھی ہی تھی کہ نیچے سے شور اٹھا۔ پھر پتا چلا کہ چوتھے فلور کے ایک فلیٹ میں کسی کو قتل کر دیا گیا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد پولیس بھی تفتیش کیلئے موقع پر پہنچ گئی۔''

''آپ کب اس تحقیقاتی کمیشن یا تفتیشی ٹیم میں شامل ہوئی تھیں؟'' میں نے طنزیہ انداز

میں نے استفسار کیا۔" مطلب یہ کہ پولیس نے آپ سے کب رابطہ کیا یا آپ نے کب پولیس کو بتایا کہ آپ نے میری مؤکل اور اس مقدمے کی ملزمہ فوزیہ کو فلیٹ نمبر چار سو چار کے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا؟"

"بات دراصل یہ ہے وکیل صاحب کہ جب یہ شور اٹھا کہ فلیٹ نمبر چار سو چار میں کسی بندے کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے تو میرا ماتھا ٹھنکا کیونکہ میں نے بیس پچیس منٹ پہلے اسی فلیٹ میں فوزیہ کو داخل ہوتے دیکھا تھا۔ میں گھر سے نکلی اور چوتھے فلور پر آ گئی۔ خالہ صفیہ بھی میرے ہمراہ تھیں۔ چوتھے فلور پر پولیس تفتیش کرتے ہوئے مختلف لوگوں کے بیانات بھی لے رہی تھی۔ جب مجھ سے انہوں نے پوچھا تو میں نے انہیں سب کچھ صاف صاف بتا دیا۔"

"وہ پھر...... آپ کی نشاندہی پر سیدھے طارق روڈ پہنچے اور آناً فاناً میری مؤکل کو گرفتار کر کے لے گئے۔" میں نے کہا۔" میں غلط تو نہیں کہہ رہا فہمیدہ صاحبہ......؟"

"نہیں جی...... آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔"

"فہمیدہ صاحبہ!" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"ابھی تک آپ نے میرے جن سوالات کے جوابات دیئے ہیں ان میں سے کسی میں کوئی تبدیلی تو نہیں کرنا......؟"

"کک...... کیا مطلب ہے آپ کا......" وہ خفگی آمیز نظر سے مجھے تکنے لگی۔" یہ سوال آپ پہلے بھی مجھ سے کر چکے ہیں۔"

"آبجیکشن یور آنر......!" وکیل استغاثہ نعرہ مستانہ لگاتے ہوئے فوراً اپنی گواہ کی مدد کو لپکا۔" جناب عالی! میرے فاضل دوست استغاثہ کی معزز گواہ کو خوامخواہ ہراساں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انہیں ایسے ہتھکنڈے آزمانے سے باز رہنے کی تلقین کی جائے۔"

جج نے سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا۔

میں نے کہا۔" جناب عالی! میرے اس سوال کا ایک خاص مقصد ہے۔ اگر استغاثہ کا گواہ صرف ایک بار جواب دے دے تو میں آئندہ کبھی بھی ان سے یہ سوال نہیں کروں گا۔"

اب کی بار جج نے سوالیہ انداز میں فہمیدہ آنٹی کی طرف دیکھا۔

وہ جلدی سے بولی۔" میں نے خدا کو حاضر و ناظر جان کر سب کچھ سچ بتایا ہے۔ آپ کی مرضی ہے، میری بات کا یقین کریں یا نہ کریں۔"

''آپ نے کہا اور میں نے یقین کرلیا فہمیدہ ماسی!'' میں نے ایک ایک لفظ پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔

فہمیدہ کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔ اس نے گھبرا کر وکیل استغاثہ کی جانب دیکھا۔ وکیل استغاثہ کچھ زیادہ ہی جوش میں آ گیا اور آتشیں لہجے میں بولا۔

'' جناب عالی! وکیل صفائی نے تمام اخلاقی حدود کو پامال کردیا ہے۔ استغاثہ کی معزز گواہ کو ماسی...... یعنی نوکرانی کہہ دینا انتہائی گری ہوئی حرکت ہے...... اٹ از ٹو یج یور آنر......!''

وکیل استغاثہ کے اعتراض پر جج نے تشویش بھرے انداز میں مجھے گھورا اور پوچھا۔

''بیگ صاحب! آپ نے استغاثہ کی گواہ کیلئے اس قسم کے الفاظ کیوں استعمال کئے ہیں...... عدالت وضاحت چاہتی ہے۔''

'' جناب عالی!'' میں نے نہایت ہی ادب و احترام کے ساتھ اپنی معلومات کے دریا بہاتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ''پھول کو پھول' مالی کو مالی اور گالی کو گالی کہنا کسی بھی طور اخلاق سے گری ہوئی حرکت نہیں ہوسکتی اسی طرح......'' میں نے دانستہ توقف کرکے ایک گہری سانس خارج کی' پھر بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''اسی طرح ماسی کو ماسی کہنا بھی کوئی جرم نہیں یور آنر!''

''آپ کا مطلب ہے' استغاثہ کی گواہ فہمیدہ' گھروں میں کام کرنے والی ایک نوکرانی ہے......؟'' جج کے استفسار سے بے یقینی جھلکتی تھی۔

'' دریں چہ شک!'' میں نے ٹھوس انداز میں کہا۔'' اور میں اپنے اس دعوے کو ابھی معزز عدالت کے سامنے سچ بھی ثابت کرکے دکھا سکتا ہوں۔''

'' پرمیشن گرانٹیڈ......!'' جج نے بھاری بھرکم آواز میں کہا۔

''فہمیدہ صاحبہ!'' میں نے استغاثہ کی گواہ کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے سوال کیا۔

''آپ نے ابھی تھوڑی دیر پہلے میرے ایک سوال کے جواب میں بتایا تھا کہ آپ اکثر اپنی صفیہ خالہ سے ملنے اس بلڈنگ میں جایا کرتی تھیں؟''

''جی...... میں نے یہی بتایا ہے۔'' وہ تھوک نگلتے ہوئے بولی۔

''معزز عدالت یہ جاننا چاہتی ہے کہ صفیہ نامی وہ عورت آپ کی سگی خالہ ہے یا سوتیلی؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"کک...... کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ بے ساختہ بولی۔ پھر گڑبڑائے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔" آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں؟"

اس دوران میں، میں استغاثہ کی سب سے اہم گواہ فہمیدہ آنٹی کے بارے میں اچھی خاصی تحقیق اور تفتیش کر چکا تھا لہٰذا میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"ویری سمپل...... میں نے یہ پوچھا ہے کہ صفیہ رشتے میں آپ کی خالہ ہیں یعنی وہ آپ کی والدہ کی بہن ہیں یا پھر محض نام کی خالہ ہیں جیسا کہ کسی بھی خاتون کو خالہ کہہ دیا جاتا ہے؟"

"صفیہ خالہ میری سگی خالہ ہیں۔" اس نے اپنے لہجے میں مضبوطی پیدا کرتے ہوئے جواب دیا۔

"ویری گڈ......!" میں نے استہزائیہ انداز میں کہا' پھر پوچھا۔"اس کا مطلب ہے' آپ رضیہ نامی کسی عورت کو بھی جانتی ہوں گی؟"

"کون رضیہ؟" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

"کمال ہے' آپ رضیہ کو نہیں جانتیں!" میں نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔"بھئی' میں گلشن اقبال والی رضیہ کی بات کر رہا ہوں...... تمہاری صفیہ خالہ کی سگی بہن...... کیا رضیہ کو خالہ کہتے ہوئے تمہیں موت آتی ہے؟" میں اچانک "آپ" سے "تم" پر اتر آیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میرا انداز بھی خاصا جارحانہ ہو گیا تھا۔ وہ گھبرا گئی اور جلدی سے بولی۔

"او...... ہاں...... جی بالکل...... وہ بھی میری سگی خالہ ہیں...... آپ نے اچانک سوال کیا تو میں الجھ کر رہ گئی تھی......"

"کوئی بات نہیں۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔"اگر تم اس الجھن سے نکل آئی ہو تو میں سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھاؤں......؟"

"جج...... جی...... ضرور......" اس نے اٹک اٹک کر کہا۔

"فہمیدہ!" میں نے بدستور سخت لہجے میں کہا۔" تھوڑی دیر پہلے تم نے میرے ایک سوال کے جواب میں معزز عدالت کو بتایا تھا کہ وقوعہ کے روز تم کسی خاص کام سے اپنی صفیہ خالہ سے ملنے مقتول والی بلڈنگ میں گئی تھیں یعنی بہادر آباد والی اس اپارٹمنٹ بلڈنگ میں جہاں نورین اور فوزیہ اور رضوانہ کے شوہر سفیان علی کو قتل کر دیا گیا تھا؟"

"جی بالکل...... میں نے یہی بتایا ہے۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

"وہ ضروری کام کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔ "جو جب تک ہو نہ جاتا' آپ وہاں سے واپس نہیں آ سکتی تھیں؟"

"کیا اس کام کا ذکر کرنا ضروری ہے؟" وہ ہچکچائی۔

"جی ہاں...... بہت ضروری ہے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ نہیں بتائیں گی تو مجبوراً اس کا ذکر کرنا پڑے گا کیونکہ میں تو صفیہ خانم کو بھی اچھی طرح جانتا ہوں اور رضیہ خالہ کو بھی......!"

اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ بری طرح پھنس گئی ہو۔ میں نے ٹھوس انداز میں کہا۔ "آپ بتا رہی ہو یا میں یہ قصہ شروع کروں؟"

"آبجیکشن یور آنر!" وکیل استغاثہ فوراً اپنے سب سے اہم گواہ کی مدد کو لپکا۔ "میرے فاضل دوست خوامخواہ کے سوالات سے استغاثہ کی گواہ کو ہراساں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"میں نہ تو آپ کی گواہ کو ہراساں کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اور نہ ہی میرا یہ سوال خوامخواہ کا ہے۔" میں نے ترکی بہ ترکی کہا۔ "میں تو معزز عدالت کی جانب سے پوچھے گئے ایک سوال کی وضاحت کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" پھر میں نے روئے سخن جج کی جانب موڑا اور نہایت ہی مؤدب لہجے میں کہا۔

"جناب عالی! میرے ایک انکشاف کے جواب میں آپ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ...... آپ کا مطلب ہے' استغاثہ کی گواہ فہمیدہ گھروں میں کام کرنے والی ایک نوکرانی ہے؟"

"تو کیا ایسا ہی ہے؟" جج نے دلچسپی لیتے ہوئے مجھ سے استفسار کیا۔

"جناب عالی! اس سوال کا جواب تو استغاثہ کی سب سے اہم گواہ فہمیدہ آنٹی دیں گی...... اگر اس کی زبان کا تالا نہ کھلا تو مجبوراً مجھے یہ قصہ بیان کرنا پڑے گا۔"

"بی بی! تم کیا کہتی ہو؟" جج نے فہمیدہ کی طرف دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

اس کیلئے "نہ پائے رفتن' نہ جائے ماندن" کی سی صورتحال پیدا ہو گئی تھی۔ پہلے اس نے وکیل استغاثہ کی جانب دیکھا' پھر بولی۔

"مجھے رضیہ خالہ نے ایک ضروری کام سے صفیہ خالہ کے پاس بھیجا تھا۔"

"کون سے ضروری کام سے؟" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''ج..... جی..... جی..... وہ.....'' وہ بری طرح الجھ کر رہ گئی۔

''کیا جج جج لگا رکھی ہے!'' میں نے اس پر چڑھائی کر دی۔ ''صاف کیوں نہیں کہتی ہو کہ کسی زمانے میں تم گلشن اقبال میں رہتی تھیں اور رضیہ نامی اس عورت کے گھر میں ایک نوکرانی کی حیثیت سے کام کیا کرتی تھیں۔ رضیہ کی بہن صفیہ کو جب ایک نوکرانی کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس نے اپنی بہن رضیہ سے کہا۔ رضیہ نے تم سے کہا کہ جا کر صفیہ سے مل لو اور تم اپنی ''صفیہ خالہ'' سے ملنے پہنچ گئیں۔'' میں نے صفیہ خالہ کے الفاظ پر اچھا خاصا زور ڈالا تھا۔ ''کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''نن نہیں.....'' وہ لکنت زدہ لہجے میں بولی۔ ''ایسا ہی تھا۔''

''یور آنر!'' میں نے فاتحانہ انداز میں جج کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''جیسا کہ تھوڑی دیر پہلے میں نے عرض کیا تھا کہ میں اپنے اس دعوے کو معزز عدالت کے سامنے سچ کر کے دکھا سکتا ہوں کہ استغاثہ کی گواہ فہمیدہ آنٹی گھروں میں کام کرنے والی ایک نوکرانی ہے تو..... یہ بات ثابت ہو چکی لیکن اتنا ثابت ہو جانا کافی نہیں ہے۔''

''آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں وکیل صاحب؟'' جج نے متعجب نظر سے مجھے دیکھا۔

''جناب عالی! میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ معزز عدالت کیلئے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ رضیہ نے فہمیدہ کو صفیہ کے پاس کس کام کی غرض سے بھیجا تھا۔''

''لیکن آپ بتا تو چکے ہیں کہ صفیہ کو ایک نوکرانی کی ضرورت تھی جبھی رضیہ نے فہمیدہ کو اس کے پاس بھیجا تھا۔'' جج کے استفسار میں حیرت شامل تھی۔

''ایگزیکٹلی..... میں نے یہی کہا ہے۔'' میں نے پرجوش لہجے میں کہا۔ ''لیکن اس امر کی وضاحت ہونا ضروری ہے کہ جب صفیہ کے گھر میں ایک ملازمہ پہلے سے کام کر رہی تھی تو پھر کسی اور نوکرانی کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟''

''بی بی! بتاؤ' تم اس سلسلے میں کیا کہتی ہو؟'' جج وٹنس باکس میں کھڑی فہمیدہ سے مستفسر ہوا۔

''وہ جی..... جج صاحب..... صفیہ خالہ کو نہیں..... بلکہ کسی اور کو ضرورت تھی۔''

''کس کو.....؟'' میں نے چیخ سے مشابہ آواز میں پوچھا۔

''جناب عالی! مجھے سخت اعتراض ہے۔'' وکیل استغاثہ ایک مرتبہ پھر بیچ میں کود پڑا۔

"صفیہ خالہ کا زیر سماعت کیس سے کیا تعلق۔ وکیل صفائی ادھر اودھر کے غیر ضروری معاملات میں الجھ کر معزز عدالت کا قیمتی وقت برباد کر رہے ہیں۔"

اس مرتبہ میں نے وکیل استغاثہ کو آڑے ہاتھوں لیا اور درشت لہجے میں کہا۔ "میرے فاضل دوست! نمبر ون' میں اِدھر اُدھر کا کوئی بھی غیر ضروری سوال نہیں کر رہا ہوں۔ نمبر ٹو' میں جو کچھ بھی پوچھ رہا ہوں اس کا زیر سماعت کیس سے گہرا تعلق ہے۔ نمبر تھری' براہ مہربانی میری بات مکمل ہونے سے پہلے آپ صبر اور سکون کے ساتھ کھڑے رہیں....." پھر میں دوبارہ استغاثہ کی گواہ فہمیدہ کی جانب متوجہ ہو گیا۔

وکیل استغاثہ نے مجھے ایسی نظر سے دیکھا جیسے کچا چبا جائے گا تاہم وہ منہ سے ایک لفظ نہیں بولا۔ میں نے فہمیدہ سے سوال کیا۔

"ملازمہ کی ضرورت کس کو تھی؟"

"نورین صاحبہ کو....." اس نے جواب دیا۔

"کون نورین؟" میں نے پوچھا۔ "کیا تم اسی نورین کا ذکر کر رہی ہو جو فورتھ فلور کے فلیٹ نمبر چار سو چار میں رہتی ہے اور اسی فلیٹ میں اس کے شوہر سفیان علی کو کسی نے قتل کر دیا تھا؟"

"جی وہی نورین صاحبہ!" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "میں اسی کی بات کر رہی ہوں۔ نورین نے اپنی ضرورت کا ذکر صفیہ خالہ سے کیا تھا۔ انہوں نے اپنی بہن رضیہ سے کہا اور اس طرح میں صفیہ خالہ کے پاس پہنچ گئی۔"

"گڈ.....!" میں نے فہمیدہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کا مطلب ہے' تم نورین کو اچھی طرح جانتی ہو؟"

"اچھی طرح تو نہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "بس اتنا ہی جانتی ہوں کہ وہ چوتھے فلور کے فلیٹ نمبر چار سو چار میں رہتی ہیں اور انہیں ایک گھریلو ملازمہ کی ضرورت تھی۔"

"اس کا مطلب ہے' اس اپارٹمنٹ بلڈنگ میں داخل ہونے سے پہلے تمہیں یہ بات معلوم تھی کہ صفیہ خالہ نے تمہیں نورین کے کام کیلئے اپنے پاس بلایا ہے۔ وہ نورین جو چوتھے فلور کے فلیٹ نمبر چار سو چار میں رہتی ہے؟"

"جی..... جی ہاں۔" اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"اور جب تم صفیہ خالہ سے ملنے اس بلڈنگ کے چھٹے فلور کی طرف جا رہی تھیں تو تم نے ملزم فوزیہ کو نورین کے فلیٹ میں داخل ہوتے دیکھا تھا؟"

"جی بالکل...... میں نے دیکھا تھا۔" اس نے ترت جواب دیا۔ "اور مجھے اس بات پر حیرت بھی ہوئی تھی کہ فوزیہ یہاں کیا کر رہی ہے لیکن میں خاموشی سے صفیہ خالہ کی طرف بڑھ گئی تھی۔"

"اور جب صفیہ خالہ کے پاس بیٹھے تمہیں دس پندرہ منٹ ہوئے تھے تو نیچے ایک شور اٹھا۔ پھر پتا چلا کہ چوتھے فلور کے ایک فلیٹ میں کسی کو قتل کر دیا گیا ہے۔ تم صفیہ خالہ کے ہمراہ فوراً چوتھے فلور پر پہنچ گئیں۔ تب پتا چلا کہ قتل کی واردات نورین کے فلیٹ میں ہوئی تھی۔ نورین کے شوہر سفیان علی کو کسی نے قتل کر دیا تھا۔ تم نے چونکہ دس پندرہ منٹ پہلے فوزیہ کو نورین کے فلیٹ میں داخل ہوتے دیکھا تھا لہٰذا تمہارا ماتھا ٹھنکا اور تم نے اس سلسلے میں پولیس کی بھرپور رہنمائی کی جس کے بعد پولیس نے فوزیہ کو اس کے فلیٹ واقع طارق روڈ سے گرفتار کر لیا۔" لمحاتی توقف کر کے میں نے ایک گہری سانس لی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"حالات و واقعات کے بیان میں اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو تم اس کی تصحیح کر سکتی ہو۔"

"ن...... نہیں۔" وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ "آپ نے جو کہا ٹھیک کہا۔"

"فہمیدہ!" میں نے انگلی سے اس کے چہرے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔ "کیا آپ نے یہ نظر کا چشمہ لگا رکھا ہے؟"

"جی!" اس نے اثبات میں جواب دیا۔

"دور کا یا نزدیک کا؟"

"دور کا۔"

"کیا آپ کے ساتھ یورک ایسڈ کا بھی کوئی مسئلہ ہے؟" میں نے بڑی صفائی کے ساتھ اپنی جرح کو سمیٹتے ہوئے پوچھا۔

"یورک ایسڈ...... یہ کیا ہوتا ہے؟" اس نے الجھن زدہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ ایک خاص قسم کا کیمیکل ہے جس کی ایک خاص مقدار ہر انسان کے جسم میں موجود ہوتی ہے۔" میں نے سادہ الفاظ میں وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "اس مخصوص مقدار میں اگر

کسی قسم کی گڑبڑ ہو جائے یعنی کمی یا زیادتی ہو جائے تو انسان کے جوڑوں وغیرہ میں ورم آ جاتا ہے اور چلنے پھرنے میں خاصی دشواری بلکہ تکلیف ہوتی ہے۔"

"جی ہاں...... جی ہاں...... آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ "میرے گھٹنوں کے ساتھ یہ مسئلہ ہے۔ ٹھنڈے موسم میں تو درد کی شدت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ چلنا پھرنا محال ہو جاتا ہے۔"

"خاص طور پر زینے چڑھنا تو کسی عذاب سے کم نہیں ہوتا۔" میں نے سادہ سے لہجے میں کہا' پھر پوچھا۔ "ہیں نا؟"

"جی بالکل۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

"جب آپ طارق روڈ پر کرائے کا فلیٹ لے رہی تھیں تو اس وقت بھی آپ نے یہ پوچھا تھا کہ وہ فلیٹ کس فلور پر ہے۔ آپ کو بتایا گیا کہ فلیٹ چوتھے فلور پر ہے تو آپ کو یہ سن کر اچھا نہیں لگا تھا لیکن اس وقت آپ کی مجبوری تھی لہٰذا آپ نے وہ فلیٹ لے لیا' حالانکہ دسمبر اور جنوری میں اچھی خاصی ٹھنڈک ہوتی ہے اور گھٹنوں کے درد کے ساتھ چوتھے فلور پر چڑھنا اور اترنا ایک عذاب ناک عمل ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"نہیں جناب! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" اس نے میرے مؤقف کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "اگر مجبوری نہ ہوتی تو میں کبھی چوتھے فلور کا فلیٹ کرائے پر نہ لیتی۔"

"کیا آپ اپنی اس مجبوری کی وضاحت کریں گی؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

"وہ...... وہ...... وہ......" وہ گڑبڑا کر رہ گئی۔

"یہ کس قسم کی مجبوری ہے؟" میں نے تیور بدل کر سخت لہجے میں پوچھا۔ "وہ...... وہ...... وہ......!"

"وہ جی' میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ...... اس وقت نیچے کے کسی فلور پر مجھے اور کوئی فلیٹ مل نہیں رہا تھا اس لئے مجبوری میں چوتھے فلور کا وہ فلیٹ لے لیا۔" وہ اپنی مجبوری کی وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ "دوسری بات یہ کہ اوپر والے فلورز کا کرایہ بھی نسبتاً کم ہوتا ہے۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تمہاری صفیہ خالہ کے فلیٹ کا کرایہ تو کافی کم ہوگا۔" میں نے جرح کو اختتام کی طرف لاتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔ "وہ تو اسی بلڈنگ کے چھٹے فلور پر

فلیٹ نمبر چھ سو دو میں رہتی ہیں۔"

"نہیں جی۔ ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

"پھر کیسی بات ہے؟" میں نے تیز لہجے میں دریافت کیا۔

"اول تو وہ فلیٹ صفیہ خالہ کی ذاتی ملکیت ہے۔ وہ کرائے دار نہیں ہیں۔" اس نے بتایا۔" دوئم' اس بلڈنگ میں لفٹ موجود ہے۔ لفٹ کی سہولت کی وجہ سے ہر فلور کے فلیٹ کی ویلیو ایک جیسی ہے۔"

"لفٹ کی یہ سہولت تمہارے لئے کسی نعمت سے کم نہیں ہوگی۔" میں نے کہا۔" لفٹ کی مدد سے نیچے سے اوپر جاتے ہوئے تمہارے گھٹنوں کو بہت سکون محسوس ہوتا ہوگا؟"

"جی' آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔" میں جب بھی صفیہ خالہ سے ملنے جاتی ہوں تو لفٹ کے ذریعے بڑی آسانی سے چھٹے فلور پر پہنچ جاتی ہوں۔"

"وقوعہ کے روز بھی تم لفٹ کے ذریعے ہی چھٹے فلور پر پہنچی تھیں؟"

"جی ہاں...... اس میں کیا شک ہے۔" وہ حیرت آمیز لہجے میں بولی۔" مجھے تو کوئی شک نہیں البتہ آپ کے بیان سے وکیل استغاثہ کیلئے بہت بڑی مشکل کھڑی ہو سکتی ہے۔"

"کس قسم کی مشکل؟" اس کا چہرہ شکن آلود ہو گیا۔

"آپ وکیل استغاثہ کی مشکل کا سوچ کر خود کو دبلا نہ کریں۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔" یہ وقت ہے خود کو بچانے کا۔ آپ ایک خونی دلدل میں گر چکی ہیں۔"

اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا' جھرجھراتی ہوئی آواز میں بولی۔" میں نے کیا کیا ہے...... آپ کس دلدل کی بات کر رہے ہیں؟"

"اس خطرناک دلدل کا نام ہے" لفٹ"۔ تم وقوعہ کے روز صفیہ خالہ کے فلیٹ تک لفٹ کے ذریعے ہی پہنچی تھیں نا؟"

"ہاں...... اور یہ بات میں آپ کو پہلے بھی بتا چکی ہوں۔" وہ جھنجھلاہٹ آمیز لہجے میں بولی۔

"دوبارہ بتانے سے معاملہ پکا ہو گیا۔" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"کون سا معاملہ؟" اس کی الجھن پریشانی میں بدل گئی۔

''لفٹ کے ذریعے گراؤنڈ فلور سے سکس فلور تک پہنچنے کا معاملہ۔'' میں نے کہا۔''اس روز لفٹ میں تمہارے علاوہ اور کون تھا؟''

''کوئی بھی نہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میں اکیلی ہی تھی۔''

''کیا راستے میں کہیں لفٹ رکی تھی؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔ ''میرا مطلب ہے' کسی نے لفٹ کو کال کیا ہو۔ راستے میں کوئی لفٹ میں سوار ہوا ہو؟''

''بالکل نہیں۔'' اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

''یعنی اس روز تم اکیلی ہی لفٹ میں سوار ہو کر گراؤنڈ فلور سے سکس فلور تک پہنچی تھیں؟''

''ہاں...... ہاں...... ہاں۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔ ''یہ بات میں کتنی مرتبہ آپ کو بتاؤں؟''

''بس' اب مزید بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''جتنا کچھ تم نے بتا دیا یا وہ تمہیں جیل کی دیواروں کے پیچھے پہنچانے کیلئے کافی ہے۔''

''جیل...... کیوں......'' وہ سراسیمہ نظر سے مجھے تکنے لگی۔ ''میں نے کون سا جرم کیا ہے؟''

''غلط بیانی کا جرم۔'' میں نے زہر خند لہجے میں کہا۔ ''کسی کو غلط راہ پر ڈالنے کا جرم...... تمہارا ہر جرم بہت سنگین ہے۔''

''پتا نہیں' آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' وہ بکھری ہوئی آواز میں بولی۔ ''میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔''

''جب حوالات کی سلاخوں کے پیچھے پہنچو گی تو تمہاری سمجھ بڑے اچھے انداز میں کام کرنے لگے گی۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا' پھر پوچھا۔ ''تم استغاثہ کی ایک اہم گواہ ہو کہ نہیں؟''

''جی ہوں۔''

اس نے نحیف سی آواز میں جواب دیا۔

''صرف گواہ نہیں بلکہ عینی گواہ...... آئی وٹنس!'' میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تم نے معزز عدالت کو حلفیہ بیان دیا ہے کہ وقوعہ کے روز جب تم اپنی صفیہ خالہ سے ملنے

بہادرآباد کی اس اپارٹمنٹ بلڈنگ میں پہنچی تھیں تو تم نے میری مؤکل اور اس مقدمے میں ملزمہ فوزیہ کو اس بلڈنگ کے چار سو چار نمبر فلیٹ میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ تم نے یہی بیان دیا ہے نا؟"

"ج..... جی....."

وہ تھوک نگلتے ہوئے بولی۔

"کیا تم اس امر سے انکار کرسکتی ہو کہ فلیٹ نمبر چار سو چار چوتھے فلور پر واقع ہے؟"

"ظاہر ہے چار سو چار نمبر فلیٹ چوتھے فلور پر ہی واقع ہے۔" اس نے سرسری انداز میں جواب دیا۔ پھر امداد طلب نظر سے وکیل استغاثہ کی طرف دیکھنے لگی۔

"وقوعہ کے روز تو تم بذریعہ لفٹ گراؤنڈ فلور سے سکس فلور تک پہنچی تھیں اور راستے میں لفٹ کہیں رکی بھی نہیں تھی۔" میں نے اسے گھورا۔ "پھر تم نے چوتھے فلور کے فلیٹ نمبر چار سو چار میں فوزیہ کو داخل ہوتے کیسے دیکھ لیا؟ کیا تم دیواروں کے پار دیکھنے کی صلاحیت رکھتی ہو؟"

میرا یہ حملہ اتنا کارگر تھا کہ اس کی ٹانگیں کپکپا کر رہ گئیں۔ میں نے اسے سنبھلنے کا ذرا موقع نہ دیا اور اس کے جواب دینے سے پہلے ہی سوال کردیا۔

"تم نے جھوٹ کیوں بولا..... کس کے کہنے پر بولا؟"

وہ کٹہرے کی چوبی ریلنگ کو تھام کر گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ میں نے تابڑ توڑ حملوں کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم مقتول سفیان علی کی بیوہ نورین کو نہیں جانتی ہو۔ کبھی تمہاری اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "ایسا ہی ہے نا.....؟"

ان لمحات میں وہ مجھ سے آنکھ ملا کر بات نہیں کر رہی تھی۔ کٹہرے کے فرش کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

"جی، میں نورین کو بالکل نہیں جانتی....."

"اور کتنے جھوٹ بولوگی۔"

میں نے دھاڑ سے مشابہ لہجے میں کہا۔

"تم نے طارق روڈ پر جو فلیٹ کرائے پر لیا ہے اس کا ڈیپازٹ نورین کے اکاؤنٹ سے ادا کیا گیا ہے۔ اگر تم نورین کو نہیں جانتی ہو تو پھر اس کے اکاؤنٹ کا چیک تم نے

ڈیپازٹ میں کیوں دیا؟"

اس کی ہمت جواب دے گئی۔ "پپ...... پانی......" اس کی زبان سے بس یہ الفاظ ادا ہوئے پھر وہ کٹہرے کے فرش پر بیٹھ کر آنسو بہانے لگی۔

صورتحال روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی تھی۔ استغاثہ کی سب سے اہم گواہ کی عینی شہادت کا نہ صرف بھانڈا پھوٹ چکا تھا بلکہ میری جرح کے نتیجے میں یہ بھی ثابت ہو گیا تھا کہ فہمیدہ کا نورین کے ساتھ گہرا ربط ضبط تھا۔

"جناب عالی!"

میں نے روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ سفیان علی کے قتل میں بالواسطہ یا بلاواسطہ فہمیدہ ملوث ہے۔ معزز عدالت سے میں درخواست کروں گا کہ فہمیدہ کو شامل تفتیش کیا جائے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو سکے۔ دیٹس آل یور آنر......"

جج نے فوری طور پر متعلقہ عدالتی عملے کو فہمیدہ کی گرفتاری کا حکم دیا پھر اس کیس کے انکوائری آفیسر کو ہدایت کی کہ وہ آئندہ پیشی پر فہمیدہ سے ہونے والی تفتیش کی رپورٹ کے ساتھ ہی نورین کو بھی عدالت میں پیش کرے۔

اس کے بعد عدالت کا مقررہ وقت ختم ہو گیا۔

☆......☆......☆

جب کوئی شخص ٹھوس ثبوت کے ساتھ پولیس کے ہتھے چڑھ جاتا ہے تو پھر اس سے اقبال جرم کرانے میں پولیس کو چنداں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔ فہمیدہ نے ایک ہی رات میں زبان کھول دی تھی۔ وہ میری جرح کے جواب میں اس بری طرح گھر گئی تھی کہ اس کے پاس فرار کا کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔ گویا میرے سوالات نے اس کے جھوٹ کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی تھی۔

فہمیدہ کے بیان سے پتا چلا کہ نورین نے اسے اپنے مقاصد کیلئے استعمال کیا تھا۔ وہ سفیان کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا چکی تھی۔ اس کا دکھ بھی فوزیہ کے دکھ جیسا ہی تھا لیکن وہ فوزیہ سے زیادہ چالباز اور جوشیلی نکلی اور اس نے اپنے منصوبے کی تکمیل کیلئے ایک خاص پلاننگ کے تحت فہمیدہ کو طارق روڈ والے فلیٹ پر بسایا تھا کہ اس واردات کا ایک عینی شاہد پیدا کیا جا

سکے۔نورین' فوزیہ سے بھی نفرت کرتی تھی۔ لہٰذا اپنی سوتن کو سبق سکھانے اور قتل کی اس واردات میں پھنسانے کیلئے اس نے نرگس بن کر فوزیہ کو فون کیا اور اسے اپنے فلیٹ پر بلا لیا۔ فوزیہ اپنی سادگی کے باعث نورین کے جال میں آ گئی۔اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کی تفصیل آپ جان چکے ہیں۔

سفیان علی کو نورین ہی نے سائلنسر لگے ریوالور سے قتل کیا تھا لیکن نورین کی گرفتاری کیلئے پولیس کو کافی پاپڑ بیلنا پڑے تھے۔ جیسے ہی نورین کو پتا چلا کہ فہمیدہ پولیس کی گرفت میں آ گئی ہے' وہ منظر سے غائب ہوگئی تاہم دس پندرہ دن کی تلاش کے بعد آخرکار پولیس نے نورین کو راولپنڈی سے گرفتار کرلیا۔اپنی تحویل میں لانے کے بعد جب پولس نے اس پر سختی کی تو اس نے سفیان کے قتل کا اقرار کرلیا۔

☆......☆......☆

چاند گہن

منگل کے روز جو شخص سب سے آخر میں مجھ سے ملنے آیا' وہ ایک دبلا پتلا اور دراز قامت نوجوان تھا۔ اس کی عمر بیس کے آس پاس رہی ہوگی۔ وہ خاصا مضطرب اور حواس باختہ نظر آتا تھا۔ میں نے پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور بیٹھنے کیلئے کہا۔

وہ اضطراری انداز میں ایک کرسی کھینچ کر میرے سامنے بیٹھ گیا۔ میں نے اس کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

"جی فرمایئے...... میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟"

"وکیل صاحب! میں بہت پریشان ہوں۔" وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔

میں نے بڑی رسان سے کہا۔" وہ تو آپ کی صورت ہی سے دکھائی دے رہا ہے۔ اپنی پریشانی کے بارے میں کچھ بتائیں؟"

"میری پریشانی کا نام ہے مراد خان۔" اس نے سراسیمہ لہجے میں جواب دیا۔

"مراد خان۔" میں نے کاغذ قلم سنبھالتے ہوئے دہرایا۔" یہ کون صاحب ہیں؟"

"یہ صاحب نہیں' ایک شیطان ہے۔" وہ نفرت آمیز انداز میں بولا۔" اگر میرا بس چلے تو میں اسے زندہ دفن کردوں......" آخری جملہ ادا کرتے ہوئے اس نوجوان کے چہرے اور آنکھوں میں مراد خان کیلئے ناپسندیدگی کی چنگاریاں سی چھوٹنے لگی تھیں جس سے واضح ہوگیا تھا کہ وہ مراد خان کیلئے اپنے دل و دماغ میں کس نوعیت کے خیالات و جذبات رکھتا تھا۔ میں نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے اور اس کے مسئلے کو سمجھنے کی غرض سے نہایت ہی دوستانہ انداز میں سوال کیا۔

"آپ کا نام کیا ہے؟"

''عمران۔'' اس نے جواب دیا۔ ''عمران علی۔''

''عمران صاحب۔'' میں نے اسے اس کے نام سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر کوئی مراد خان آپ کو پریشان کر رہا ہے تو بتائیں' اس سلسلے میں' میں آپ کیلئے کیا کر سکتا ہوں؟''

''میرا جو بھی مسئلہ ہے اسے کوئی تجربہ کار وکیل ہی حل کر سکتا ہے۔'' وہ امید بھری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میرے ایک مخلص دوست نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ میں ادھر ادھر بھٹکنے کے بجائے کسی وکیل سے جا کر ملوں۔ سو میں آپ کے پاس آ گیا ہوں۔''

''بہت اچھا کیا جو تم میرے پاس آ گئے۔'' میں نے اس کی ہمت بڑھانے کیلئے قدرے بے تکلفی سے کہا۔ ''لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ میں اس طرح تمہارا مسئلہ حل نہیں کر سکتا۔''

''جی...... کیا مطلب ہے وکیل صاحب؟'' وہ الجھن زدہ انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔

''بھئی عمران میاں!'' میں نے کہا۔ ''جب تک مجھے یہ معلوم نہیں ہوگا کہ تمہارے ساتھ دراصل کون سا مسئلہ ہے اس وقت تک میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔ ابھی تو میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ کسی مراد خان کی وجہ سے تم پریشان ہو اور وہ اس شخص سے تمہیں شدید نفرت بھی ہے۔''

''آپ کا اندازہ بالکل درست ہے وکیل صاحب۔'' وہ خاصے اطمینان بھرے انداز میں بولا۔ ''آپ میرے مسئلے کو سمجھ گئے ہیں تو مجھے یقین ہے' آپ اسے حل بھی کر لیں گے۔''

میرا آپ سے تم پر آنا خاصا سودمند ثابت ہوا تھا۔ میں نے عمران علی کی پریشانی میں واضح کمی محسوس کی۔ ابھی اس نے میرے اندازہ لگانے اور مسئلہ سمجھنے کی جو بات کی تھی اس میں کوئی حقیقت نہیں تھی۔ میں نے ابھی تک کوئی اندازہ قائم نہیں کیا تھا' جو کچھ بھی تھا اسی نے مجھے بتایا تھا اور مسئلہ جب تک وہ اپنی زبان سے بیان نہ کرتا' میں بھلا سمجھ کیسے سکتا تھا۔ خیر' میں نے اس حوالے سے اسے چھیڑنا مناسب نہ جانا اور اس کے جواب میں کہا۔

''عمران! مجھے بتاؤ' یہ مراد خان ہے کون؟''

''مراد خان میرے ڈیڈی کا دوست ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''ڈیڈی کا دوست......'' میں نے حیرت بھری نظر سے اسے دیکھا۔

''جی وکیل صاحب۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔ آپ میری بات کا یقین کریں۔''

"لیکن...... تمہارے ڈیڈی کا دوست تمہیں کیوں پریشان کر رہا ہے؟" میں نے الجھن زدہ لہجے میں استفسار کیا۔

"وہ بڑا کمینہ شخص ہے جناب۔" وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ "ایک نمبر کا لچا لفنگا' غنڈہ بدمعاش...... وہ مجھے قتل کرانا چاہتا ہے اور...... وہ بھی اس طرح کہ اس کا کہیں نام نہ آئے۔ وہ کرائے کے قاتلوں سے میرا پتا صاف کروانا چاہتا تھا۔ مجھ پر ایک دو قاتلانہ حملے بھی ہو چکے ہیں۔ وہ تو اللہ کا کرم اور میری قسمت اچھی تھی کہ آپ کو زندہ نظر آ رہا ہوں۔"

میرے سامنے بیٹھا ہوا وہ دبلا پتلا دراز قد نوجوان عمران علی اپنی پریشانی کی جو کہانی سنا رہا تھا' وہ خاصی دلچسپی کی حامل اور سنسنی خیز تھی لیکن میرے لئے یہ جاننا بہت ضروری تھا کہ مراد خان اس کے باپ کا دوست ہوتے ہوئے اس کی جان کا دشمن کیوں بنا ہوا تھا۔ اسی سوال کا جواب حاصل کرنے کیلئے میں نے عمران علی سے پوچھا۔

"یہ مراد خان بھی کیسا شخص ہے۔ تمہارے ڈیڈی کا وہ دوست ہے اور تم سے دشمنی کر رہا ہے۔ یہ عجیب سی بات نہیں؟"

"ہاں...... یہ بات بظاہر بڑی عجیب اور نا قابل یقین سی لگتی ہے۔" وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "لیکن حقیقت یہی ہے۔"

"تمہارے خیال میں......" میں نے اس کا ذہن پڑھنے کی غرض سے پوچھا۔ "میں ان حالات میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں؟"

"آپ اس بدذات' ذلیل انسان مراد خان کا کوئی علاج کریں۔" وہ نفرت بھرے لہجے میں بولا۔ "اس پر کوئی ایسا قانونی پھندا ڈالیں کہ وہ خطرناک ارادوں سے باز آ جائے اور میرا پیچھا چھوڑ دے۔"

"ایسا ہو تو سکتا ہے مگر......" میں نے دانستہ توقف کیا۔

"مگر کیا وکیل صاحب؟" وہ اضطراری لہجے میں مستفسر ہوا۔

"مگر یہ کہ......" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "ایک تو مجھے مراد خان کی مکمل ہسٹری معلوم ہونا چاہئے اور دوسرے اس امر کی وضاحت بہت ضروری ہے کہ وہ ہاتھ دھو کر تمہارے پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے؟"

"اس مقصد کیلئے آپ کو میری پوری کہانی سننا پڑے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "میں یہاں پر لوگوں کے مسائل اور مصائب بھری کہانیاں سننے کیلئے ہی تو بیٹھا ہوں۔"

"پھر وعدہ کریں۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "میری بپتا سننے کے بعد آپ میرا مسئلہ حل کر دیں گے۔"

"میں قبل از وقت ایسا کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔" میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہاری کہانی سننے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس سلسلے میں کسی نوعیت کی قانونی چارہ جوئی کر کے مراد خان کو خطرناک عزائم سے باز رکھا جا سکتا ہے تو میں تم سے مکمل تعاون کروں گا۔"

"اچھا جی ٹھیک ہے۔" وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔

آئندہ آدھے گھنٹے میں عمران علی نے مجھے ایک حیرت انگیز اور انکشافات سے بھرپور کہانی سنائی جس کے نتیجے میں اس کی مدد کرنے کیلئے ذہنی طور پر تیار ہو گیا تھا۔ میں اس داستان عجیب میں سے غیر ضروری امور کو حذف کر کے خلاصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تاکہ آگے بڑھنے سے پہلے آپ اس کیس کے پس منظر سے آگاہ ہو جائیں۔

☆......☆......☆

لگ بھگ ایک سال پہلے عمران علی اپنے والدین اور چھوٹی بہن لبنیٰ کے ساتھ نرسری کے علاقے میں رہتا تھا۔ اس کے ڈیڈی وحید علی کی اردو بازار کے نزدیک گاڑیوں کے ٹائرز کی ایک دکان تھی۔ وحید علی کا کام ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا لہٰذا گھر میں ہر طرف خوشحالی دکھائی دیتی تھی۔ یہ چار افراد کا کنبہ بڑے امن و سکون کے ساتھ پی ای سی ایچ ایس کے علاقے میں دو سو گز کے ایک بنگلے میں رہ رہا تھا۔ اس وقت عمران بی اے کا سٹوڈنٹ تھا اور اس کی بہن لبنیٰ نویں میں تھی۔ لبنیٰ کی عمر کم و بیش سالہ سال تھی۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا کہ ان کی خوشیوں کو کسی بدنگاہ کی نظر لگ گئی۔

ایک روز لبنیٰ سکول سے گھر نہیں پہنچی تو گھر میں افراتفری مچ گئی۔ تحقیق اور تفتیش پر پتا چلا کہ وہ سکول سے چھٹی کے وقت صحیح سلامت گھر کیلئے روانہ ہوئی تھی مگر گھر پہنچنے سے پہلے ہی وہ کہیں غائب ہو گئی۔ یہ صورتحال گھر کے ہر فرد کیلئے یقیناً نہایت ہی تکلیف دہ اور ہوش اڑا دینے والی تھی۔ لبنیٰ کی تلاش کیلئے کوششیں جاری ہی تھیں کہ شام سے کچھ دیر پہلے انہیں ایک

فون کال موصول ہوئی۔ یہ فون گھر کے نمبر پر کیا گیا تھا۔

"ہیلو۔" فون عمران کے ڈیڈی وحید علی نے ریسیو کیا کیونکہ وہ فون کے قریب بیٹھا تھا۔ ایک نامانوس آواز سن کر وہ اضطراری لہجے میں مستفسر ہوا۔ "کون......؟"

"کیا تم لبنیٰ کے باپ ہو؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"ہاں ہاں...... میں وحید بول رہا ہوں۔" وحید علی نے جلدی سے کہا۔ "تم کون ہو اور میری بیٹی کو کیسے جانتے ہو؟"

"تمہاری بیٹی لبنیٰ اس وقت میرے پاس ہے۔" دوسری جانب بولنے والے نے بتایا۔ "تم اس چکر میں نہ پڑو کہ میں کون ہوں صرف اس پوائنٹ پر فوکس کرو کہ میں چاہتا کیا ہوں۔"

"تم کیا چاہتے ہو؟" وحید علی نے پوچھا۔

"دس لاکھ روپے۔" اس نامعلوم بھاری آواز والے شخص نے بتایا۔

"اوہ......!" وحید علی ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"میں تمہیں زیادہ مہلت نہیں دے سکتا۔" وحید علی کی سماعت میں دھمکی آمیز انداز میں کہا گیا۔ "اس وقت شام کے چھ بجے ہیں۔ بس کل شام چھ بجے تک کا وقت ہے تمہارے پاس...... یعنی چوبیس گھنٹے۔"

"رقم بہت زیادہ اور وقت بہت کم ہے۔" وحید علی نے بوکھلاہٹ آمیز انداز میں کہا۔ "میں اتنی جلدی دس لاکھ روپے کا بندوبست نہیں کر سکتا۔"

"اور...... میں تمہیں اس سے زیادہ مہلت نہیں دے سکتا۔" وہ دوٹوک انداز میں بولا۔ "میں ایک گھنٹے کے بعد دوبارہ فون کروں گا۔ جب تک تم فیصلہ کر لینا کہ تمہارے لئے دس لاکھ روپے زیادہ اہم ہیں یا بیٹی کی زندگی۔"

"ایک منٹ......!" وحید علی نے اضطراری انداز میں کہا۔ "میں کیسے یقین کرلوں کہ میری بیٹی تمہارے قبضے میں ہے؟"

"میں تمہیں ابھی یقین دلاتا ہوں۔" وہ شخص مخصوص بھاری بھر کم آواز میں بولا۔ "ایک منٹ ٹھہرو۔"

وحید علی اور عمران علی ٹیلیفون سیٹ کے قریب ہی بیٹھے تھے۔ ریسیور وحید کے کان سے لگا

تھا تاہم عمران بھی وہاں سے ابھرنے والی آواز کو بآسانی سن سکتا تھا۔ عمران کی والدہ حسینہ بیگم دوسرے کمرے میں تھی۔ وہ بیٹی کی گمشدگی سے تو باخبر تھی تاہم اس فون کال کا ابھی اسے پتا نہیں تھا۔ حسینہ دل کی مریضہ تھی۔

''ڈیڈی۔'' ریسیور میں لبنیٰ کی گھبرائی ہوئی آواز ابھری تو وحید تڑپ اٹھا۔ ''یہ لوگ بہت ظالم ہیں۔ آپ مجھے گھر لے جائیں۔''

''بیٹی' تم ٹھیک تو ہونا؟'' وحید کی سمجھ میں نہ آیا وہ کیا کہے

''ابھی تک تو ٹھیک ہے۔'' ریسیور میں دوبارہ وہی بھاری بھرکم آواز ابھری۔ ''اور جب تک تم چاہو گے یہ ٹھیک رہے گی۔''

لبنیٰ کی آواز سنانے کے بعد اسے فون سے دور ہٹا دیا گیا تھا اور دوبارہ وہی شخص وحید سے ہم کلام ہوگیا۔ وحید نے منت ریز لہجے میں کہا۔

''دیکھو......تم جو کوئی بھی ہو میری بیٹی کو ایک ذرا تکلیف نہیں پہنچنی چاہئے۔ میں تمہارا مطالبہ پورا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

''کوشش نہیں' یہ کام تمہیں ہر قیمت پر کرنا ہے۔'' وہ ٹھوس انداز میں بولا۔ ''اور وہ بھی کل شام چھ بجے سے پہلے ورنہ......''

''میں نے کہا نا' میں کوشش کرتا ہوں۔'' وحید نے بے بسی سے کہا۔ ''تم ایک گھنٹے کے بعد فون کرو پھر بات کرتے ہیں۔''

''اور ہاں' ایک بات کا خاص طور پر خیال رکھنا وحید علی۔'' اسے پورے نام سے مخاطب کر کے دھمکی آمیز لہجے میں کہا گیا۔ ''یہ معاملہ ہم دونوں پارٹیوں کے بیچ ہی رہنا چاہئے۔ اگر اس سلسلے میں تم نے کسی اور کو شامل کرنے کی کوشش کی یا بیٹی کی گمشدگی کی پولیس کو اطلاع دی تو پھر تمہیں لبنیٰ کی لاش ہی دیکھنے کو ملے گی۔''

''نن' نہیں......نہیں نہیں۔'' وحید نے اتنا ہی کہا تھا کہ دوسری طرف بات کرنے والے نے ٹیلیفونک رابطہ منقطع کر دیا۔ وحید بے جان ریسیور کو تکنے لگا۔

''ڈیڈی! ہمیں اس واقعہ کی پولیس کو اطلاع دینی چاہئے۔'' عمران علی نے باپ سے کہا۔ ''ہمیں اس شخص کا مطالبہ نہیں ماننا چاہئے۔''

''بیوقوفی کی باتیں مت کرو۔'' وحید علی نے بیٹے کو جھڑک دیا۔ ''یہ امریکہ یا انگلینڈ کی

پولیس نہیں ہے جو مغوی کا بال بھی بیکا نہ ہونے دے گی اور اسے اغوا کنندگان کے قبضے سے نکال لائے گی۔ ہمارے ملک میں جرائم پیشہ افراد قانون سے بالاتر ہو کر وارداتیں کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر کو تو پولیس کی پشت پناہی بھی حاصل ہوتی ہے۔ میں اس واقعہ کی رپورٹ درج کروا کے لبنیٰ کی زندگی کو داؤ پر نہیں لگا سکتا۔"

"تو اس کا مطلب ہے' آپ نے اغوا کنندگان کو دس لاکھ روپے دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" عمران علی نے شاکی نظروں سے اپنے باپ کی طرف دیکھا۔

وحید' بیٹے کے سوال میں پوشیدہ شکوے کو بخوبی سمجھ رہا تھا لیکن اس نازک موقع پر وحید نے وہ موضوع چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور نہایت ہی سنجیدگی سے کہا۔

"بیٹا! دس لاکھ روپے لبنیٰ کی زندگی سے زیادہ اہم تو نہیں ہیں۔"

"مگر آپ کے پاس اتنی بڑی رقم تو ہے نہیں۔" عمران نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ چوبیس گھنٹے کے اندر کیسے بندوبست کریں گے؟"

پچھلے دنوں عمران علی نے گاڑی لینے کیلئے وحید علی سے کچھ رقم مانگی تھی اور عمران کے ڈیڈی نے پیسے نہ ہونے کا کہہ کر فی الحال اس کی خواہش کو ٹال دیا تھا۔ گھر میں ایک کار موجود تھی اور وہ زیادہ تر وحید علی کے استعمال میں رہتی تھی۔ عمران نے الگ گاڑی لینے کی فرمائش کی تھی۔ ابھی عمران جو شکایت بھری گفتگو کر رہا تھا' وہ اسی تناظر میں تھی۔

"ابھی فوری طور پر تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ رقم کا بندوبست کیسے ہو گا۔" وحید علی نے بیٹے کے سوال کے جواب میں کہا۔ "ذرا مجھے سوچنے دو۔"

یہ آج سے لگ بھگ چالیس سال پہلے کا واقعہ ہے۔ مجھے سن...... تو یاد نہیں' آپ...... کچھ سمجھ لیں۔ اس زمانے میں دس لاکھ روپے یقیناً ایک بڑی رقم ہوا کرتی تھی۔ اگر آج کل کی کرنسی ویلیو سے اس کا موازنہ کریں تو کم از کم ایک کروڑ سے اوپر کی رقم بنے گی۔

"مجھے نہیں لگتا کہ یہ مسئلہ صرف سوچنے سے حل ہو جائے گا۔" عمران نے مایوسی سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "ڈیڈی! دس لاکھ ارینج کرنے کیلئے آپ کو سر توڑ کوشش کرنا پڑے گی۔"

"میں کوشش کروں گا۔" وحید علی جذباتی ہو گیا۔ "میں اپنا سارا بزنس فروخت کر دوں گا مگر لبنیٰ پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔"

ادھر وحید کی بات ختم ہوئی، ادھر ٹیلیفون کی گھنٹی بج اٹھی۔ وحید نے چونک کر دیوار گیر کلاک کی جانب دیکھا۔ اغوا کنندہ نے ایک گھنٹے کے بعد فون کرنے کو کہا تھا اور ابھی صرف دس منٹ ہی گزرے تھے لہٰذا یہ اس شیطان کا فون تو ہو نہیں سکتا تھا۔ دوسری گھنٹی پر وحید نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا اور سنبھلے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہیلو......!"

"یار وحید، کہاں غائب ہیں آپ؟" ایک جانی پہچانی آواز وحید کی سماعت سے ٹکرائی۔ "میں آپ کی دکان پر بھی گیا تھا۔ دکان کیوں بند کر رکھی ہے؟"

"دکان صبح تو میں نے کھولی تھی۔" وحید نے بتایا۔ "بس دوپہر کے بعد مجبوراً بند کرنا پڑی۔"

"مجبوراً بند کرنا پڑی...... میں کچھ سمجھا نہیں؟" دوسری جانب سے بولنے والے نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ "یار! سب خیریت تو ہے نا؟"

"خیریت نہیں ہے مراد خان۔" وحید روہانسا ہو گیا۔ "میں بیٹھے بٹھائے ایک مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔"

مراد خان نے تشویش بھرے انداز میں پوچھا۔ "کیسی مصیبت وحید صاحب؟"

"یار خان صاحب! معاملہ بہت نازک ہے۔" وحید نے محتاط لہجے میں کہا۔ "میں آپ کو فون پر تفصیل نہیں بتا سکتا۔"

"ٹھیک ہے، میں آپ کے گھر آ رہا ہوں۔" مراد خان جلدی سے بولا۔ "یہ تو اچھا ہوا، میں نے آپ کے گھر فون کر لیا۔ میں آپ کی دکان بند دیکھ کر واپس جا رہا تھا تو خیال آیا، گھر پر فون کر لوں۔"

"پہلی فرصت میں آپ میرے پاس آ جائیں۔" وحید نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اس وقت میں بڑی شدت سے کسی ہمدرد اور غمگسار دوست کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں...... خان صاحب! پلیز جلدی آ جائیں۔"

"اس کا مطلب ہے، مسئلہ زیادہ ہی سیریس ہے۔" مراد خان زیر لب بڑبڑایا، پھر تسلی بھرے انداز...... میں کہا۔ "بیٹا! تم ماں کے قریب ہی رہو۔ تم جانتے ہو، وہ دل کی مریضہ ہے۔ اگر اسے لبنیٰ کے اغوا کے بارے میں پتا چل گیا تو اس کی طبیعت بگڑ بھی سکتی ہے۔"

''ممی کو لبنیٰ کی گمشدگی کی خبر ہے ڈیڈی اور وہ اس کی واپسی کیلئے بہت بے چین بھی ہیں۔'' عمران نے ٹھوس لہجے میں کہا۔''ڈاکٹر نے انہیں مکمل بیڈ ریسٹ کی تاکید کر رکھی ہے اس لئے وہ بیڈ روم سے باہر نہیں آ رہیں۔ میرا خیال ہے انہیں سچائی سے آگاہ کر دینا چاہئے۔''

''تم سمجھ نہیں رہے ہو عمران۔'' وحید علی نے بے چارگی سے کہا۔''تمہاری ماں کا دل بہت کمزور ہو چکا ہے...... کچھ بھی ہو سکتا ہے۔''

''کچھ بھی نہیں ہو گا ڈیڈی۔'' عمران نے اصراری لہجے میں کہا۔''بے شک ممی کا دل کمزور ہو چکا ہے مگر میں سمجھتا ہوں' ان کا دماغ بہت مضبوط ہے' ورنہ جب انہیں پتا چلا تھا کہ لبنیٰ سکول سے واپس نہیں آئی تو انہیں اس غم سے شدید قسم کا اٹیک ہو جانا چاہئے تھا۔ وہ لبنیٰ کی گمشدگی سے بے حد فکر مند ضرور ہیں مگر میں سمجھتا ہوں' خطرے والی کوئی بات نہیں اس لئے......'' وہ لمحے بھر کیلئے متوقف ہوا۔ ایک گہری سانس خارج کی' پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''اس لئے اگر ممی کو صورتحال سے آگاہ کر دیا جائے تو میرے خیال میں زیادہ مناسب ہو گا۔ آگے آپ کی مرضی ہے......''

''ٹھیک ہے۔'' وحید علی ہتھیار پھینکتے ہوئے بولا۔''یہ کام تم ہی انجام دو۔ ابھی مراد خان یہاں پہنچنے والا ہے۔ میں ان کے ساتھ مصروف ہو جاؤں گا۔ اسی دوران میں تم اپنی ممی کو حالات سے باخبر کر دینا۔''

عمران اٹھا اور خاموشی کے ساتھ اپنی ممی کے بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد مراد خان' وحید علی کے پاس پہنچ گیا۔ وحید نے نہایت ہی پریشانی کے عالم میں اسے خون پر ٹوٹنے والی مصیبت کے بارے میں آگاہ کیا۔ مراد خان نے پوری توجہ اور سنجیدگی سے اس کی بات سنی اور اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

''یہ آپ نے عقل مندی کا فیصلہ کیا کہ اس معاملے میں پولیس کو نہیں ڈالا۔''

''عمران خاصا جذباتی ہو رہا تھا۔'' وحید علی نے کہا۔''جوان خون ہے' وہ لبنیٰ سے بہت زیادہ محبت بھی کرتا ہے۔''

''آپ جانتے ہیں' محبت اندھی ہوتی ہے۔'' مراد خان نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''محبت سے مغلوب ہو کر جوش جذبات میں جو بھی فیصلے کئے جاتے ہیں ان کے نتائج بڑے

بھیانک دیکھنے کو ملتے ہیں۔ آپ کو اپنے ملک کی پولیس کے کردار اور کارکردگی کا بھی بخوبی اندازہ ہے۔ پولیس میں رپورٹ درج کروانے کا مطلب ہے' بچی کی زندگی سے کھیلنا۔ روزانہ کے اخبارات میں تین چار ایسی خبریں بھی ہوتی ہیں کہ اغوا کنندگان نے تاوان کی رقم نہ ملنے پر مغوی کو قتل کر ڈالا یا پولیس کے متحرک ہوتے ہی اغوا کاروں نے مغوی کو ٹھکانے لگا کر اس کی لاش گندے نالے میں پھینک دی۔"

"ہاں...... یہ سب میں بھی سنتا اور پڑھتا رہتا ہوں۔" وحید علی نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔ "اسی لئے تو میں نے عمران کی بات نہیں مانی لیکن خان صاحب......" اس نے لمحاتی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر تشویشناک لہجے میں اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"دس لاکھ بہت بڑی رقم ہے۔ میں ایک دن میں اتنے پیسے کا بندوبست نہیں کر سکوں گا۔"

"ہوں۔" مراد خان گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر چونکتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "وہ آدمی دوبارہ کب فون کرے گا جس نے لبنیٰ کو اغوا کیا ہے؟"

"اس نے پہلے چھ بجے فون کیا تھا۔" وحید علی نے بتایا۔ "اور ایک گھنٹے بعد دوبارہ فون کرنے کو کہا تھا یعنی اب وہ سات بجے فون کرے گا۔"

"سات بجنے میں صرف پانچ منٹ باقی ہیں۔" مراد خان نے دیوارگیر کلاک کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "اب جو وہ فون کرے تو بارگیننگ کی کوشش کریں۔ اس سے کہیں کہ آپ دس لاکھ ارینج نہیں کر سکتے۔"

"میں کوشش کرتا ہوں۔" وحید علی مردہ سی آواز میں بولا۔ "ویسے مجھے نہیں امید کہ وہ اپنے مطالبے میں کسی لچک کا مظاہرہ کرے گا۔ آواز سے وہ کوئی بہت ہی ظالم اور شقی القلب لگتا ہے۔"

"ٹھیک ہے...... مگر کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔" مراد خان نے کہا۔

"کوئی حرج نہیں ہے۔" وحید علی نے جواب دیا۔

مراد خان نے پوچھا۔ "وحید صاحب! آپ نے اس شخص کی آواز پر غور کیا تھا۔ وہ آپ کے کسی جاننے والے یا کسی دشمن کی آواز تو نہیں تھی؟"

"خان صاحب! یہ بات تو آپ بھی بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ میرا کوئی دشمن نہیں

ہے۔" وحید علی نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ "اور جہاں تک اس آدمی کی آواز کا تعلق ہے تو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں' وہ آواز میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ سنی ہے۔"

"ہوں......" مراد خان نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اس کا مطلب ہے وہ کوئی بہت ہی خطرناک اور پیشہ ور اغوا کار ہے۔"

وحید علی کی پریشانی میں کئی گنا اضافہ ہوگیا۔ اسی لمحے ٹیلیفون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس زمانے میں نہ تو سپیکر فون ایجاد ہوا تھا اور نہ ہی ابھی تک سی ایل آئی کی سہولت میسر تھی۔ میں یہ بات پاکستان میں حاصل الیکٹرونک سہولیات کی فراہمی کے پیش نظر کہہ رہا ہوں لہٰذا یہ پتا نہیں چل سکتا تھا کہ کال کرنے والا کون سا نمبر استعمال کر رہا تھا۔ دوسری گھنٹی پر وحید نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ اس کے ہیلو کہنے سے پہلے ہی دوسری جانب سے استفسار آگیا۔

"ہاں......تو تم نے دس لاکھ ادا کرنے کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟"

وحید نے فوراً اس کی آواز کو پہچان لیا۔ یہ وہی شخص تھا جس سے وحید کی پہلے بھی بات ہو چکی تھی۔ اس نے اپنے کہنے کے عین مطابق ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد فون کیا تھا۔ وحید نے مراد خان کو مخصوص اشارہ کرنے کے بعد اغوا کار کو جواب دیا۔ اس کا انداز گھگیانے والا تھا۔

"بھائی...... دس لاکھ بہت بڑی رقم ہے۔ میں اس کا انتظام نہیں کرسکوں گا۔ تم رقم کم کرو۔"

"اس کا مطلب ہے تمہیں اپنی بیٹی کی زندگی سے پیار نہیں ہے؟" اس شخص نے پوری سفاکی سے کہا۔

"زندگی پیاری ہے اس کی اور میں تمہارا مطالبہ پورا کرنا چاہتا ہوں۔" وحید نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اسی لئے کہہ رہا ہوں کہ رقم میں کمی کرو تاکہ میں تمہاری دی ہوئی مہلت کے اندر اس کا بندوبست کرسکوں۔"

"دس لاکھ تمہارے جیسے کاروباری آدمی کیلئے بڑی رقم نہیں ہے۔" اغوا کار ٹس سے مس ہونے کو تیار نہیں تھا۔

اس دوران مراد خان بھی وحید علی کے ساتھ جڑا بیٹھا تھا اور کان ریسیور کے انتہائی قریب کر رکھا تھا۔ مراد خان نے ایک پرچی پر لکھ کر وحید کی طرف بڑھا دی۔ وحید نے مراد خان کی تحریر کی روشنی میں اغوا کار سے کہا۔

''دیکھو......تم ایک باپ کی مجبوری کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ یقین کرو' میں واقعی دس لاکھ کا انتظام کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ سوچو' اگر میری جگہ تم ہوتے اور کوئی شخص تمہاری بیٹی کو اغوا کر لیتا تو تم......''

''بس' بس......!'' دوسری جانب بولنے والے نے اضطراری انداز میں کہا۔ چند لمحات خاموشی سے دبے پاؤں گزر گئے۔ وحید کو تشویش ہوئی کہ وہ بندہ کہاں غائب ہو گیا۔ اس نے الجھن زدہ نظر سے مراد خان کی طرف دیکھا پھر ماؤتھ پیس میں کہا۔

''کیا ہوا......تم کہاں چلے گئے؟''

''تم نے میری بیٹی کا ذکر کر کے اپنے لئے میرے دل میں اپنی کافی گنجائش پیدا کر لی ہے۔'' وہ قدرے نرمی سے بولا۔ ''بتاؤ' کتنی رعایت کر دوں؟''

مراد خان بھی برابر یہ گفتگو سن رہا تھا۔ وحید نے سوالیہ نظروں سے مراد خان کی طرف دیکھا تو اس نے ایک ہاتھ کی پانچ انگلیاں کھڑی کر دیں۔

''بس پانچ لاکھ ٹھیک ہیں۔'' وحید علی نے اغوا کار سے کہا۔

''یہ تو بہت ہی کم ہیں۔'' اغوا کار بگڑے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''نہ تمہارے پانچ لاکھ اور نہ میرے دس۔ بس ایک ہی فگر بول رہا ہوں......سات لاکھ روپے۔ ایک پیسہ کم نہ ایک پیسہ زیادہ۔ تم رقم کے بندوبست میں لگ جاؤ۔ میں کل صبح تمہیں ٹھیک نو بجے فون کروں گا۔''

اس سے پہلے کہ وحید علی' اغوا کار کی بات کے جواب میں کچھ کہتا اس خبیث شخص نے فون بند کر دیا۔ وحید علی نے پریشان نظر سے اپنے دوست مراد خان کی طرف دیکھا۔ مراد نے بھی یہ تمام تر گفتگو سنی تھی۔ وہ سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں بولا۔

''تو اس کا مطلب ہے' بیٹی کی بحفاظت واپسی کیلئے آپ کو سات لاکھ روپے کا بندوبست کرنا ہوگا۔''

''مراد خان' سات لاکھ اچھی خاصی رقم ہے۔'' وحید علی نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔ ''میں راتوں رات اتنی رقم کا انتظام نہیں کر سکوں گا۔ مجبوراً مجھے......'' وہ کہتے کہتے رک گیا تو مراد خان نے پوچھا۔

''مجبوراً کیا وحید علی؟''

''مجھے اگر اپنا کاروبار اور گاڑی بھی بیچنا پڑی تو میں دیر نہیں کروں گا۔'' وحید نے جذباتی

لہجے میں کہا۔" لنتی سے بڑھ کر میرے لئے کیا ہوسکتا ہے۔"

"وحید صاجب! اس مصیبت کی گھڑی میں آپ کو اپنا گھر اور گاڑی فروخت کرنا پڑے تو پھر لعنت ہے مجھ جیسے دوستوں پر۔" مراد خان نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"پھر......" وحید نے الجھن زدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔" پھر یہ مسئلہ کیسے حل ہوگا مراد خان؟"

"آپ آسانی سے کتنی رقم جمع کر سکتے ہیں؟" مراد خان سوچتی ہوئی نظروں سے وحید علی کو دیکھتے ہوئے بولا۔" میرا مطلب ہے' اپنی سی کوشش کر کے......کوئی چیز فروخت کئے بغیر؟"

وحید نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد جواب دیا۔" زیادہ سے زیادہ دو لاکھ روپے۔"

"ٹھیک ہے' آپ دو لاکھ کا بندوبست کرلیں۔"

"اور باقی کے پانچ لاکھ؟" وحید علی کے لہجے میں گہرا تذبذب تھا۔

"پانچ لاکھ کیلئے میں کوشش کرتا ہوں۔" مراد خان گہری سنجیدگی سے بولا۔

"آپ کرسکیں گے؟" وحید خان نے بے یقینی سے اپنے دوست کی جانب دیکھا۔

"ہمت مرداں' مدد خدا۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔" میں اپنے تعلقات کی ڈوریاں ہلاتا ہوں۔ اللہ بہت مہربان اور کرم کرنے والا ہے۔"

مراد خان پراپرٹی کا کام کرتا تھا۔ جو ہلی کے علاقے میں اس کی ایک خوب چلتی ہوئی اسٹیٹ ایجنسی تھی۔ یہ تو وحید علی کو معلوم تھا کہ مراد خان کے تعلقات کا دائرہ خاصا وسیع تھا۔ وہ دل ہی دل میں دعا کرنے لگا کہ مراد خان کو اس کی کوشش میں کامیابی حاصل ہو۔

"اگر ایسا ہو جائے تو یہ آپ کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہوگا مراد خان۔" وحید علی نے ممنونیت بھرے لہجے میں کہا۔" میں بعد میں آپ کی رقم پائی پائی ادا کردوں گا۔"

"بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی وحید صاحب۔" مراد نے سرسری انداز میں کہا۔" آپ یہ احسان وحسان کی بات نہ کریں۔ اس وقت آپ پر بڑا مشکل وقت ہے۔ میں ایک سچا دوست ہونے کے ناتے آپ کے کام آنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اگر کبھی خدانخواستہ مجھ پر بھی برا وقت آپڑا تو آپ دوستی نبھا دیجئے گا اور جہاں تک اس پانچ لاکھ کی رقم کا تعلق ہے تو یہ یقیناً آپ مجھے واپس کریں گے کیونکہ میں بھی کہیں سے لے کر ہی آپ کو دوں گا۔ اگر میرے پاس ہوتے تو کوئی بات ہی نہیں تھی۔"

"مرادخان! میں آپ کی رقم ضرور واپس کروں گا۔" وحید علی نے اضطراری لہجے میں کہا۔"لیکن اس کیلئے مجھے تھوڑا وقت درکار ہوگا۔"

"مل جائے گا وقت بھی۔" مراد خان کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔"میں اب چلتا ہوں تاکہ اس مسئلے کو حل کرنے کیلئے چارہ جوئی کرسکوں۔"

پھر مراد خان' وحید علی کو تسلی تشفی دینے کے بعد اس کے گھر سے رخصت ہوگیا۔ وہ رات وحید علی' عمران علی اور حسینہ بیگم کیلئے قیامت کی رات تھی۔ حسینہ بیگم کو تو چپ سی لگ گئی تھی۔ عمران علی کا اندازہ بالکل درست تھا۔ اس کی والدہ مضبوط دماغ کی مالک تھی۔ صورتحال کی سنگینی سے اسے باخبر کردیا گیا تھا۔ وہ چپ چاپ لیٹی خاموشی سے آنسو بہائے جا رہی تھی۔ ان لوگوں نے کوشش کرکے اس خبر کو گھر سے باہر نہیں جانے دیا تھا کہ لبنیٰ کو اغوا کرلیا گیا تھا۔

وحید علی کی کوششوں نے اس امر کو یقینی بنا دیا تھا کہ وہ اگلی صبح دو لاکھ کا بندوبست کرسکے گا۔ اب اسے اپنے بے لوث دوست مراد خان کے فون کا انتظار تھا۔ مراد خان نے علی الصبح فون کیا اور یہ نوید سنائی کہ وہ دوپہر تک پانچ لاکھ کا انتظام کرنے میں کامیاب ہوجائے گا لہٰذا اگر اغواکار فون کرے تو اسے دوپہر کے بعد کا کوئی وقت دیا جائے۔

"مرادخان! میں چاہتا ہوں کہ تم آج کا دن میرے ساتھ ہی رہو۔" وحید علی نے تشکر اور منت کے ملے جلے انداز میں کہا۔"جب تک لبنیٰ گھر نہیں پہنچ جاتی مجھے سکون نہیں آئے گا۔"

"میں دن میں رقم لے کر آرہا ہوں۔" مراد نے مضبوط لہجے میں کہا۔"حوصلہ نہیں ہارو......سب ٹھیک ہوجائے گا۔ جب تک یہ معاملہ نمٹ نہیں جاتا' میں تمہارے ہی پاس رہوں گا۔" وحید علی نے اپنے دوست کا شکریہ ادا کرکے فون بند کردیا۔

ٹھیک نو بجے اغواکار کا فون آگیا۔ اس نے وحید کے ہیلو کے جواب میں سوال کیا۔

"رقم کا انتظام ہوگیا؟"

"دوپہر تک ہوجائے گا۔"

"پکا یا......ڈانواں ڈول؟"

"پکا......!" وحید نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے' میں سہ پہر میں تین بجے فون کروں گا۔" وہ تحکمانہ انداز میں بولا۔"پھر

طے کریں گے کہ تم نے رقم لے کر کہاں پہنچنا ہے اور ہاں......" لمحاتی توقف کر کے اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"تم نے کہیں سمارٹ بننے کی کوشش تو نہیں کی؟"

"نہیں بالکل نہیں۔" وحید علی نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ تم نے عقلمندی کا ثبوت دین ہے۔" وہ سراہنے والے انداز میں بولا۔ "میرا ایک آدمی مسلسل تمہاری اور تمہارے گھر کی نگرانی کر رہا ہے۔ ادھر تم نے ہوشیاری دکھائی ادھر تمہاری بیٹی کی زندگی کا چراغ پھو......مطلب' گل۔"

"نہیں' نہیں۔" وحید علی تڑپ کر بولا۔ "میں نے ایسی غلطی اب تک نہیں کی اور نہ ہی کروں گا۔"

"مجھے تمہاری بات کا یقین ہے۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ "میرا آدمی تمہاری رپورٹنگ کر رہا ہے۔ ابھی تک تم نے میری ہدایت پر عمل کیا ہے اور مجھے امید ہے آئندہ بھی تم اسی معقولیت کا مظاہرہ کرو گے۔"

"میں تمہیں کسی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔" وحید نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ "اور تم بھی میری بیٹی کو ذرا سی تکلیف نہیں پہنچاؤ گے۔"

"میں اپنے وعدے کا پاس کروں گا۔" وہ مستحکم لہجے میں بولا۔ "تم تعاون کر رہے ہو تو میں بھی تمہاری بیٹی کے کھانے پینے' سونے جاگنے کا خیال رکھے ہوئے ہوں۔ اس حوالے سے تم بالکل مطمئن رہو۔"

"میری لتی سے بات کروا دو گے؟" وحید نے گھگھیائے ہوئے انداز میں کہا۔

"سہ پہر تین بجے بات کرواؤں گا۔" وہ دوٹوک لہجے میں بولا۔ "ابھی نہیں۔"

"پلیز۔" وحید علی کی آواز لجاجت سے لبریز تھی۔

"سوری۔" اغوا کار نے کھردرے انداز میں کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

وحید نے اس روز بھی دکان نہیں کھولی۔ مارکیٹ والوں اور پڑوسی دکانداروں سے اس نے کہہ دیا تھا کہ حیدرآباد میں کسی عزیز کا انتقال ہو گیا ہے لہٰذا دکان بند ہی رہے گی۔ مختلف زاویوں میں بھاگ دوڑ کر کے اس نے دو لاکھ کیش کا بندوبست کر لیا تھا۔ دوپہر کے وقت مراد خان بھی پانچ لاکھ کے کرنسی نوٹ لے کر اس کے گھر آ گیا۔

"وحید صاحب! آپ کی قسمت اچھی ہے جو رقم کا انتظام ہو گیا۔" مراد خان نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "ورنہ میں تو مایوس ہونے کے قریب تھا۔ بس' اللہ نے مہربانی کی اور ایک جگہ بات بن گئی۔"

"مایوسی کو اسی لئے گناہ عظیم کہا گیا ہے کہ اس کیفیت میں گرفتار ہو کر انسان اپنے اللہ سے دور ہو جاتا ہے۔" وحید نے رقم کا انتظام ہو جانے پر قدرے اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔ "اب مجھے یقین ہو چلا ہے کہ میری لٹنی شام سے پہلے صحیح سلامت گھر آ جائے گی۔"

"ان شاء اللہ۔" مراد خان نے پر یقین انداز میں کہا پھر رقم والا لفافہ وحید کی جانب بڑھاتے ہوئے اضافہ کیا۔ "آپ رقم گن لیں۔"

"آپ گن کر لائے ہیں' میرے لئے یہی کافی ہے۔"

"میں تو گن کر ہی لایا ہوں۔" مراد خان نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "اور اس رقم کی گنتی تو ویسے بھی بہت آسان ہے۔ سیدھے سیدھے' لاکھ والے پانچ پیکٹ بنے ہوئے ہیں اور نوٹ بالکل نئے ہیں۔" باتوں کے دوران ہی میں مراد خان نے براؤن لفافے میں سے کرارے نوٹوں کے پانچ پیکٹ نکال کر وحید علی سے کہا۔ "یہ اپنے پاس رکھ لیں۔"

وحید نے نوٹوں کو ہاتھ نہیں لگایا اور یہ کہتے ہوئے گھر کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گیا۔ "ایک منٹ مراد خان میں ابھی آتا ہوں۔"

مراد خان اثبات میں گردن ہلا کر رہ گیا۔

وحید علی ایک منٹ سے پہلے ہی واپس آ گیا اور قدرے استعمال شدہ نوٹوں کے دو پیکٹ بھی ساتھ لایا۔ وہ دو لاکھ کی رقم اپنے دوست کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔

"خان صاحب! ان کو بھی لفافے میں رکھ لیں۔ سات لاکھ ایک ہی جگہ رہیں تو اچھی بات ہے۔"

مراد خان نے مذکورہ دو لاکھ روپے بھی اسی لفافے میں ڈال لئے جس میں وہ اپنے پانچ لاکھ رکھ کر لایا تھا۔ لفافے پر ربر بینڈ چڑھانے کے بعد اس نے وحید علی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی چمڑے یا ریگزین کا چھوٹا سا ہینڈ بیگ چاہئے ہوگا۔ اتنی بڑی رقم کو لفافے میں رکھ کر گھومنا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔"

"ایسا بیگ ہے میرے پاس۔" وحید نے کہا۔"میں ابھی لے کر آتا ہوں۔"

وہ ایک بار پھر گھر کے اندرونی حصے کی طرف گیا اور مذکورہ بیگ لے کر آ گیا۔ سات لاکھ کی خطیر رقم (اس وقت کے حساب سے) کو بیگ میں ڈال کر ایک الماری میں محفوظ کر دیا گیا۔ دن کے کھانے کے نام پر انہوں نے تھوڑا زہر مار کیا پھر اغوا کنندہ کے فون کا انتظار کرنے لگے۔ فون سیٹ ان کے قریب ہی رکھا ہوا تھا۔

اغوا کار وقت اور وعدے کا بہت پابند ثابت ہو رہا تھا۔ ٹھیک تین بجے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ آخری ٹیلیفونک گفتگو میں اغوا کار نے تین بجے سہ پہر ہی فون کرنے کو کہا تھا۔ مراد خان بھی وحید کے نزدیک آ گیا۔ وحید نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور اضطراری لہجے میں کہا۔

"ہیلو......!"

"ہاں وحید علی۔" دوسری جانب سے اسی مخصوص آواز میں پوچھا گیا۔"رقم کا بندوبست ہو گیا ہے؟"

"جی......رقم تیار ہے۔" وحید نے جلدی سے کہا۔"اب تم وعدے کے مطابق لبنیٰ سے میری بات کرواؤ۔"

"ٹھیک ہے۔" اغوا کار نے سرسری انداز میں کہا۔

اگلے ہی لمحے لبنیٰ کی مطمئن آواز وحید علی کی سماعت سے ٹکرائی۔"ڈیڈی! مجھے بتایا گیا ہے' آپ نے مجھے چھڑانے کیلئے رقم کا انتظار کر لیا ہے؟"

"ہاں......میری جان۔" وحید نے جذباتی انداز میں کہا۔"تم پریشان نہیں ہونا۔ آج کا سورج غروب ہونے سے پہلے تم میری نظر کے سامنے' اپنے گھر میں ہو گی۔"

"تھینک یو ڈیڈی۔" وہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"ان لوگوں نے تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں پہنچائی؟" وحید نے بڑے دلار سے پوچھا۔

لبنیٰ کے بجائے اغوا کار کی آواز سنائی دی۔"مجھے ٹھیک پانچ بجے رقم چاہئے۔"

یقیناً اس شخص نے لبنیٰ کے ہاتھ سے ریسیور چھین لیا تھا۔ وحید علی نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔"مل جائے گی......بتاؤ رقم کہاں پہنچانا ہو گی؟"

"میں تمہیں زیادہ دور بلا کر زحمت نہیں دوں گا۔" اغوا کار نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔"وہ جگہ تمہارے گھر سے بمشکل پندرہ منٹ کی ڈرائیو پر ہے۔ تم ٹھیک پانچ بجے میری

بتائی ہوئی جگہ پر رقم کے ساتھ موجود رہو گے۔"

"ٹھیک ہے۔" وحید علی نے جلدی سے کہا۔ "مگر وہ جگہ کون سی ہے؟"

"ملاقات کے مقام کے بارے میں، میں تمہیں ساڑھے چار بجے بتاؤں گا۔" اس شخص نے کہا۔ "اس کے بعد تم دس پندرہ منٹ کے اندر اپنے گھر سے نکل پڑو گے۔ میرا وہ آدمی تمہاری نگرانی پر مامور ہے، وہ مذکورہ مقام تک تمہارا تعاقب کرے گا۔ جب تم میرے بتائے ہوئے مقام تک پہنچ جاؤ گے تو میرا ایک دوسرا آدمی تمہارے پاس آئے گا اور تم سے رقم لے لے گا۔"

"مگر میں تمہارے آدمی کو پہچانوں گا کیسے؟" وحید علی نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی سوال کر دیا۔

"تم اس کیلئے اور وہ تمہارے لئے اجنبی ہے۔" اس شخص نے گمبھیر انداز میں کہا۔ "پہچان کوڈ ورڈز کے تبادلے سے ہوگی۔ میرا جو آدمی تمہاری نگرانی کے فرائض انجام دے رہا ہے، وہ تمہارے پاس آنے والے آدمی سے بخوبی واقف ہے۔ وہ اسے تمہارے بارے میں بتا دے گا۔ میرا آدمی سیدھا تمہارے پاس پہنچے گا۔ کسی غلط فہمی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔"

"کوڈ ورڈز کیا ہوں گے؟" وحید علی نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میرا آدمی تمہارے پاس آ کر کہے گا...... تمہیں جس چیز کی تلاش ہے وہ میرے پاس ہے۔ بولو، خریدو گے؟ تم کہو گے، ہاں خریدوں گا۔ کتنے کی دو گے؟ وہ کہے گا، سات لاکھ کی۔ تم کہو گے ٹھیک ہے، وہ کہے گا نکالو سات لاکھ۔ تم رقم اس کے حوالے کر دو گے۔ اللہ اللہ، خیر سلا۔"

"ایسے کیسے خیر سلا......؟" وحید علی نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تم نے میری بیٹی کا تو کہیں ذکر ہی نہیں کیا۔ لبنیٰ کو تم کس طرح میرے حوالے کرو گے؟"

"جب تم سات لاکھ کی رقم میرے آدمی کو دے دو گے تو وہ ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے کہے گا وہ دیکھو، تمہاری بیٹی۔ تم جب اس سمت دیکھو گے تو اپنی بیٹی کو فوراً پہچان لو گے۔ تمہاری بیٹی لبنیٰ کو میں تمہارے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں پہنچا دوں گا مگر تم رقم ادا کئے بغیر اسے حاصل نہیں کر سکو گے۔ میرا آدمی رقم لے کر تم سے رخصت ہو جائے گا اور تم اپنی بیٹی کو لے کر گھر چلے جانا۔ اب تو میں کہہ سکتا ہوں نا...... اللہ اللہ، خیر سلا۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" وحید نے اضطراری انداز میں کہا۔ "لیکن دیکھ لو...... کوئی گڑبڑ

نہیں ہونی چاہئے۔"

"کیا تمہارا کوئی گڑبڑ کرنے کا ارادہ ہے؟" اس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"نن...... نہیں۔" وحید جلدی سے بولا۔ "بالکل نہیں۔"

"جب تم کوئی گڑبڑ نہیں کرو گے تو مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا کہ گڑبڑ کردوں۔" وہ برہمی سے بولا۔ "میں ایک اصول پسند کاروباری ہوں۔"

"ٹھیک ہے، تم نے جیسا کہا ہے، میں بالکل ویسا ہی کروں گا۔" وحید علی نے مصلحت آمیز انداز میں کہا۔ "مجھے اپنی بیٹی صحیح سلامت واپس چاہئے۔"

"تم نے کسی حماقت کے بارے میں تو نہیں سوچا؟"

"بالکل نہیں۔"

"تمہاری نگرانی پر مامور شخص نے مجھے بتایا ہے کہ کل رات سانولے رنگ کا ایک پستہ قامت آدمی تم سے ملنے آیا تھا۔" اغوا کار نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "اور میری تازہ ترین معلومات کے مطابق وہ بندہ آج دوپہر سے تمہارے گھر میں موجود ہے۔ وہ کون ہے اور کیا کرتا پھر رہا ہے؟"

"وہ میرا ایک مخلص دوست ہے۔" وحید نے جواب دیا۔ "مراد خان۔"

"کیا اس بندے نے تمہیں کسی مہم جوئی کیلئے اکسایا؟"

"نہیں...... مراد خان بہت ہی معقول شخص ہے۔" وحید علی نے جلدی سے جواب دیا۔ "میں اسی کے تعاون سے لاکھوں روپے کا بندوبست کرنے میں کامیاب ہوا ہوں۔ اس کا بھی یہی مشورہ ہے کہ ایسے نازک معاملات میں پولیس کو ملوث نہیں کرنا چاہئے۔"

"اوہ...... یہ تو خاصا عقل مند اور سمجھدار انسان ہے۔" اغوا کرنے نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "ٹھیک ہے، اب میں ساڑھے چار بجے تمہیں فون کروں گا۔ تم ذہنی اور جسمانی طور پر تیار رہنا۔"

"ایک منٹ......" وحید کو یوں محسوس ہوا تھا کہ اغوا کار فوراً فون بند کردے گا۔

"کیا ہوا؟" اس نے پوچھا۔

"اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں اپنے دوست مراد خان کو بھی ساتھ لے آؤں؟" وحید نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"مورل سپورٹ؟"

"یہی سمجھ لو۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ دریادلی سے بولا۔ "مگر کسی شیطانی خیال کو ذہن میں جگہ نہیں دینا۔ کسی بھی نوعیت کی مہم جوئی تمہاری بیٹی کی زندگی کیلئے انتہائی مہلک ثابت ہوگی۔"

"تم مطمئن رہو۔" وحید نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔ "میں ایسی کوئی حماقت کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"شاباش۔" یہ کہتے ہوئے اغوا کار نے رابطہ منقطع کر دیا۔

وحید نے ریسیور کریڈل کرنے کے بعد مراد خان کی طرف دیکھا اور حیرت بھرے لہجے میں بولا۔ "اس آدمی نے بڑا مربوط نیٹ ورک قائم کر رکھا ہے۔ اسے میرے پاس آنے جانے والوں کی پوری خبر ہے۔"

"جو لوگ پیشہ ور مجرم ہوتے ہیں وہ کچے کام نہیں کرتے۔" مراد خان نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ہم نے بہت عقلمندی کی جو لبنیٰ کے اغوا کی رپورٹ درج نہیں کروائی ورنہ جیسے ہی اغوا کار کو خبر ہوتی کہ ہم پولیس کی مدد لینے کا ارادہ رکھتے ہیں، وہ لبنیٰ کی جان سے کھیل سکتا تھا۔"

"ہوں......!" وحید کے چہرے پر تفکر کی پرچھائیں نمودار ہوئی۔ "میرے ذہن میں ایک بات آرہی ہے......" اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیسی بات؟" مراد خان نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"لبنیٰ کو اغوا کرنے والا آپ پر بھروسہ کر رہا ہے۔"

وحید علی نے بات ادھوری چھوڑی تو مراد خان نے پوچھا۔ "پھر؟"

"آپ میرے ساتھ تو جا ہی رہے ہیں۔" وحید وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "میں چاہتا ہوں کہ اغوا کے بتائے ہوئے مقام سے کچھ فاصلے پر آپ سے الگ ہو جاؤں اور رقم لے کر آپ مذکورہ مقام تک جائیں...... میں دور کھڑا دیکھتا رہوں گا۔ اس کے آدمی کے رخصت ہونے کے بعد ہم دونوں لبنیٰ کو لے کر گھر آجائیں گے۔"

"آپ نروس ہو رہے ہیں نا......؟" مراد خان نے ہمدردی بھرے لہجے میں کہا۔

"ہاں خان صاحب۔" وحید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "میرے اعصاب پر بہت زیادہ

دباؤ ہے۔ میں لبنیٰ کیلئے بہت جذباتی ہو جاتا ہوں۔ یہ نہ ہو کہ رقم کی ادائیگی کے وقت مجھ سے کوئی ایسی غلطی ہو جائے اور لبنیٰ......"

وحید کی ادھوری بات کے نتیجے میں مراد خان اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا' پھر اس کے نزدیک بیٹھ کر' اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے بولا۔ "حوصلہ رکھیں وحید صاحب۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"گویا آپ میری بات ماننے کیلئے تیار ہیں؟" وحید نے استفساریہ نظروں سے اپنے دوست کی جانب دیکھا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" مراد خان جلدی سے بولا۔ "لیکن ظاہر ہے' اس فیصلے کا اختیار مجھے نہیں ہے۔ جب اغوا کار کا فون آئے تو آپ اس سے بات کر کے دیکھ لیجئے گا۔ اگر وہ اس بات پر راضی ہو جاتا ہے تو ٹھیک ہے۔"

مراد خان کے ساتھ وحید علی کی دوستی کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا لیکن اس مختصری مدت کے دوران وحید اس پر اندھا اعتماد کرنے لگا تھا۔ جبھی اس مصیبت کی گھڑی میں مراد خان ہی اسے سب سے زیادہ قابل بھروسہ نظر آرہا تھا اور مراد خان نے راتوں رات اپنے دوست کیلئے پانچ لاکھ کی بھاری رقم کا انتظار کر کے حق دوستی نبھا دیا تھا۔

اغوا کار کی اگلی کال سے پہلے دونوں دوستوں میں اس موضوع پر مختلف زاویوں سے گفتگو ہونے لگی۔ عمران علی کو وحید نے حسینہ بیگم کی دیکھ بھال کیلئے مختص کر دیا تھا اور اس نوجوان نے بڑے سلیقے اور ذمہ داری سے اپنی ماں کو سنبھال رکھا تھا۔ اس گھر پر جو اچانک افتاد ٹوٹی تھی اسے کسی نہ کسی طرح بڑی خوبی سے مینج کر لیا گیا تھا۔ بس' ایک آخری مرحلہ باقی تھا جس کے بعد سب ٹھیک ہو جانا تھا۔

ساڑھے چار بجے اغوا کنندہ کا فون آ گیا۔ وحید علی کے ہیلو کے جواب میں اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ٹھیک پانچ بجے......ہل پارک میں سب سے بڑی پہاڑی کی چوٹی پر تمہیں موجود رہنا چاہئے جہاں بچوں کے کھیلنے کودنے کیلئے جھولے وغیرہ بنے ہوئے ہیں۔ تم آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا کر آؤ گے......ایسا کوئی چشمہ ہے تمہارے پاس؟"

"جی ہے......سن گلاسز ہیں میرے پاس۔" وحید نے جلدی سے جواب دیا۔ "میں وہ

گلاسز پہن لوں گا۔"

"رقم کس چیز میں رکھ کر لاؤ گے؟" اغوا کار نے پوچھا۔

"ریگزین کے بیگ میں۔" وحید علی نے جواب دیا۔ "سات لاکھ کے کرنسی نوٹ ایک بھورے رنگ کے لفافے میں ہوں گے اور وہ لفافہ ریگزین کے بیگ کے اندر۔ پانچ لاکھ کے نئے نوٹ ہیں اور دو لاکھ کے استعمال شدہ۔"

"نئے اور استعمال شدہ نوٹ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "بس اصلی ہونے چاہئیں۔ میرا آدمی نوٹ چیک کرنے کے بعد ہی لڑکی کو تمہارے حوالے کرے گا۔"
لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک آسودہ سانس خارج کی پھر عجیب سے لہجے میں بولا۔

"نئے نوٹوں کا تو ایسے بتا رہے ہو جیسے ایک نیا نوٹ دو کے برابر ہوتا ہے۔"

"تم بے فکر رہو۔" وحید نے اس کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "تمام نوٹ ایک دم اصلی ہیں۔"

"بس......تو پھر تم بھی بے فکر ہو جاؤ۔" وہ شخص فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ "تمہاری بیٹی صحیح و سالم تم تک پہنچ جائے گی۔"

اس کے بعد وحید علی نے نہایت ہی منت ریز انداز میں وہ بات کی جس کا تھوڑی دیر پہلے وہ مراد خان سے ذکر کر چکا تھا لیکن اغوا کار نے بڑی شدت سے انکار کر دیا۔

"تمہارا وہ پستہ قامت دوست صرف پارکنگ تک تمہارے ساتھ آ سکتا ہے۔" وحید کی سماعت پر اغوا کار کی کرخت آواز نے ہتھوڑا برسایا۔ "اس سے آگے نہیں۔ تم رقم والے بیگ کے ساتھ اکیلے ہی پہاڑی کی چوٹی پر پہنچو گے۔ میرا وہ آدمی پارکنگ ہی سے تمہارے تعاقب میں لگ جائے گا جو تم سے رقم لے گا۔ فکر نہیں کرو، تمہیں پہاڑی پر زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔"

اس کے بعد کسی سوال یا اعتراض کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ اغوا کار نے ٹیلی فونک سلسلہ موقوف کیا تو مراد خان اور وحید علی تیاری کے ساتھ گھر سے نکل کر ہل پارک کی جانب روانہ ہو گئے۔

ایک گھنٹے کے اندر اندر تمام مراحل بخیر و خوبی طے پا گئے۔ وحید علی نے اغوا کار کی ہدایات پر من و عن عمل کیا اور اس جرم زادے نے بھی اپنا کہا نبھا کر دکھا دیا تھا جس کے نتیجے

میں ٹھیک ساڑھے پانچ بجے لبنیٰ اپنے گھر کے اندر موجود تھی۔ اس گھر کے مکینوں نے پچھلے لگ بھگ تیس گھنٹے جس اعصاب شکن اور اذیت ناک فضا میں گزارے تھے یہ صرف انہی کے دل و دماغ جانتے تھے۔ لبنیٰ کے اغوا کے واقعہ کو ایسا صیغہ راز میں رکھا گیا تھا کہ آس پڑوس میں بھی کسی کو اس سانحہ کی خبر نہیں تھی' حتیٰ کہ کسی کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وحید علی کے گھر میں کچھ غیر معمولی ہو چکا ہے۔

مراد خان نصف شب تک وحید علی کے ساتھ رہا تھا۔ آئندہ روز بیماری کا بہانہ کر کے لبنیٰ کے سکول سے چند یوم کی چھٹی منظور کروالی گئی تھی۔ وحید علی چاہتا تھا کہ وہ مکمل آرام کرے۔ عمران نے بھی گھر سے نکلنا موقوف کر دیا تھا البتہ ایک آدھ روز کے بعد وحید علی دکان پر جانے لگا تھا۔ چند روز میں تمام معمولات معمول پر آ گئے اور یوں محسوس ہونے لگا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

وحید علی کو سب سے زیادہ فکر ان پانچ لاکھ روپے کی تھی جو مراد خان نے اسے دیئے تھے۔ بہر حال' یہ قرض کی رقم تو اسے واپس کرنا ہی تھی لیکن فوری طور پر یہ ممکن نہیں تھا۔ اس کی بیوی دل کی مریضہ تھی اور ہارٹ اٹیک کے بعد تو وہ مکمل طور پر بستر کی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کا علاج بھی خاصا مہنگا تھا جو ہر حال میں جاری رکھنا ضروری تھا۔

وحید علی بیک وقت کئی محاذوں پر لڑ رہا تھا کہ اس پر ایک اور قیامت ٹوٹ پڑی۔ ایک روز پتا چلا کہ حسینہ بیگم کو کسی علاج کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ بیوی کی موت نے وحید علی کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ عمران اور لبنیٰ کو بھی یقیناً دلی اور ذہنی صدمہ پہنچا تھا۔ کہا جاتا ہے' وقت سب سے بڑا مرہم ہے۔ گزرتے ہوئے شب و روز کے ساتھ رفتہ رفتہ ان تینوں کو بھی صبر آ ہی گیا۔ ان کے دل و دماغ نے بہر حال اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا کہ جانے والی جا چکی تھی۔ رونے دھونے اور ٹھنڈی آہیں بھرنے سے کسی بھی قیمت پر اس خلا کو پُر نہیں کیا جا سکتا۔

وحید علی کی اصل مشکلات کا آغاز اس وقت ہوا جب حسینہ بیگم کی موت کو ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے۔ ایک روز مراد خان اس کی دکان پر آیا وہ خاصا تھکا ہوا اور پریشان دکھائی دیتا تھا۔ وحید علی نے اس سے پوچھا۔

"کیا بات ہے خان صاحب! آج آپ خاصے ڈاؤن نظر آ رہے ہیں؟"

"بات پریشانی کی ہے لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا کیسے کہوں۔" وہ مبہم سے انداز میں بولا۔

''بس' ایسے ہی کہہ دیں جیسے آپ بات کر رہے ہیں۔'' وحید پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔ ''مجھ سے کچھ کہنے کیلئے آپ کو اتنا زیادہ متذبذب ہونے کی کیا ضرورت ہے۔''

''وحید صاحب!'' مراد خان نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''مجھے پیسوں کی ضرورت ہے۔''

وحید علی نے ایک افسردہ سی سانس خارج کی اور پوچھا۔ ''خان صاحب! آپ کا کام کتنے پیسوں سے چل جائے گا؟''

''بات کام چلانے کی نہیں ہے وحید صاحب۔''

''پھر......؟'' وحید علی کی پیشانی شکن آلود ہوگئی۔

مراد خان گھمبیر انداز میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''وحید صاحب! بات دراصل یہ ہے کہ میں نے جس شخص سے وہ رقم لے کر آپ کو دی تھی' میں اسے اب مزید نہیں بھگت سکتا۔''

''نہیں بھگت سکتا......'' وحید علی نے اسی کے الفاظ دہراتے ہوئے پوچھا۔ ''اس کا مطلب ہے خان صاحب؟''

''میں نے آج تک آپ سے ذکر نہیں کیا اور ایک سال گزر گیا۔'' مراد خان وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''دراصل میں نے وہ پانچ لاکھ ایک پارٹی سے سود پر لے کر آپ کو دیئے تھے۔''

''سود پر......؟'' وحید علی اچھل پڑا۔ ''اتنی بڑی غلطی آپ نے کیوں کی؟''

''اور کوئی راستہ ہی نہیں تھا۔'' مراد خان اپنی سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے بولا۔ ''آپ پر بہت بڑی مصیبت نازل ہوگئی تھی۔ میں نے ہر جگہ کوشش کر کے دیکھ لی تھی لیکن رقم کا انتظام نہیں ہو سکا تھا۔ میں آپ کو بے یارومددگار بھی نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ یہی ایک راستہ نظر آیا تو میں نے آپ کا مسئلہ حل کرنے کیلئے سود پر پانچ لاکھ قرض اٹھا لئے۔''

''اوہ میرے خدایا......!'' وحید علی نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ ''ایک سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد تو وہ رقم دگنی ہوگئی ہوگی۔''

''نہیں۔'' مراد خان نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''میں نے اصل رقم کا ایک بھی پیسہ آگے بڑھنے نہیں دیا۔ وہ اب بھی پانچ لاکھ روپے ہی ہیں۔''

'اس کا مطلب ہے......' وحید علی نے ہیجانی انداز میں کہا۔" آپ اس رقم پر باقاعدہ ہر ماہ سود ادا کرتے رہے ہیں؟"

" جی وحید صاحب! آپ کا اندازہ درست ہے۔" مراد خان اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔" لیکن اب میری ہمت جواب دے گئی ہے۔"

" اوہ......!" وحید علی تشویش بھرے انداز میں اپنے دوست کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔" آپ پچھلے ایک سال سے کس شرح کے حساب سے سود ادا کرتے رہے ہیں؟"

" دس فیصد کے حساب سے۔" مراد خان نے جواب دیا۔

" دس فیصد" وحید علی کی آنکھیں پھٹ گئیں۔" یعنی سو پر دس روپے' ہزار پر سو روپے' لاکھ پر دس ہزار روپے اور پانچ لاکھ پر پچاس ہزار روپے ماہانہ......اوہ مائی گاڈ۔"

" جی......آپ نے بالکل درست حساب لگایا ہے۔"

" پچھلے ایک سال میں آپ اس سود خور پارٹی کو پانچ لاکھ کی اصل رقم پر چھ لاکھ روپے سود ادا کر چکے ہیں؟" وحید علی پر گویا حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔

" اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا وحید صاحب۔" مراد خان نے گہری سنجیدگی سے کہا۔" میرا خیال تھا' آپ دو تین ماہ میں رقم واپس کر دیں گے مگر بدقسمتی سے ایسا نہیں ہو سکا اور میں سود کی دلدل میں پھنستا چلا گیا لیکن اب میری ہمت جواب دے گئی ہے۔" لمحاتی توقف کر کے مراد خان نے ہمدردی بھری نظروں سے اپنے دوست کی طرف دیکھا۔ وحید علی عقیدت واحترام سے لبریز انداز میں اسی کو تک رہا تھا۔ مراد خان نے بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

" میں نے جو کچھ اب تک کیا وہ دوستی نبھائی ہے وحید صاحب۔ میں آپ سے ایک پیسے کا تقاضا نہیں کروں گا۔ بس' اتنی ہی عرض ہے کہ یہ معاملہ اب آپ اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ چاہیں تو پانچ لاکھ یکمشت ادا کر کے سود کے اس شیطانی چکر سے جان چھڑا لیں یا پھر جب تک رقم کا بندوبست نہیں ہوتا' آپ ہر ماہ اپنی جیب سے پچاس ہزار سود ادا کرتے جائیں۔"

وحید علی کے پاس پانچ لاکھ کی رقم موجود نہیں تھی اور نہ ہی دکان سے اتنی آمدنی تھی کہ وہ ہر ماہ پچاس ہزار ادا کر پاتا۔ چند لمحات سوچنے کے بعد اس نے جواب دیا۔

" مراد خان! آپ جانتے ہیں' میرے گھر پر کتنی بڑی قیامت ٹوٹی ہے۔ اس وقت میری

ایسی پوزیشن نہیں کہ یکمشت یا ماہانہ سود والی ادائیگی کے طریقے پر عمل کر سکوں۔"

"مجھے سب معلوم ہے وحید صاحب۔" مراد خان نے مسکین سی صورت بنا کر کہا۔" لیکن میں مجبور ہوں۔ اس سلسلے کو مزید جاری رکھنا میرے بس میں نہیں۔"

"ٹھیک ہے دوست۔" وحید نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔" قدرت نے ہم دونوں کو کڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے..... مجھے ایک دن سوچنے کیلئے دے دیں۔ میں کل آپ کو جواب دوں گا۔"

"آپ دو تین دن اچھی طرح غور و فکر کر لیں وحید صاحب۔" مراد خان ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔" لیکن جو بھی فیصلہ کریں اس سے یہ مسئلہ حل ہونا چاہئے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔" وحید نے تسلی بھرے انداز میں کہا۔" آپ نے میری خاطر پہلے ہی بہت قربانی دی ہے۔ میں آپ کو مزید پریشان نہیں ہونے دوں گا۔ ان شاء اللہ میں اس مسئلے کو حل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

مراد خان امید لے کر وحید کی دکان سے رخصت ہو گیا۔ اسی رات وحید علی نے عمران اور لبنیٰ کے ساتھ ایک سنجیدہ میٹنگ کی اور انہیں صورتحال کی سنگینی سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

"میرے پاس اس بحران سے نکلنے کے صرف دو طریقے ہیں۔ آپ لوگ مشورہ دو کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

"وہ دو طریقے کون سے ہیں؟" عمران نے سوال اٹھایا۔

"نمبر ایک' میں اپنی دکان کو مال سمیت فروخت کر دوں۔" وحید علی نے گہری سنجیدگی سے کہا۔" نمبر دو' اس بنگلے کو فروخت کر کے ہم کسی چھوٹے گھر میں شفٹ ہو جائیں۔ اللہ نے مہربانی فرمائی تو دوبارہ بنگلہ...... اس سے بھی بڑا بنگلہ بن جائے گا۔"

"میرا خیال ہے' بنگلے کو فروخت کر دینا چاہئے۔" لبنیٰ نے کہا۔" جمے جمائے بزنس کو فروخت کرنا عقل مندی نہیں ہوگی۔ اگر دکان آپ کے ہاتھ میں رہی تو آپ اس سے کما کر دوبارہ بنگلہ بنا لیں گے۔"

"تم کیا کہتے ہو عمران؟" وحید نے سوالیہ نظروں سے بیٹے کی طرف دیکھا۔

"میں لبنیٰ کی تجویز سے متفق ہوں ڈیڈی۔" عمران نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔

"سود والے عذاب سے اسی صورت نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔"

چنانچہ اس رات فیصلہ ہو گیا کہ وحید علی اپنا بنگلہ فروخت کر دے گا۔ اگلی صبح اس نے دکان پر پہنچتے ہی مراد خان کو فون کیا۔ مراد خان ایک منجھا ہوا پراپرٹی ڈیلر تھا۔ بنگلے کی فروخت کا کام اس سے زیادہ موزوں انداز میں اور کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اپنے دوست پر اندھا اعتماد کرتا تھا۔

"ہیلو وحید صاحب۔" مراد خان نے فون اٹینڈ کیا۔

"مراد خان! میں نے مسئلے کا حل ڈھونڈ لیا ہے۔" وحید نے ٹھوس انداز میں کہا۔

مراد خان کی حیرت بھری آواز سنائی دی۔ "ایک ہی رات میں......؟"

"ہاں دوست' میں نے اپنا بنگلہ فروخت کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" وحید علی نے بتایا۔ "اب یہ پروجیکٹ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ آپ جتنی جلدی میرا بنگلہ بکوا دیں گے' اتنی ہی جلدی یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

"آپ بنگلہ فروخت کر دیں گے تو پھر رہیں گے کہاں؟" مراد خان نے پوچھا۔

"آپ ہمارے لئے کوئی چھوٹا سا گھر یا مناسب سا فلیٹ خرید دیں گے؟" وحید علی نے کہا۔ "میرا خیال ہے' اس بنگلے کی فروخت سے اتنی رقم تو مل ہی جائے گی کہ قرض کے پانچ لاکھ ادا کرنے کے بعد ہم کسی معقول رہائشگاہ کو خرید سکیں؟"

"جی ہاں' آپ کا خیال درست ہے وحید صاحب۔" مراد خان نے جلدی سے کہا۔

"مجھے اس بات کا سخت افسوس ہے کہ آپ کو بنگلہ فروخت کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔"

"اب آپ افسوس وغیرہ میں وقت برباد نہ کریں خان صاحب۔" وحید نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "بس پہلی فرصت میں یہ کام کر ڈالیں۔ اللہ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے۔"

آئندہ چند روز میں تمام معاملات بخوبی طے پا گئے۔ وحید علی کے بنگلے کی اس وقت مارکیٹ ویلیو پندرہ لاکھ کے آس پاس تھی لیکن جلدی اور افراتفری کے باعث وہ بارہ لاکھ میں فروخت ہو گیا۔ مراد خان نے بہادر آباد کے علاقے میں پانچ لاکھ کا ایک لگژری فلیٹ وحید علی کو دلوا دیا۔ آج کل ویسا فلیٹ ساٹھ ستر لاکھ بلکہ بعض پروجیکٹس میں تو ایک کروڑ سے کم نہیں ملتا۔ مراد خان کو پانچ لاکھ ادا کرنے کے بعد جو دو لاکھ باقی بچے تھے وہ وحید علی نے اپنے بزنس کو وسعت دینے کیلئے لگا دیئے تا کہ دکان کی آمدنی میں اضافہ ہو سکے۔ دکان میں ٹائروں کی

تعداد اور ورائٹی بڑھی تو ظاہر ہے' اس کی سیل اور پرافٹ میں بھی نمایاں بہتری دیکھنے میں آئی اور اس کے ساتھ ہی وحید علی کی مصروفیت میں بھی اضافہ ہو گیا۔

☆......☆......☆

"عمران......!" میں نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے دراز قامت دبلے پتلے نوجوان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری بیان کردہ کہانی میں تو کہیں یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ مراد خان کوئی برا انسان ہے' پھر وہ تم سے دشمنی کیوں کر رہا ہے؟"

"اس لئے کہ میں مراد خان کی اصلیت کو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ "وہ بہت ہی خطرناک اور تیز دھار میٹھی چھری ہے جناب۔"

"میں سمجھا نہیں؟" میں نے الجھن زدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"سب سمجھ جائیں گے۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ "آپ آگے تو سنیں......"

میں ہمہ تن گوش ہو گیا۔ وہ گفتگو کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

"وکیل صاحب! ہمیں بہادر آباد والے فلیٹ میں شفٹ ہوئے تین چار ماہ ہی ہوئے تھے کہ مراد خان نے ایک اور خطرناک چال چلی۔ اس دوران وہ مسلسل ہمارے گھر میں آمد و شد جاری رکھے ہوئے تھا۔ وہ ڈیڈی کا دوست ہے اس لئے ہم دونوں بھائی بہن اس کی عزت کرتے ہیں لیکن اب میں نے اس کا اصل اور بھیانک چہرہ دیکھ لیا ہے لہٰذا عزت و احترام کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ شیطان بھی اس بات سے بخوبی آگاہ ہے کہ میں اس کی اصلیت سے واقف ہو گیا ہوں اسی لئے وہ مجھے راستے سے ہٹانے کی کوشش میں ہے۔ اس چالباز نے ڈیڈی کو مجھ سے اتنا بدگمان اور متنفر کر دیا ہے کہ میں گھر چھوڑ کر اپنے چچا کے پاس رہ رہا ہوں۔"

"تم مراد خان کی کسی خطرناک چال کا ذکر کر رہے تھے۔" اس کے خاموش ہونے پر میں نے کہا۔ "جو اس نے تم لوگوں کے بہادر آباد شفٹ ہونے کے بعد چلی تھی؟"

"جی' میں وہی بتانے لگا ہوں۔" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "مراد خان کو ڈیڈی کی یہ کمزوری خوب معلوم ہے کہ ڈیڈی اس پر اندھا اعتماد کرتے ہیں۔ پتا نہیں اس کمینے نے کس طرح ڈیڈی کو شیشے میں اتارا کہ وہ دوسری شادی پر تیار ہو گئے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے چونک کر عمران کی طرف دیکھا۔ "یہ کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں وکیل صاحب۔" وہ اپنی بات پر زور دیتے ہوئے بولا۔ "نہ صرف یہ کہ ڈیڈی دوسری شادی کیلئے تیار ہوگئے بلکہ مراد خان نے روبی نامی ایک عورت سے ڈیڈی کی شادی بھی کروادی۔ پچھلے چند ماہ سے روبی ہماری سوتیلی ماں کی حیثیت سے فلیٹ پر رہ رہی ہے۔ ڈیڈی کی وہ چونکہ نئی بیوی ہے اس لئے وہ روبی کے گرویدہ ہیں۔ جب ہم دونوں بہن بھائی پرسے ان کی توجہ ہٹی تو مجھے تشویش ہوئی اور میں روبی کی تفتیش میں لگ گیا اور اس تفتیش کے نتیجے میں نہایت ہی بھیانک حقائق سامنے آئے۔ وکیل صاحب' آپ سنیں گے تو حیرت زدہ رہ جائیں گے۔"

"میں ضرور سنوں گا۔" میں نے گہری دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

وہ رازدارانہ انداز میں بولا۔ "سر! میں یہ پتا چلانے میں کامیاب ہوگیا ہوں کہ روبی کردار کی کوئی اچھی عورت نہیں اور مراد خان کے ساتھ بھی اس کے دیرینہ مراسم ہیں۔ مراد نے ایک گہری سازش کے تحت روبی کی ڈیڈی سے شادی کروائی ہے۔ وہ منحوس شخص ڈیڈی کو بالکل تباہ و برباد کردینا چاہتا ہے اور ڈیڈی اس کی چال کو سمجھ نہیں رہے۔ وہ پوری طرح مراد خان کی مٹھی میں ہیں اور اسی کے کہنے میں آکر وہ مجھ سے بدظن ہوگئے ہیں۔ مراد خان کا ہمارے یہاں آنا مجھے بہت کھلتا ہے۔ مجھے اس شخص کی شکل ہی سے نفرت ہے۔ اس کی آمدورفت کے پیش نظر جب میں نے گھر کے معاملات میں مداخلت کی تو انہوں نے اپنے دوست کی حمایت کرتے ہوئے مجھے بری طرح جھڑک دیا۔ میں نے دکان کے معاملات میں دلچسپی لینا شروع کی تو انہوں نے مجھے وہاں سے بھی بھگا دیا۔ ڈیڈی کا خیال ہے کہ میں آوارہ لڑکوں کی صحبت میں رہتے ہوئے بگڑ گیا ہوں۔ مراد خان نے ڈیڈی کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی ہے کہ میں اپنی سوتیلی ماں روبی سے نفرت کرتا ہوں اور کوئی چکر چلا کر ان کے کاروبار پر قابض ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں جبھی وہ مجھے دکان کے معاملات میں ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتے۔"

"میں نے تمہاری بات پر یقین کرلیا۔ تم جیسا بیان کررہے ہو حالات بالکل ویسے رہے ہوں گے۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا' پھر پوچھا۔ "کیا تمہارے پاس ایسا کوئی ثبوت ہے جس سے واضح ہوسکے کہ مراد خان دوستی کی آڑ میں تمہارے ڈیڈی سے دشمنی کررہا ہے اور انہیں تباہ و برباد کرنے کا ارادہ رکھتا ہے؟"

"کوئی تحریری یا کاغذی ثبوت تو نہیں ہے جناب۔" وہ متاملانہ نظروں سے مجھے دیکھتے

ہوئے بولا۔ ''جو بھی ہے' بس زبانی ہی زبانی ہے۔''

''مثلاً...... زبانی ہی زبانی کیا ہے؟'' میں نے استفسار کیا۔

''میں نے چند روز پہلے روبی اور مراد خان کو تنہائی میں باتیں کرتے ہوئے سن لیا تھا۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''اس وقت ڈیڈی گھر میں نہیں تھے۔ ان دونوں کی گفتگو بہت ہی خوفناک تھی۔ مراد خان اپنے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے روبی کو بتا رہا تھا کہ کس طرح اس نے اپنے آدمیوں کی مدد سے لبنیٰ کو اغوا کروا کے ڈیڈی کو چونا لگایا تھا۔ اس نے ڈیڈی کو جو پانچ لاکھ دیئے وہ ایک دم نقلی نوٹ تھے۔ ڈیڈی اس وقت سخت پریشان تھے لہٰذا نوٹوں کی چیکنگ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مراد خان کے نقلی پانچ لاکھ کے ساتھ ڈیڈی کے اصلی دو لاکھ بھی گئے' پھر سودخور پارٹی کا ڈرامہ رچا کر اس نامراد نے ڈیڈی سے مزید پانچ لاکھ ہتھیا لئے۔ اس کی کمینگی یہاں تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ ہمارا پندرہ سولہ لاکھ کا بنگلہ بارہ لاکھ میں بکوا کر بھی اس نے اچھی خاصی کمائی کر لی ہے اور ہمیں بہادر آباد والا جو فلیٹ پانچ لاکھ میں دلوایا ہے اس میں بھی یقیناً مراد نے کچھ نہ کچھ ضرور کمایا ہوگا۔''

''اوہ...... یہ تو بہت ہی خطرناک صورتحال ہے۔'' میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔ ''یہ مراد خان تو بہت ہی ماسٹر مائنڈ آدمی ہے۔''

''اسے شک ہے کہ میں اس کے عزائم کو اچھی طرح بھانپ چکا ہوں۔'' وہ اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''روبی اس کی خاص بندی ہے۔ وہ نامراد مراد خان روبی سے ڈیڈی کی شادی کروا کے اب ڈیڈی کے فلیٹ اور کاروبار پر بھی قبضہ کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ دولت' جائیداد اور کاروبار تو گیا جہنم میں...... میں کسی اور وجہ سے بھی سخت پریشان ہوں وکیل صاحب۔''

''کسی اور وجہ سے......'' میں نے الجھن زدہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ ''تم کس وجہ کا ذکر کر رہے ہو عمران؟''

''اس وجہ کا نام لبنیٰ ہے......'' وہ بے حد جذباتی لہجے میں بولا۔ ''روبی بہت ہی گندی عورت ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ میری معصوم بہن کو کسی بری راہ پر نہ ڈال دے۔ میں اپنا گھر چھوڑ کر چچا حمید علی کے پاس فیڈرل بی ایریا والے گھر میں تو چلا گیا ہوں لیکن میرا دل اور ذہن لبنیٰ میں اٹکا ہوا ہے۔''

''کیا تمہارے چچا حمید علی کو ان تمام حالات کا علم ہے؟'' میں نے پوچھا۔
''جی ہاں۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں نے ایک ایک بات پوری تفصیل کے ساتھ انہیں بتائی ہے۔''
''پھر وہ کیا کہتے ہیں بیچ اس مسئلے کے؟''
''انہیں ڈیڈی کے معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں۔'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔
''کیا مطلب؟'' میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔
''جی' میں سچ کہہ رہا ہوں۔''
''بھائی کو بھائی کے معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں۔'' میں نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔ ''یہ عجیب سی بات نہیں ہے۔''
''اصل میں چچا حمید اور ڈیڈی میں سالہا سال سے شدید نوعیت کے اختلافات چلے آرہے ہیں۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''بات چیت اور ملنا جلنا بالکل ختم ہے بلکہ یوں سمجھیں کہ مرنا جینا ختم ہے۔'' لمحاتی توقف کرکے اس نے ایک گہری سانس لی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔
''چچا نے مجھے اپنے گھر میں رکھ لیا ہے اور کہا ہے۔ میں جب تک چاہوں وہاں رہ سکتا ہوں مگر وہ ڈیڈی کے معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کریں گے۔ میرے چچا کے یہاں آجانے سے ایک اور گڑبڑ ہوگئی ہے وکیل صاحب؟''
''کیسی گڑبڑ؟'' میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔
''اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مراد خان نے ڈیڈی کو یقین دلا دیا ہے کہ میں چچا کے ساتھ مل کر ڈیڈی کے خلاف کوئی سازش تیار کررہا ہوں۔'' اس نے دانت پیستے ہوئے بتایا۔ ''وہ کمینہ ایک طرف ڈیڈی کو میرے خلاف اکسا رہا ہے دوسری جانب مجھے کرائے کے قاتلوں کے ذریعے صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کررہا ہے اور تیسری سمت وہ روبی کی مدد سے ڈیڈی اور للّی کو شکار کرنے کا منصوبہ بنائے بیٹھا ہے۔ ان باتوں سے آپ اس کی شیطانی ذہنیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں وکیل صاحب۔''
''ہاں...... مجھے بخوبی اندازہ ہورہا ہے۔'' میں نے گہری نظروں سے عمران کی آنکھوں میں جھانکا پھر پوچھا۔ ان تمام تر گمبھیر اور سنگین حالات میں' میں تمہارے لئے کیا کرسکتا

ہوں؟"

"جناب! آپ اپنی وکالت کے زور پر کوئی ایسا چکر چلائیں کہ مراد خان اپنے مذموم عزائم سے باز آجائے اور......" وہ امید بھری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "اور ہم سب راضی خوشی رہنے لگیں۔ ڈیڈی روبی کو اپنی زندگی سے نکال باہر کریں تاکہ ہمارے گھر کا سکون اور چین لوٹ آئے۔"

"برخوردار......!" میں نے نہایت ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں وکیل ہوں کوئی جادوگر نہیں۔ تم نے جو کچھ بتایا ہے اسے عملاً بروئے کار لانا ممکن نہیں۔"

"جادو کے ذکر پر یاد آیا ہے کہ کہیں روبی نے ڈیڈی کو اُلو کا گوشت تو نہیں کھلا دیا۔" وہ سنسناتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "یا ہوسکتا ہے، مراد خان کے ڈیڈی پر کسی قسم کا سفلی وغیرہ کروا دیا ہو؟"

"قانون کی کتابوں اور عدالت کے کمرے میں جادو ٹونا اور سفلی وغیرہ کی کوئی اہمیت نہیں عمران میاں۔" میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ تمہارے معاملے میں اگر کچھ ہوسکتا ہے تو وہ پولیس کے ذریعے ہی ہوسکتا ہے۔ تم متعلقہ تھانے جاکر اپنے مسائل کی رپورٹ درج کرواؤ تو زیادہ بہتر نتائج حاصل کئے جاسکتے ہیں۔"

"آپ بھی کمال کرتے ہیں وکیل صاحب۔" وہ خفگی آمیز انداز میں بولا۔ "کیا آپ اپنے ملک کی پولیس کا حال نہیں جانتے...... یہ چوروں اچکوں، جرائم پیشہ افراد اور پیسے والے طاقتور لوگوں کی مدد کرتی ہے۔ اگر میں اپنا معاملہ پولیس کے پاس لے گیا تو مراد خان بڑی آسانی سے پولیس والوں کی مٹھی گرم کرکے انہیں اپنی راہ میں ہموار کرلے گا۔" اس نے ذرا توقف کرکے مایوسی سے گردن ہلائی پھر بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"میری جیب میں تو پولیس کو دینے کیلئے سو روپے بھی نہیں ہیں اور چچا بھی اس معاملے میں میرے ساتھ ایک قدم چلنے کو تیار نہیں......"

"ادھر واٹر پمپ پر ان کا جنرل سٹور ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "تم اپنے چچا کو ایک آدھ روز میں میرے پاس بھیج دو۔ میں ان سے بات کرنے کے بعد کوئی لائحہ عمل بناتا ہوں۔"

"جی، میں چچا کو آپ کے پاس بھیجنے یا خود ساتھ لے کر آنے کی کوشش کرتا ہوں۔" وہ

اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا' پھر پوچھا۔"میرا مسئلہ حل تو ہو جائے گا نا وکیل صاحب؟"

"میں اپنی سی پوری کوشش کروں گا۔" میں نے تسلی بھرے انداز میں کہا۔ اس کے چہرے پر رونق ابھر آئی۔

"بہت بہت شکریہ جناب۔"

"اس دوران تمہیں ایک اور کام بھی کرنا ہے۔" میں نے پرسوچ لہجے میں کہا۔

وہ جلدی سے بولا۔"آپ جو بھی کہیں گے' میں کروں گا۔"

"تم نے مجھے اپنی سوتیلی ماں روبی اور لیئق کے حوالے سے جو کچھ بتایا ہے وہ خاصا تشویشناک ہے۔ کسی وقت کوئی بھی ناخوشگوار واقعہ رونما ہوسکتا ہے۔" میں نے سمجھانے والے انداز میں گہری سنجیدگی سے کہا۔"اس لئے میرا مشورہ یہی ہے کہ ادھر ادھر بھٹکنے کے بجائے تمہیں زیادہ وقت اپنے گھر پر گزارنا چاہئے۔ تم اسی گھر میں زیادہ محفوظ رہ سکتے ہو اور اپنی بہن کی بھی بھرپور انداز میں حفاظت کرسکتے ہو۔"

میری بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ میری ہدایت پر من وعن عمل کرے گا۔ وہ جانے کیلئے اٹھ کر کھڑا ہوا تو میں نے اپنا وزیٹنگ کارڈ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اسے رکھ لو' اگر کوئی بھی ہنگامی صورتحال پیدا ہو جائے تو مجھے فون کر لینا۔ کارڈ پر میرے آفس اور گھر دونوں کا فون نمبر درج ہے۔ میں تمہارے کام آنے کی اپنی سی کوشش کروں گا۔"

اس نے وزیٹنگ کارڈ کو اپنی جیب میں رکھتے ہوئے میرا شکریہ ادا کیا' پھر مجھے سلام کرکے دفتر سے رخصت ہو گیا۔

عمران علی کی کہانی نہایت ہی سنسنی خیز اور اہمیت کی حامل تھی لیکن میں سردست اس معاملے میں ہاتھ ڈالنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اگر عمران کا چچا اس سلسلے میں سنجیدگی سے کھڑا ہو جاتا تو پھر ان مسائل کو حل کرنے کیلئے کوئی کارگر حکمت عملی بنائی جا سکتی تھی۔ اب سارا دارومدار عمران کے چچا حمید علی کی اس کیس میں دلچسپی پر تھا۔

☆......☆......☆

حمید علی مجھ سے ملنے ضرور آیا مگر ایک آدھ روز میں نہیں بلکہ ایک ہفتے کے بعد۔ وہ اکیلا ہی تھا اور بڑی سنسنی خیز خبر لے کر آیا تھا۔ میں نے فوراً حمید علی کو اپنے چیمبر میں بلا لیا۔

حمید علی کی عمر پینتالیس کے اریب قریب رہی ہوگی۔ وہ متناسب البدن اور دراز قامت تھا اور اس نے گھنی ڈاڑھی بھی رکھی ہوئی تھی۔ میں توقع کر رہا تھا کہ عمران بھی اس کے ساتھ ہوگا مگر میری یہ توقع پوری نہیں ہوسکی تھی۔ حمید علی ان لمحات میں خاصا بوکھلایا ہوا تھا اور پریشان نظر آتا تھا۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا۔ اس سے پہلے وہ اپنا مکمل تعارف کروا چکا تھا۔

"وکیل صاحب! عمران بڑی مشکل میں پھنس گیا ہے۔ اسی نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔"

"آپ کو تو کافی دن پہلے مجھ سے ملنے آنا تھا۔" میں نے سرسری انداز میں کہا۔ "خیر...... یہ بتائیں' عمران کے ساتھ کیا ہوگیا ہے؟"

"قتل کے الزام میں۔" وہ انکشاف انگیز لہجے میں بولا۔

"قتل......" میں چونک اٹھا۔ "عمران پر کس کے قتل کا الزام ہے۔"

"آپ اندازہ لگائیں۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ "آپ کو تو اس نے پوری کہانی سنا رکھی ہے۔"

"مراد خان کے قتل کے الزام میں؟"

"نہیں۔" حمید علی نے نفی میں گردن ہلائی۔ "اپنی سوتیلی ماں روبی کے قتل کا الزام ہے اس پر۔"

"اوہ......" میں ایک گہری سانس لے کر رہ گیا' پھر پوچھا۔ "یہ کب کا واقعہ ہے؟"

"کل دوپہر کا۔" اس نے جواب دیا۔

"کل...... یعنی تین مارچ۔" میں نے ٹیبل کیلنڈر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آج چار مارچ ہے۔ اس کا مطلب ہے آج صبح پولیس نے عمران کو عدالت میں پیش کر کے اس کا ریمانڈ لے لیا ہوگا۔"

"جی ہاں۔" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "وہ اس وقت عدالتی ریمانڈ پر پولیس کسٹڈی میں ہے۔"

"واقعات کی تفصیل کیا ہے؟"

"مجھے کچھ زیادہ معلوم نہیں...... مطلب یہ ہے کہ وقوعہ کے روز کیا ہوا اس بارے میں' میں زیادہ نہیں جانتا۔" اس نے کہا۔ "آج عمران کی گرفتاری کے بارے میں پتا چلا تو میں اس

سے ملنے تھانے گیا تھا۔ اس نے مجھ سے درخواست کی کہ میں آپ کو اس واقعہ کے بارے میں بتا دوں لہٰذا میں آپ کے پاس آ گیا ہوں۔"

"عمران کا کیا مؤقف ہے؟"

"وہ اس بات پر ڈٹا ہوا ہے کہ روبی کے قتل سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔" حمید علی گہری سنجیدگی سے بولا۔ "آپ خود حوالات جا کر عمران سے ملاقات کر لیں۔"

"ٹھیک ہے' وہ تو میں کروں گا ہی۔" میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا' پھر پوچھا۔ "عمران کے باپ اور آپ کے بڑے بھائی وحید علی کا اس واقعہ کے حوالے سے کیا سٹینڈ ہے؟"

"وہ عمران کی مخالفت میں کھڑا ہے۔" وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ "اور اپنی چہیتی بیوی روبی کے قاتل کو قرار واقعی سزا دلوانے کے حق میں ہے۔"

"یہ تو عجیب بات ہے۔" میں نے کندھے اچکائے۔ "آپ نے اپنے بھائی کو سمجھانے کی کوشش نہیں کی؟"

"سمجھانے کی کوشش......" اس کے لہجے میں تلخی اتر آئی۔ "وکیل صاحب! وحید علی اس قابل نہیں کہ میں اس کے کسی معاملے میں کودنے کے بارے میں سوچوں۔ حسینہ بیگم بہت ہی نیک خاتون تھیں۔ اس کی موت کے فوراً بعد وحید نے ایک بازاری عورت سے شادی کر کے گھر کو جائے عذاب بنا دیا تھا۔" وہ لمحے بھر کیلئے تھما پھر نہایت ہی زہریلے انداز میں اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"یہ تو اچھا ہوا' روبی مر گئی۔ اس کا زندہ رہنا لٹی اور عمران کیلئے انتہائی خطرناک ثابت ہوتا۔"

"مگر اس کی موت بھی تو عمران کیلئے انتہائی خطرناک اور پریشان کن ثابت ہو رہی ہے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "پولیس نے عمران کو روبی کے قتل کے الزام ہی میں تو گرفتار کیا ہے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "مگر مجھے یقین ہے' عمران نے روبی کو قتل نہیں کیا۔ وہ ایک جذباتی نوجوان ضرور ہے مگر وہ قتل ایسا سنگین جرم نہیں کر سکتا۔ وہ بے گناہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں' عمران کو کسی گہری سازش کے تحت اس جھمیلے

میں پھنسانے کی کوشش کی گئی ہے۔ لہٰذا آپ کی کوششیں بآسانی عمران کو باعزت بری کروالیں گی۔"

اگر یہ کیس ابھی ابھی میرے پاس آیا ہوتا تو شاید حمید علی کی بات پر یقین کرنے کیلئے میں اس سے درجنوں سوال کرتا لیکن میں عمران اور اس کی فیملی ہسٹری سے پہلے ہی اچھی طرح آگاہ تھا۔ اگر عمران کو کسی کے خون میں ہاتھ رنگنا ہی ہوتے تو وہ شخص مراد خان کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا' چنانچہ میں بھی یہی سمجھ رہا تھا کہ روبی کے قتل میں عمران کو ملوث کرنا کسی سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ تھا۔ بقول عمران' اس سے پہلے اسے جان سے مارنے کی بھی کوشش کی گئی تھی۔ میں نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے عمران کے چچا سے کہا۔

"ٹھیک ہے حمید صاحب۔ میں یہ کیس لینے کیلئے تیار ہوں کیونکہ میں عمران کے حالات سے اچھی طرح واقف ہوں لیکن اس سلسلے میں آپ کو نہایت ہی اہم کردار ادا کرنا ہوگا۔"

"کیسا کردار وکیل صاحب؟" اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

"عمران کے ایک مضبوط حمایتی کا کردار۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "اصولی طور پر یہ کردار عمران کے باپ وحید علی کا بنتا ہے مگر وہ چونکہ اپنی بیوی کے مبینہ قاتل کو عبرتناک سزا دلوانے کیلئے کھڑا ہے اس لئے اس سے عمران کی حمایت کی توقع رکھنا فضول ہی ہوگا۔"

"آپ نے جو کچھ بیان کیا' میں اس سے سو فیصد اتفاق کرتا ہوں۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "لیکن میں کھل کر اس معاملے میں نہیں پڑنا چاہتا۔ یہ تو وحید علی کو شرم آنا چاہئے کہ وہ اپنی بدکردار بیوی کی خاطر اپنے بیٹے سے دشمنی کر رہا ہے۔"

"اسے شرم نہیں آرہی نا...... اور اس کی بھی ایک خاص وجہ ہے۔" میں نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "مراد خان اور روبی نے اپنے مختلف ہتھکنڈوں کی مدد سے وحید کو عمران کی طرف سے بری طرح بدظن اور متنفر کر رکھا ہے۔ اس موقع پر آپ سے زیادہ اور کوئی عمران کا خیر خواہ نہیں ہوسکتا۔"

"میں عمران کی خیر خواہی کیلئے تیار ہوں وکیل صاحب۔" وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ "اس کیس پر جو بھی اخراجات آئیں گے وہ میں دوں گا۔ میں آپ کی فیس اور ہر قسم کے عدالتی اخراجات اٹھاؤں گا مگر کھل کر سامنے کھڑا نہیں ہوں گا۔ یہ معاملہ

آپ کو خود ہی حل کرنا ہوگا۔"

"ہو جائے گا یہ معاملہ بھی حل۔" میں نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔"میں آج رات کسی وقت حوالات جا کر عمران سے ملاقات کرلوں گا۔ آپ کل اسی وقت میرے پاس آ جائیں پھر فیس اور دیگر مالی معاملات طے کرلیں گے۔"

"آپ کے ذہن میں کیا آئیڈیا ہے؟" اس نے استفسار کیا۔

"بس...... آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں عمران سے مل کر پہلے یہ جان لوں کہ وقوعہ کے روز فلیٹ پر کیا واقعہ پیش آیا تھا۔ اس کے بعد ہی کوئی حکمت عملی ترتیب دوں گا۔" میں نے حمید علی کے سوال کے جواب میں کہا۔"عمران کی عمر سن بلوغت کو عبور کرچکی ہے۔ وہ اپنا مقدمہ خود بھی لڑ سکتا ہے۔ بس' اس سلسلے میں جہاں جہاں رقم خرچ کرنے کا وقت آئے گا' وہ زحمت آپ کو کرنا ہوگی۔"

"مجھے منظور ہے۔" وہ فیصلہ کن انداز میں بولا' پھر پوچھا۔"وکیل صاحب! آپ کی فیس کتنی ہوگی؟"

میں نے اسے اپنی فیس کے بارے میں بتا دیا۔ اس نے مجھے خدا حافظ کہا اور کل دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گیا۔

اسی روز دفتر سے فارغ ہونے کے بعد میں نے متعلقہ تھانے جا کر عمران سے ایک بھرپور اور تفصیلی ملاقات کی۔ اس بات کا تو مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ وہ روبی کے قتل میں ملوث نہیں ہوگا۔ بہرحال' اس کی زبانی پتا چلنے والے حالات و واقعات کی روشنی میں میرا اندازہ یقین میں بدل گیا۔ عمران کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت قتل کے اس کیس میں پھنسانے کی کوشش کی گئی تھی۔ عمران سے ہونے والی اہم باتوں کا ذکر آگے چل کر عدالتی کارروائی کے دوران میں آئے گا۔

میں نے عمران کو تسلی دلاسا دیتے ہوئے پولیس والوں کے تفتیشی ہتھکنڈوں سے محفوظ رہنے کے طریقے بتائے۔ وکالت نامے' درخواست ضمانت اور دیگر اہم قانونی کاغذات پر اس کے دستخط لینے کے بعد میں نے اس سے عدالت میں ملنے کا وعدہ کیا اور تھانے سے نکل آیا۔

ریمانڈ کی مدت پوری ہونے کے بعد پولیس نے اس کیس کا چالان عدالت میں پیش کردیا۔ اسی روز میں نے اپنے موکل کی درخواست ضمانت اور اپنا وکالت نامہ بھی دائر کردیا تھا

لیکن مجھے یہ بتانے میں کوئی باک نہیں کہ میں عمران کی ضمانت کروانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ یہ بات پہلے بھی کئی بار وضاحت کے ساتھ بیان کی جا چکی ہے کہ قتل کے ملزم کی ضمانت ناممکن حد تک مشکل ہوتی ہے۔

آگے بڑھنے سے قبل میں استغاثہ کی رپورٹ اور پوسٹمارٹم رپورٹ کا ذکر کرنا نہایت ہی ضروری سمجھتا ہوں۔ میرے مؤکل اور اس کیس کے ملزم عمران علی کو عدالت نے جوڈیشل ریمانڈ پر عدالت سے سیدھا جیل بھجوا دیا تھا۔ اگلی پیشی پندرہ روز بعد کی تھی۔ مختلف نوعیت کی تحقیق اور تفتیش کیلئے میری نظر میں یہ پندرہ دن کافی تھے۔ حمید علی کھل کر اس کیس میں کوئی کردار ادا نہیں کر رہا تھا تاہم اس کی مالی' اخلاقی اور جسمانی ہر قسم کا تعاون مجھے حاصل تھا۔ اس کی مدد اور تعاون ہی سے میں اس کیس سے متعلق نہایت ہی اہم پوائنٹس تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ ان تمام باتوں کا ذکر عدالتی کارروائی کے دوران میں مناسب مقامات پر کیا جائے گا۔

واقعات کے مطابق تین مارچ کی دوپہر وحید علی کی بیوی روبی اپنی خواب گاہ میں مردہ پائی گئی تھی۔ مذکورہ دن لبنیٰ جب سکول سے گھر آئی تو گھر کے اندر طاری سناٹے سے اسے عجیب سا محسوس ہوا۔ ان دنوں اس کے...... امتحانات چل رہے تھے۔ جب وہ...... واپس آتی تھی تو اس کی سوتیلی ماں روبی گھر کے اندر موجود ہوتی تھی اور وہی لبنیٰ کیلئے فلیٹ کا دروازہ کھولا کرتی تھی لیکن آج اسے داخلی دروازہ کھلا ملا تو وہ چونک اٹھی' پھر فلیٹ کی اندرونی خاموشی نے اسے روبی کی خواب گاہ کی سمت قدم بڑھانے پر مجبور کر دیا اور اگلے ہی لمحے اس کی نگاہ روبی کے بے ترتیب بدن پر پڑی تو وہ ششدر رہ گئی۔

روبی کا لباس جابجا پھٹا ہوا تھا اور وہ بڑے بے ڈھنگے انداز میں اپنے بستر پر بے حس و حرکت پڑی تھی۔ اس افراتفری شدہ حالت میں روبی کو جامد و ساکت پڑے دیکھ کر لبنیٰ کے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ اس کی سوتیلی ماں اس دارفانی سے کوچ کر چکی ہے۔

اس نے فوری طور پر اپنے باپ کو فون کیا اور نہایت ہی وحشت زدہ انداز میں وحید علی کو صورتحال سے آگاہ کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وحید علی اپنے فلیٹ پر تھا۔ اس کے بعد ہی پولیس کو اس اندوہناک واقعہ کی اطلاع دی گئی تھی۔ کچھ ہی دیر کے بعد پولیس موقع پر پہنچ گئی اور اسی روز لگ بھگ سات بجے شام پولیس نے عمران کو اپنی سوتیلی ماں کے قتل کے الزام میں

گرفتار کرلیا تھا۔

واقعاتی شہادتوں کے مطابق جائے وقوعہ یعنی مقتول کے بیڈ روم میں اچھی خاصی افراتفری کے آثار پائے گئے تھے.......... استغاثہ کے مطابق ملزم عمران اپنی سوتیلی ماں روبی سے سخت نفرت کرتا تھا لہٰذا وقوعہ کے روز اس نے مقتولہ کی عصمت کو تار تار کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن مقتول کی جاندار مزاحمت نے ملزم کے منصوبے کی ایسی کم تیسی پھیر دی۔ اسی مزاحمت اور چھینا جھپٹی کے دوران میں مقتولہ کا لباس جگہ جگہ سے پھٹتا چلا گیا۔ جب ملزم کو یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ اپنے شیطانی مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا تو اس نے اپنے شکار کا گلا گھونٹ کر اسے موت کی نیند سلا دیا اور چپکے سے فلیٹ سے نکل گیا۔ اگر مقتولہ روبی ملزم کے ہولناک منصوبے کے سامنے زیر ہو کر مزاحمت ترک کر دیتی تو پھر شاید ملزم اس کی جان لینے کی کوشش نہ کرتا۔ اس کے جذبہ انتقام کو قرار آ جاتا لیکن مقتول نے اس کی مذموم کوشش کو بری طرح ناکام بنا کر اسے ایک ہیجان ایک جنون میں مبتلا کر دیا تھا۔ اسی وحشیانہ کیفیت میں اس نے مقتولہ کا گلا دبا کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

پوسٹمارٹم رپورٹ کے مطابق مقتولہ روبی کی موت دم گھٹنے کے سبب واقع ہوئی تھی۔ موت کا وقت بارہ اور دو بجے کے درمیان کا تھا۔ مقتولہ کی گردن کو قاتل کے مضبوط ہاتھوں نے اتنی شدت اور قوت سے دبایا تھا کہ اس کی سانس کی آمد و شد کا سلسلہ منقطع ہو کر رہ گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں بھی حلقوں سے باہر ابل پڑی تھیں جیسا کہ پھانسی لگنے والے یا لٹک کر خودکشی کرنے والے شخص کی آنکھیں باہر نکل آتی ہیں۔ مقتول کے نازک بدن پر نوچنے اور کھسوٹنے کے نشانات بھی پائے گئے تھے۔ اسی رپورٹ کی ایک لائن میرے مؤکل کے حق میں جاتی تھی اور وہ یہ کہ اس حملے کے دوران میں مقتول کے ساتھ مجرمانہ زیادتی نہیں کی گئی تھی۔ اس کی عصمت داغ دار نہیں ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

عدالت کی باوقار کارروائی کا آغاز ہوا۔ جج نے فرد جرم پڑھ کر سنائی۔ ملزم نے صحت جرم سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ملزم کا بیان ریکارڈ کیا گیا پھر وکیل استغاثہ جج کی اجازت کے بعد اکیوزڈ باکس (ملزموں والے کٹہرے) کے نزدیک پہنچا اور ملزم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جرح شروع کر دی۔

''کیا یہ درست ہے کہ تم اپنی سوتیلی ماں یعنی مقتولہ سے شدید نفرت کرتے تھے؟''

''اس کے جو کرتوت تھے ان کی روشنی میں اس سے محبت کی ہی نہیں جا سکتی تھی۔'' ملزم نے تلخی بھرے لہجے میں جواب دیا۔ ''وہ عورت ہم دونوں بھائی بہن پر کسی دردناک عذاب کے مانند نازل ہوئی تھی۔''

''کیا تمہاری بہن لبنیٰ بھی مقتولہ سے اتنی ہی نفرت کرتی تھی؟''

''اتنی اور جتنی یا کتنی کا تو مجھے پتا نہیں۔'' وہ خفگی آمیز انداز میں بولا۔ ''ہاں' یہ جانتا ہوں کہ اس عورت کے ظالمانہ سلوک کی بدولت لبنیٰ بھی اسے سخت ناپسند کرتی تھی۔''

وکیل استغاثہ نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''کیا یہ سچ ہے کہ وقوعہ سے ایک روز قبل رات کے وقت تمہارا مقتولہ کے ساتھ شدید نوعیت کا جھگڑا ہوا تھا؟''

''ہاں' یہ سچ ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔'' ملزم نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ ''وہ کون سا دن اور کون سی رات تھی جب ہمارے گھر میں بدامنی اور بدمزگی کی فضا قائم نہیں ہوتی تھی۔''

''میں وقوعہ سے ایک روز پہلے والے جھگڑے کی بات کر رہا ہوں۔'' وکیل استغاثہ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''جب تم نے مقتول کو جان سے مارنے کی دھمکی دی تھی اور اس پر ہاتھ اٹھانے کی بھی کوشش کی تھی لیکن خوش قسمتی سے اس وقت تمہارا باپ گھر میں موجود تھا اور اس نے بیچ میں پڑ کر یہ معاملہ رفع دفع کروا دیا تھا؟''

''جی ہاں۔'' ملزم نے ایک بار پھر اثبات میں گردن ہلائی۔ ''ایسا ناخوشگوار واقعہ پیش آیا تھا اور میں بتا چکا ہوں کہ اس تمام تر فساد کی جڑ وہی فتنہ پرور عورت تھی جو بدقسمتی سے میری سوتیلی ماں بن کر ہمارے گھر میں آئی تھی۔''

''چنانچہ تم نے پودا بننے سے پہلے ہی فساد کی اس جڑ کو تلف کر دیا؟''

''روبی کے قتل سے میرا دور کا بھی واسطہ نہیں۔'' ملزم نے احتجاجی انداز میں کہا۔ ''مجھے خوامخواہ اس دلدل میں پھینک دیا گیا ہے۔''

''تم یہ تسلیم کرتے ہو نا کہ...... وقوعہ سے ایک روز قبل تم نے مقتول کو جان سے مارنے کی دھمکی دی تھی؟'' وکیل استغاثہ نے تیکھے انداز میں سوال کیا۔

''ہاں...... وہ میرا وقتی اشتعال تھا۔'' ملزم صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

"مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی۔" وکیل استغاثہ نے یہ کہتے ہوئے جرح کا سلسلہ موقوف کر دیا۔

وکیل استغاثہ نے ملزم کو فارغ کیا تو میں سوالات کیلئے اس کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے نہایت ہی نرم لہجے میں دریافت کیا۔

"وقوعہ کے وقت تم کہاں تھے...... میرا مطلب ہے' دوپہر بارہ اور دو بجے کے درمیان؟"

"میں گھر میں نہیں تھا۔" اس نے جواب دیا۔

"یہی تو عدالت جاننا چاہتی ہے کہ جب تمہاری سوتیلی ماں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا' تم اس وقت کہاں تھے؟"

"میں اپنے دوستوں کے ساتھ تھا۔" اس نے بتایا۔ "محمود آباد میں۔"

"وقوعہ کے روز تم اپنے گھر سے کتنے بجے نکلے تھے؟"

"لگ بھگ گیارہ بجے صبح۔"

"اور واپسی کتنے بجے ہوئی تھی؟" میں نے سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے استفسار کیا۔

اس نے جواب دیا۔ "شام سات بجے۔"

"یعنی تم اس روز صبح گیارہ بجے سے شام سات بجے تک اپنے گھر کے اندر موجود نہیں تھے؟" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "اور دوپہر بارہ بجے سے دو بجے تک تم اپنے دوستوں کے ساتھ محمود آباد میں تھے؟"

"جی ہاں' یہی حقیقت ہے۔" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "ویسے تو میں یہ سارا وقت اپنے انہی دوستوں کے ساتھ رہا تھا لیکن چونکہ آپ نے خاص طور پر دوپہر بارہ بجے سے دو بجے تک کا ذکر کیا ہے اس لئے میں نے تصدیق کر دی کہ میں ان اوقات میں اپنے دوستوں کے ساتھ محمود آباد میں تھا۔"

"تم نے تو تصدیق کر دی۔" میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تمہارے وہ دوست بھی اپنے ساتھ تمہاری موجودگی کی تصدیق کر سکتے ہیں؟"

"کیوں نہیں جناب......ضرور۔" وہ بڑے یقین کے ساتھ بولا۔

"کیا تم اپنے ان دوستوں کے نام بتاؤ گے؟"

"عارف اور وسیم۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا عارف اور وسیم محمود آباد ہی کے رہنے والے ہیں؟"

اس نے اثبات میں گردن ہلائی' میں نے پوچھا۔

"اگر ضرورت محسوس ہوئی تو کیا عارف اور وسیم تمہارے حق میں گواہی دینے عدالت تک آ سکیں گے؟"

"بالکل آئیں گے جناب۔" وہ پُراعتماد انداز میں بولا۔ "جو سچ ہے اور سچ کا ساتھ دینے کیلئے ہر کسی کو تیار رہنا چاہئے۔"

"مگر ہر کوئی تیار نہیں رہتا۔" میں نے سرسری انداز میں کہا' پھر پوچھا۔ "جب تم وقوعہ کے روز دوپہر بارہ اور دو بجے کے درمیان جائے وقوعہ سے سات آٹھ کلومیٹر دور محمود آباد میں عارف اور وسیم کے ساتھ موجود تھے تو پھر استغاثہ کو اس بات پر اصرار کیوں ہے کہ انہی اوقات میں تم نے اپنی سوتیلی ماں کا گلا گھونٹ کر اسے موت کے گھاٹ اتارا ہے؟"

اس نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا اور کہا۔ "جناب! یہ سوال تو آپ کو استغاثہ سے کرنا چاہئے۔"

"ویل سیڈ۔" میں نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔ "وقت آنے پر یہ سوال استغاثہ سے ضرور کیا جائے گا۔" وہ خاموش نظروں سے مجھے تکنے لگا۔

میں نے پوچھا۔ "تم نے ابھی بتایا کہ وقوعہ کے روز تمہاری واپسی شام سات بجے ہوئی تھی۔ کیا تم روزانہ شام سات بجے ہی واپس لوٹا کرتے تھے؟"

"میری واپسی کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا جناب۔" وہ مضبوط لہجے میں بولا۔ "گھر میں موجود ٹینشن کیوجہ سے میرا زیادہ وقت گھر سے باہر ہی گزرتا تھا۔ عموماً رات دس کے بعد ہی میری واپسی ہوا کرتی تھی۔"

"پھر وقوعہ کے روز شام سات بجے واپسی کیوں ہوئی؟" میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔ "اس کا کوئی خاص سبب تھا؟"

"جی ہاں۔" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

میں نے پوچھا۔ "ایسا کیا خاص سبب تھا؟"

"دراصل، ہم دوستوں میں اس روز ایک سینما میں فلم دیکھنے کا پروگرام بن گیا تھا۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "اور ہم نے رات کا کھانا بھی باہر ہوٹل ہی میں کھانا تھا۔ اس کھانے اور فلم دیکھنے کے ٹکٹ وغیرہ کے اخراجات میرے ذمے آگئے تھے مگر اتفاق سے اس روز میں اپنا بٹوا گھر بھول گیا تھا۔ پچھلی رات مقتول کے ساتھ جو بدمزگی ہوئی تھی اس نے میرے حواس پر برے اثرات مرتب کئے تھے۔ بہرحال......" اس نے تھوڑا توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اپنے بیان کو مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"جب میں نے عارف اور وسیم کو بتایا کہ میں انہیں کھانا کھلانے اور فلم دکھانے کیلئے تو تیار ہوں مگر میرا بٹوا گھر پر رہ گیا ہے تو انہوں نے اسے میری کوئی چال سمجھا اور اس امر پر زور دیا کہ میں گھر سے بٹوا لے کر آؤں۔ ہم نے سینما کا آخری شو دیکھنے کا پروگرام بنایا تھا اور شو شروع ہونے میں ابھی اچھا خاصا وقت باقی تھا لہٰذا میں شام سات بجے اپنا بٹوا لینے گھر آیا تھا۔"

"بہت خوب۔" میں نے ذومعنی انداز میں کہا اور پوچھا۔ "اس رات آپ تینوں دوستوں نے کس پکچر ہاؤس میں کون سی فلم دیکھی تھی؟"

"آپ بھی کمال کرتے ہیں جناب......" وہ حیرت بھری نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"کیوں؟" میں نے بھی جواباً حیرت کا اظہار کیا۔ "اس میں کمال والی کون سی بات ہے؟"

"جناب! اس رات فلم دیکھنے کی تو نوبت ہی نہیں آئی تھی۔" وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔ "میں نے جیسے ہی بلڈنگ میں قدم رکھا، دو پولیس والوں نے مجھے گھیر لیا۔ مجھے یہ سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہ ہوئی کہ وہ وہاں کافی دیر سے گھات لگائے میرا انتظار رہے تھے۔ انہوں نے مجھے فوراً گرفتار کر لیا۔"

"تم نے وکیل استغاثہ کے سوالات کے جواب میں تسلیم کیا ہے کہ وقوعہ سے ایک روز پہلے، رات میں تمہارا مقتول یعنی سوتیلی ماں روبی سے شدید نوعیت کا جھگڑا ہوا تھا۔" میں نے سوالات کا زاویہ تبدیل کرتے ہوئے پوچھا۔ "معزز عدالت جاننا چاہتی ہے کہ اس جھگڑے کی بنیادی وجہ کیا تھی؟"

"روبی کا کردار۔" وہ نفرت انگیز انداز میں بولا۔

"کیا مطلب؟" میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے اس عورت کے کردار پر شک تھا بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ مجھے اس کے بدکردار ہونے کا یقین تھا تو یہ غلط نہیں ہوگا۔" وہ خاصے جوشیلے اور کٹیلے انداز میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "وہ ڈیڈی سے بے وفائی کی مرتکب ہو رہی تھی۔ وہ ڈیڈی کے ایک بااعتماد دوست مگر میری نظر میں ایک فراڈ شخص مراد خان کے ساتھ غلط قسم کے تعلقات رکھتی تھی۔ مراد خان کا ہمارے گھر میں آنا جانا تھا۔ ڈیڈی مراد خان پر اندھا بھروسہ کرتے تھے۔ روبی سے ڈیڈی کی شادی بھی اسی نامراد مراد خان نے کروائی تھی۔ وہ پہلے بھی دوستی کی آڑ میں ڈیڈی کو بے تحاشا مالی نقصان پہنچا چکا تھا لیکن ڈیڈی کی زبان پر اسی شخص کا کلمہ رہتا تھا۔ وہ روبی سے شادی کے بعد ہم دونوں بہن بھائی کو یکسر فراموش کر بیٹھے تھے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے ڈیڈی کی غیر موجودگی میں روبی اور مراخان کو نازیبا اور مخرب اخلاق حرکتیں کرتے دیکھا تھا......" وہ سانس ہموار کرنے کیلئے متوقف ہوا' پھر بیان کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

"جناب! وقوعہ سے ایک روز پہلے میں روبی کی انہی بے حیائی کی حرکتوں پر اسے لعن طعن کر رہا تھا کہ معاملہ بڑھ گیا۔ ہمارے درمیان جھگڑا اتنی شدت اختیار کر گیا کہ ڈیڈی کو بیچ...... بچاؤ کرنا پڑا تھا۔ میں نے طیش کے عالم میں یہاں تک بھی کہہ دیا کہ اگر وہ اپنے کرتوتوں سے باز نہ آئی تو میں اس کی جان بھی لے سکتا ہوں لیکن میری دھمکی وقتی ابال کا نتیجہ تھی۔ اس کا حقیقت سے یا میرے ارادے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔"

ان سوالات کے نتیجے میں' میں نے ابتدائی طور پر عدالت کے سامنے مقتول روبی کا کردار رجسٹر روا دیا تھا۔ علاوہ ازیں مراد خان کی انٹری بھی ڈال دی گئی تھی۔ یہ ایک طرح سے گملے کی نم مٹی میں کوئی بیج دبانا تھا۔ آئندہ پیشیوں پر میں نے ان دونوں بیجوں کی آبیاری کر کے انہیں سطح زمین سے باہر لانے کی کوشش کر سکتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ جب یہ دونوں پودے عدالت اور انصاف کی نظروں میں آتے تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جاتا تھا۔

مزید چند سوالات کے بعد میں نے جرح ختم کر دی۔

اگلی گواہی ملزم کی بہن لبنیٰ کی تھی۔ لبنیٰ لگ بھگ سولہ سال کی ایک گول مٹول اور گوری

چٹی لڑکی تھی۔ اس کے گال کھلونا گڑیاؤں کی طرح پھولے ہوئے تھے۔ دیکھنے میں وہ خاموش طبع اور کم گو نظر آتی تھی۔ اس نے اپنا حلفیہ بیان ریکارڈ کروا دیا تو وکیل استغاثہ اس کے پاس چلا گیا۔

"لبنیٰ جی۔" اس نے گواہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا یہ بات درست ہے کہ تمہارا بھائی عمران مقتول روبی سے شدید نفرت کرتا تھا؟"

اس نے اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔

"اور تم بھی مقتول کو سخت ناپسند کرتی تھیں؟"

"جی۔" لبنیٰ نے نہایت ہی مختصر جواب دیا۔

"کیا یہ بھی سچ ہے کہ عمران کا اکثر و بیشتر مقتول روبی کے ساتھ جھگڑا ہوتا رہتا تھا۔" وکیل استغاثہ نے گواہ کو اپنی مرضی کے مطابق گھسنے کی کوشش کرتے ہوئے سوال کیا اور وقوعہ سے ایک روز قبل تو اتنی شدت کا جھگڑا ہوا تھا کہ عمران نے اپنی سوتیلی ماں کو جان سے مارنے کی دھمکی بھی دے ڈالی تھی؟"

"جی ایسا ہی ہوا تھا۔" لبنیٰ نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔

"تمہارے ڈیڈی کا مقتول کے ساتھ رویہ کیسا تھا؟"

"بالکل نارمل۔"

"اور مقتول کا تمہارے ڈیڈی کے ساتھ کیسا سلوک تھا؟"

"بالکل ٹھیک تھا۔"

"یعنی تمہارے ڈیڈی اور تمہاری سوتیلی ماں روبی کے درمیان کسی نوعیت کا تنازع نہیں تھا۔" وکیل استغاثہ نے چالاکی سے پوچھا۔ "وہ دونوں امن و سکون سے ازدواجی زندگی گزار رہے تھے؟"

"جی ہاں۔"

"اور ان دونوں کو گھر میں کسی مراد خان کی آمد و شد پر بھی کوئی اعتراض نہیں تھا؟" وکیل استغاثہ نے ہوشیاری سے سوال کیا۔

"جی......نہیں کوئی اعتراض نہیں تھا۔" لبنیٰ نے جواب دیا۔

وکیل استغاثہ نے فاتحانہ انداز میں جج کی طرف دیکھا اور جرح کا سلسلہ ختم کر دیا۔ میں

اپنی باری پر ڈنس باکس کے قریب پہنچ گیا اور گواہوں والے کٹہرے میں کھڑی لبنیٰ سے پوچھا۔
"جن دنوں تمہارے گھر میں یہ افسوسناک واقعہ پیش آیا' تمہارے میٹرک کے امتحانات چل رہے تھے۔ سارے پرچے تو گڑبڑ ہوگئے ہوں گے؟"
"جی...... صرف پرچے ہی نہیں' زندگی کا ہر معاملہ گڑبڑ ہوگیا تھا۔" اس نے دکھ بھرے لہجے میں بتایا۔ "میں جبھی سے بہت ڈسٹرب ہوں۔"
"ٹھیک ہے' بیٹی! میں تمہاری ذہنی کیفیت کو سمجھ سکتا ہوں۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "لیکن یہ سوالات بھی ضروری ہیں۔"
"جی...... میں سمجھ سکتی ہوں۔" وہ میری بات کی تہ تک رسائی حاصل کرتے ہوئے بولی۔ "آپ پوچھیں' کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟"
میں نے پوچھا۔ "تم روزانہ سکول کیلئے کتنے بجے گھر سے نکلتی تھیں؟"
"پونے آٹھ بجے......" اس نے بتایا۔
"اور تمہاری واپسی کب ہوتی تھی؟" میں نے پوچھا۔ "میرا مطلب ہے' تم اپنے گھر کتنے بجے پہنچ جاتی تھیں؟"
"کم وبیش دو بجے دوپہر۔" اس نے جواب دیا۔
"کیا وقوعہ کے روز بھی تم دو بجے ہی گھر پہنچی تھیں؟"
"نہیں......" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ "ان دنوں پیپرز ہو رہے تھے جس کی وجہ سے جلدی چھٹی ہو جاتی تھی۔ اس روز میں ایک بجے دوپہر گھر آ گئی تھی۔"
"جب تم گھر پہنچیں تو تمہاری سوتیلی ماں اپنے بیڈروم میں مردہ پڑی تھی۔" میں نے سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "پوسٹمارٹم رپورٹ کے مطابق' مقتول روبی کی موت دوپہر بارہ بجے سے لے کر دو بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔ تمہارے بیان کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ مقتول کو بارہ اور ایک بجے کے بیچ کسی وقت موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا کیونکہ اس روز جب تم ایک بجے دوپہر گھر پہنچیں تو تمہاری سوتیلی ماں زندگی کی بازی ہار چکی تھی......!"
لبنیٰ نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ خاموش نظر سے مجھے تکتی چلی گئی۔
میں نے پوچھا۔ "وقوعہ کے روز جب تم صبح سکول جا رہی تھیں تو اس وقت گھر میں کون

کون موجود تھا؟''

''ابو تھے...... امی تھیں...... اور عمران تھا......'' اس نے جواب دیا۔

''امی...... مطلب' مقتول روبی؟'' میں نے پوچھا۔

''جی وہی......'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''ابو کے رشتے کے حوالے سے میں انہیں امی ہی کہا کرتی تھی۔''

''نہیں۔'' وہ قطعیت سے بولی۔ ''وہ ہمیشہ یہی کہتا تھا کہ میں اس عورت کی حقیقت سے واقف ہو چکا ہوں لہٰذا اسے امی کہنا خود کو گالی دینے کے مترادف ہے۔''

''وقوعہ کے روز جب تم سکول کیلئے گھر سے نکلیں تو اس وقت عمران کیا کر رہا تھا؟'' میں نے جرح کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''وہ اس وقت سو رہا تھا۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔

''کیا یہ درست ہے کہ کچھ عرصہ پہلے تمہیں اغوا کر لیا گیا تھا؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔ ''اس وقت تمہاری سگی ماں زندہ تھیں؟''

''جی یہ درست ہے۔'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''اور پھر اغوا کار کو مبلغ سات لاکھ روپے دے کر تمہیں رہا کرایا گیا تھا؟''

''جی بالکل' ایسا ہی ہوا تھا۔''

''تمہارے والد کے پاس اتنی بڑی رقم موجود نہیں تھی اور نہ ہی وہ اغوا کار کے دیئے ہوئے وقت کے اندر یہ رقم ارینج کر سکتے تھے لہٰذا اس موقع پر ان کے ایک دوست مراد خان نے ان کی مدد کی تھی۔''

''جی۔ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''دو لاکھ ابو نے اور پانچ لاکھ مراد انکل نے ملائے تھے اور مجھے اغوا کار سے چھڑایا گیا تھا۔''

''کیا یہ وہی مراد خان ہے جس نے آپ کی امی حسینہ بیگم کے انتقال کے فوراً بعد مقتول سے آپ کے باپ کی شادی کرائی تھی؟''

''جی...... وہی مراد خان۔'' اس نے بتایا۔

''کیا مراد خان روبی اور آپ کے والد کی شادی سے پہلے بھی آپ کے گھر آیا کرتا تھا؟'' میں نے گہری سنجیدگی سے استفسار کیا۔

''جی نہیں۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔'' پہلی مرتبہ میں نے مراد خان کو اپنے گھر میں اس وقت دیکھا جب میں اغوا کار کے چنگل سے نکل کر گھر واپس آئی تھی۔ جبھی مجھے پتا چلا تھا کہ مراد نے میری رہائی کے سلسلے میں ایک بڑی رقم ابو کو دی تھی۔'' لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک گہری سانس لی' پھر اضافہ کرتے ہوئے بولی۔''اس سے پہلے میں نے صرف مراد خان کا نام سنا تھا اور یہ پتا تھا کہ وہ ابو کا دوست ہے۔''

''پھر جب تمہاری امی کے انتقال کے بعد تمہارے ابو اور مقتول کی شادی ہو گئی تو یہی مراد خان اکثر و بیشتر آپ کے گھر آنے لگا تھا؟''

''جی...... ایسا ہی تھا۔''

''اور عمران کو اس شخص پر گہرا شک تھا؟''

''جی......'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا جناب عالی۔'' میں نے جج کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مزید جرح ملزم عمران پر ہو گی۔''

لبنیٰ عدالت کے کمرے سے باہر گئی تو میں اکیوزڈ باکس میں کھڑے ملزم عمران کی جانب متوجہ ہو گیا۔ عمران سے پہلے بھی میری دو تین ملاقاتیں ہو چکی تھیں تاہم اس وقت وہ ایک آزاد شہری تھا۔

''تمہاری بہن نے ابھی معزز عدالت کو بتایا ہے کہ تمہیں مراد خان پر گہرا شک تھا۔'' میں نے ملزم کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔'' ذرا اپنے شک کی وضاحت تو کرو......''

''اس شخص پر مجھے کئی حوالوں سے شک تھا...... شک نہیں بلکہ یقین تھا کہ یہ شیطان میرے ابو کو تباہ و برباد کرنے کے منصوبے پر عمل پیرا تھا۔'' اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔''روبی سے ابو کی شادی تو بہت بعد کی بات ہے۔ مراد کا گھناؤنا منصوبہ تو اسی وقت شروع ہو گیا تھا جب لبنیٰ کو اغوا کیا گیا تھا۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا......؟'' میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

یہ تمام معاملات عمران کی زبانی پہلے ہی مجھ تک پہنچ چکے تھے لیکن عدالت کے ریکارڈ پر لانا ضروری تھا' اس لئے میں ایک مخصوص انداز میں جرح کر رہا تھا۔ میرے سوال کے جواب میں عمران نے بڑے اعتماد سے بتایا۔

"مجھے یقین ہے کہ ابو کو تباہ و برباد کرنے کے منصوبے کا آغاز لبنیٰ کے اغوا سے ہوا تھا۔ مراد خان نے بڑی چالاکی سے پہلے لبنیٰ کو اغوا کرایا پھر ابو کی ہمدردی حاصل کرنے کیلئے پانچ لاکھ روپے کے نقلی نوٹ مہیا کیے۔"

"تم یہ بات اتنے وثوق سے کس طرح کہہ سکتے ہو کہ پانچ لاکھ کے وہ نوٹ جو مراد خان نے تمہارے والد کو دیئے وہ نقلی تھے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔ "اور یہ کہ لبنیٰ کو مراد ہی نے اغوا کرایا تھا......؟"

"ثبوت......" وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ "میں یہ بات اتنے وثوق سے اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میں نے خود اپنے کانوں سے یہ زہریلا سچ سنا تھا اور اسی دن سے مراد خان میرا دشمن ہو گیا تھا۔"

"کیا مطلب؟" میں نے انجان بننے کی اداکاری کرتے ہوئے پوچھا۔

"روبی سے ابو کی شادی کے بعد مراد خان نے اکثر و بیشتر ہمارے گھر آنا شروع کر دیا تھا۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "اور یہ کمینہ شخص ابو کی غیر موجودگی میں بھی ہمارے گھر آ جایا کرتا تھا اور...... روبی سے گپ شپ کر کے واپس چلا جاتا تھا۔ ایسے ہی ایک موقع پر میں نے ان دونوں کی گفتگو سن لی تھی' جب وہ روبی کو بتا رہا تھا کہ اس نے کس طرح خود ہی لبنیٰ کو اغوا کرایا اور پھر نقلی نوٹوں سے ابو کو بیوقوف بنایا۔ بعد میں سود کی بھاری رقم کا ناٹک کر کے اسی شیطان نے ہمارا بنگلہ اونے پونے بکوا دیا اور ہم بہادر آباد کے اس فلیٹ میں آ گئے۔ اس شیطان نے اس پر بھی بس نہیں کی اور روبی سے ابو کی شادی کرادی۔ میری تحقیق کے مطابق' روبی ایک بدکردار عورت تھی اور مراد خان نے ایک گہری سازش کے تحت ابو سے اس کی شادی کرائی تھی۔ میں چونکہ اس کے شیطانی منصوبے کو بھانپ گیا تھا اس لئے وہ میرا دشمن ہو گیا تھا۔ اس نے کرائے کے غنڈوں سے مجھے قتل کرانے کی کوشش بھی کی لیکن میری خوش قسمتی کہ میں بچ گیا ورنہ اس نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی......"

"اوہ......" میں نے ایک مصنوعی جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔ "یہ تو بہت ہی خطرناک شخص ہے......" پھر میں نے روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے ان الفاظ میں اضافہ کیا۔

"جناب عالی! معزز عدالت سے میری استدعا ہے کہ مراد خان نامی اس شخص کو عدالت میں پیش کرنے کا بندوبست کیا جائے۔ میں اس بندے سے چند اہم سوالات کرنا چاہتا

ہوں۔"

جج نے گہری سنجیدگی سے مجھے دیکھا اور اثبات میں گردن ہلا دی۔

اس کے ساتھ ہی عدالت کا مقررہ وقت ختم ہو گیا۔

☆......☆......☆

آئندہ پیشی پر مراد خان عدالت میں حاضر نہیں ہوا۔ اس کی طرف سے بیماری کا سرٹیفکیٹ داخل کر دیا گیا تھا۔ اس پیشی پر میں نے ملزم عمران کے دونوں دوستوں کو ارینج کر رکھا تھا لہٰذا جج کی اجازت حاصل کرنے کے بعد میں نے عارف اینڈ وسیم محمود آبادی کو گواہی کیلئے کمرے میں بلا لیا۔ وہ دونوں صفائی کے گواہوں کی حیثیت سے میری جانب سے عدالت میں پیش ہوئے تھے۔

عارف اور وسیم کے بیانات میں ایسی سنسنی خیزی نہیں تھی کہ میں ان پر ہونے والی جرح کو لفظ بہ لفظ یہاں تحریر کروں تاہم ان کے بیانات کی اہمیت اپنی جگہ مسلم تھی۔ وہ دونوں اس امر کے مضبوط گواہ تھے کہ وقوعہ کے روز یعنی تین مارچ کو ملزم عمران علی نے دوپہر ساڑھے گیارہ بجے سے شام سات بجے تک کا وقت ان کی معیت میں گزارا تھا اور اس دوران میں وہ ایک لمحے کیلئے بھی ان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوا تھا جبکہ پوسٹمارٹم رپورٹ کے مطابق مقتول روبی کو وقوعہ کے روز دوپہر بارہ بجے سے دو بجے کے دوران میں موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ ملزم کی چھوٹی بہن لبنیٰ کا بیان اس بات کی تصدیق کرتا تھا کہ جب وہ لگ بھگ ایک بجے گھر پہنچی تو مقتول روبی اس دارفانی سے کوچ کر چکی تھی۔ ان حقائق کی روشنی میں میرا موکل اور اس مقدمے کا ملزم عمران علی بے گناہ نظر آتا تھا لیکن ابھی اس کی بے گناہی کو عدالت کی نظر میں ثابت کرنے اور اس کی باعزت رہائی کو یقینی بنانے کیلئے مجھے ایک دو مزید زاویوں پر طبع آزمائی کرنا تھی لہٰذا میں نے جج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یور آنر...... میں اس کیس کے تفتیشی افسر سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔"

کسی بھی کیس کا انکوائری آفیسر ہر پیشی پر عدالت میں موجود ہوتا ہے اور اس کی حیثیت استغاثہ کے گواہ ایسی ہوتی ہے۔ میری فرمائش پر جج کی اجازت سے آئی او وٹنس باکس میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ عہدے کے اعتبار سے وہ ایک سب انسپکٹر تھا جو اپنے ڈیل ڈول اور جثے کے مطابق ایک ست الوجود شخص نظر آتا تھا۔

''آئی او صاحب!'' میں نے ڈھیلے ڈھالے تفتیشی افسر کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے سوالات کا آغاز کیا۔ ''آپ کو اس واقعہ کی اطلاع کب اور کس نے دی تھی؟''

اس نے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور اپنے ہیوی ڈیوٹی وجود کے برعکس نہایت ہی مہین اور مسکین سی آواز میں جواب دیا۔

''لگ بھگ دو' سوا دو بجے ہمیں اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تھی اور فون مقتول کے شوہر وحید علی نے کیا تھا۔''

یہ بات عدالت کے علم میں آ چکی تھی کہ لبنیٰ نے سکول سے گھر پہنچنے کے بعد سب سے پہلے روبی کی لاش کو دیکھا تھا اور فوراً اس واقعہ کی اطلاع اپنے والد کو دی تھی جو تھوڑی ہی دیر میں گھر پہنچ گیا تھا' اس کے بعد ہی پولیس کو فون کیا گیا تھا۔

''آپ نے جائے وقوعہ کا نقشہ خاصی تفصیل سے تیار کیا تھا لیکن حیرت مجھے اس بات پر ہے کہ جائے واردات کے کسی بھی حصے سے ملزم کے فنگر پرنٹس اٹھانے کی زحمت گوارا نہیں کی گئی......'' میں نے قدرے تیز لہجے میں سوال کیا۔ ''اس کوتاہی کا کوئی خاص سبب؟''

''یہ کوتاہی نہیں تھی۔'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ ''ہم نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ مقتول کے بیڈ روم کی حالت چیخ چیخ کر اس امر کی گواہی دے رہی تھی کہ اس شقی القلب شخص نے کتنی بے دردی سے اسے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔''

''آپ کا مطلب ہے' مقتول کے بیڈ روم کی دیواریں اور وہاں موجود ہر شے ملزم کا نام پکار رہی تھی۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''یہ تو آپ بہت ہی حیرت انگیز بات بتا رہے ہیں۔''

''آپ بالکل غلط سمجھے ہیں وکیل صاحب۔'' وہ خود کو خاصا عقل مند ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ ''میرا اشارہ مقتول کی لاش کی جانب تھا۔ اس کے لباس کو جس انداز میں تار تار کیا گیا تھا' اس کے بدن کو جس طرح نوچا اور کھسوٹا گیا تھا وہ ملزم کی درندگی کا منہ بولتا ثبوت تھا......'' ایک لمحے کو وہ سانس لینے کیلئے متوقف ہوا پھر عجیب سے لہجے میں بولا۔

''اب آپ یہ سوال نہیں کیجئے گا کہ کیا میں نے اپنی آنکھوں سے ملزم کو یہ کارروائی کرتے دیکھا تھا......اس معاملے کو سمجھنے کیلئے ملزم کی ایک روز پہلے والی دھمکی ہی کافی تھی جب اس نے بڑے جلال میں مقتول کو قتل کرنے کی وارننگ دی تھی۔''

''ٹھیک ہے آئی او صاحب! آپ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے میں یہ سوال نہیں کروں گا۔'' میں نے بڑی رسان سے کہا۔'' لیکن اس کے علاوہ دوسرے سوال تو کرسکتا ہوں نا......؟''

وہ منہ سے کچھ نہیں بولا۔ یک ٹک مجھے دیکھتا چلا گیا۔

''آپ جائے وقوعہ پر گئے ہیں۔'' میں نے پوچھا۔'' کیا آپ معزز عدالت کو بتانا پسند کریں گے کہ مقتول کی رہائش کراچی کے کس علاقے میں واقع تھی؟''

''بہادرآباد میں۔'' اس نے جواب دیا۔

''بنگلہ یا فلیٹ......؟''

''فلیٹ!''

''کیا مقتول کا فلیٹ بہادرآباد کے کسی الگ تھلگ حصے میں واقع تھا یا کسی بھری پری بلڈنگ میں؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''بھری پری بلڈنگ میں۔'' اس نے الجھن زدہ انداز میں جواب دیا۔

آئی او کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں اس نوعیت کے سوالات کس مقصد سے کررہا ہوں۔ میں نے اس کی الجھن کی پروا کئے بغیر ایک سنسناتا ہوا استفسار کیا۔

''آئی او صاحب! آپ نے جائے وقوعہ کا جتنا دردناک نقشہ تیار کیا ہے اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مقتول نے اپنی عزت اور جان بچانے کیلئے سرتوڑ کوشش کی تھی اور اسی کوشش میں اس کا لباس بھی تارتار ہوگیا تھا لیکن ایک بات کی مجھے حیرت ہے کہ وہ چیخی چلائی نہیں...... اس نے کسی کو مدد کیلئے نہیں پکارا...... کہیں وہ گونگی تو نہیں تھی؟''

''نہیں جناب' وہ گونگی نہیں تھی۔'' وہ معاندانہ نظر سے مجھے گھورتے ہوئے بولا۔'' مقتول بھی یقیناً اپنی مدد کیلئے چیخی چلائی ہوگی لیکن ملزم نے اس کی پیش نہیں چلنے دی۔''

''اگر وہ چیخی چلائی تھی تو آس پڑوس والوں کو اس واقعہ کی خبر کیوں نہیں ہوئی؟'' میں نے ایک اہم نکتہ اٹھایا۔'' وہ اس کی مدد کو کیوں نہیں لپکے؟ استغاثہ کے گواہوں کی فہرست میں مقتول کے کسی ایک بھی پڑوسی کا نام درج نہیں...... یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی نے کچھ نہ سنا ہو' کچھ نہ دیکھا ہو...... جبکہ وہ اپارٹمنٹ بلڈنگ بہادرآباد کے گنجان آباد علاقے میں واقع ہے......اور مکینوں سے پوری طرح بھری ہوئی بھی ہے؟''

میرے ان سوالات کا آئی او کے پاس کوئی جواب نہیں تھا لہٰذا وہ آئیں بائیں شائیں کرتے ہوئے بغلیں جھانکنے لگا۔ میں نے روئے سخن جج کی جانب موڑتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! صفائی کے گواہان عارف اور وسیم کے بیانات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ میرا مؤکل اور اس مقدمے کا نامزد ملزم عمران علی بے گناہ ہے۔ وہ وقوعہ کے روز دوپہر گیارہ بجے سے شام سات بجے تک اپنے گھر سے دور دوستوں کے ساتھ موجود رہا ہے لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ مقتول روبی کی موت میں اس کا کوئی ہاتھ ہو۔ میرے مؤکل کو کسی گہری سازش کے تحت اس کیس میں پھنسانے کی کوشش کی گئی ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ سازش اسی شخص کی تیار کردہ ہے جس نے مقتول کی شادی وحید علی سے کرائی تھی چنانچہ......'' میں نے ڈرامائی انداز میں توقف کر کے ایک گہری سانس لی' پھر ان الفاظ میں اضافہ کیا۔

''چنانچہ' میں معزز عدالت سے استدعا کروں گا کہ آئندہ پیشی پر مراد خان کی عدالت میں حاضری کو یقینی بنایا جائے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کیا جا سکے......''

اس کے ساتھ ہی عدالت کا وقت ختم ہو گیا۔ جج نے آئندہ پیشی کی تاریخ دے کر عدالت برخاست کا اعلان کر دیا۔

☆......☆......☆

منظر اسی عدالت کا تھا اور گواہوں والے کٹہرے میں مراد خان موجود تھا۔ وہ ہوشیار آنکھوں کا مالک ایک کائیاں اور شاطر شخص نظر آتا تھا۔ گزشتہ پیشی پر میں اپنے مؤکل کی جائے وقوعہ سے عدم موجودگی ظاہر کر کے یہ ثابت کر چکا تھا کہ روبی کے قتل میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں' عارف اور وسیم کی گواہی نے عمران کے دامن اور ہاتھ کو صاف ثابت کر دیا تھا۔

وکیل استغاثہ نے مراد خان کو فارغ کیا تو میں جج کی اجازت سے اس کے کٹہرے کے نزدیک چلا گیا۔ اس پیشی پر مجھے ان اہم معلومات کو استعمال کرنا تھا جو عمران کے چچا حمید علی کی بھاگ دوڑ کے نتیجے میں مجھ تک پہنچی تھیں۔

''مراد صاحب!'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''میرے علم کے مطابق' آپ مقتول کے شوہر وحید علی کے بہت گہرے دوست ہیں؟''

''جی' آپ کی معلومات بالکل درست ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''آپ ہر مشکل وقت میں اپنے دوست کے کام آتے رہے ہیں۔'' میں نے سوالات

کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔" جب آپ کے دوست کی بیٹی لبنیٰ کو اغوا کرلیا گیا تو اس کی بازیابی کیلئے آپ نے ایک خطیر رقم اپنے دوست کو دی تھی!"

"جی' ان لمحات میں وحید بہت پریشان تھا۔ اس کی پریشانی مجھ سے دیکھی نہ گئی اور میں نے اس کیلئے پانچ لاکھ کا بندوبست کردیا۔" اس نے بتایا۔" اگر ایک دوست دوسرے دوست کی مصیبت میں کام نہیں آئے گا تو پھر ایسی دوستی کا فائدہ کیا......!"

"بالکل درست فرمایا آپ نے۔" میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی اور کہا۔" وحید علی کافی عرصے تک یہی سمجھتا رہا تھا کہ آپ نے وہ رقم اسے اپنے پاس سے دی تھی لیکن کچھ عرصے کے بعد جب یہ انکشاف ہوا کہ آپ نے کسی پارٹی سے سود پر وہ رقم لے کر اسے دی تھی اور ماہانہ پچاس ہزار روپے آپ اس رقم پر سود اپنی جیب سے سود خور کو دے رہے تھے تو یہ سن کر وحید ہکا بکا رہ گیا تھا۔"

"میں نے وحید پر کوئی احسان نہیں کیا تھا۔" وہ ایک خاص انداز میں بولا۔" جب تک میں افورڈ کرسکتا تھا اپنی جیب سے سود کی رقم ادا کرتا رہا اور جب مجبور ہوگیا تو میں نے وحید کو صورتحال سے آگاہ کردیا۔"

"یقیناً آپ نے اپنے دوست وحید پر تو کوئی احسان نہیں کیا تھا لیکن اس معزز عدالت پر آپ کو ایک احسان ضرور کرنا ہوگا......" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"عدالت پر احسان......" اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔" کیسا احسان؟"

"آپ معزز عدالت کو بتائیں گے کہ آپ نے کس پارٹی سے سود پر پانچ لاکھ روپے لے کر اپنے دوست کو دیئے تھے۔" میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔" عدالت اس شخص کا نام جاننا چاہتی ہے۔"

"کک...... کیوں......!" وہ ایک دم پریشان ہوگیا۔" میں کیوں بتاؤں اس شخص کا نام......؟"

"آپ کو اس شخص کا نام اس لئے بتانا ہوگا کہ عدالت کو آپ کے بیان کی تصدیق کرنا ہے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔" کیونکہ ملزم نے عدالت میں بیان دیا ہے کہ آپ نے کسی پارٹی سے سود پر ایک روپیہ بھی نہیں لیا تھا۔ وہ سب نقلی نوٹ تھے اور...... ملزم کی بہن کے اغوا کا ڈرامہ بھی آپ ہی نے رچایا تھا۔"

''وہ جھوٹ بولتا ہے...... بکواس کرتا ہے......'' وہ غصیلی نظر سے ملزم کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میں بھلا اپنے دوست کے ساتھ اتنا بڑا دھوکہ کیوں کروں گا۔''

''اسے تباہ و برباد کرنے کیلئے...... اس کی دولت اور کاروبار ہتھیانے کیلئے۔'' میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ''ملزم کا بیان ہے کہ اس نے خود اپنے کانوں سے آپ کی اور مقتول کی گفتگو سنی تھی جس میں آپ نے مقتول کو اپنے اس کارنامے سے تفصیلاً آگاہ کیا تھا کہ آپ نے کس طرح وحید علی کو الو بنا کر اس کے بنگلے کو اونے پونے بکوا دیا۔ آپ ایک پراپرٹی ایجنٹ ہیں۔ یہ بات آپ کو اچھی طرح معلوم تھی کہ پی ای سی ایچ ایس سوسائٹی والے اس بنگلے کی مارکیٹ ویلیو کسی بھی طرح پندرہ لاکھ سے کم نہیں تھی جبکہ آپ نے وہ بنگلہ صرف بارہ لاکھ میں فروخت کرنے کا ڈرامہ رچا کر تین لاکھ یہاں سے کما لئے اور پانچ لاکھ وحید سے ویسے لے لئے' اس طرح یہ چھوٹی سی ڈیل آپ کو راتوں رات آٹھ لاکھ کا منافع دے گئی...... اس کے بعد آپ نے روبی کے ذریعے......''

''میں نے کہا نا' ملزم کے ان الزامات میں ذرہ برابر بھی حقیقت نہیں ہے۔'' وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔ ''اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔''

''میں بھی تو یہی چاہتا ہوں کہ آپ ملزم کی جانب سے لگائے گئے ان الزامات کو غلط ثابت کر دیں۔'' میں نے دوستانہ انداز میں کہا۔ ''آپ اس سود خور پارٹی کا نام بتا دیں جس سے بھاری شرح پر آپ نے سود لے کر وحید علی کو پانچ لاکھ دیئے تھے۔ عدالت متعلقہ شخص کو یہاں بلا کر آپ کے بیان کی تصدیق کرے گی اور آپ کی ذات ہر شک و شبے سے بالاتر ہو جائے گی۔''

''نہیں...... میں اس شخص کا نام نہیں بتا سکتا۔'' وہ قطعیت سے بولا۔

''مسٹر مراد! آپ کو اس پارٹی کا نام پتا بتانا پڑے گا۔'' جج نے سرزنش کرنے والے انداز میں کہا۔ ''تاکہ آپ کے بیان کی تصدیق ہو سکے۔''

اب مراد خان کی حالت دیدنی تھی۔ وہ جج کے سامنے اکڑ نہیں دکھا سکتا تھا لہٰذا جز بز ہوتے ہوئے بولا۔ ''اس بندے کا نام سلطان خان ہے اور......'' وہ تھوک نگل کر حلق تر کرتے ہوئے بولا۔ ''یہ بندہ ادھر سہراب گوٹھ میں رہتا ہے لیکن...... میری درخواست ہے کہ اس شخص کو عدالتی چکروں میں نہ ڈالا جائے۔''

"یہ فیصلہ کرنے کا اختیار عدالت کو ہے کہ کس شخص کو کس چکر میں ڈالنا ہے اور کس بندے کو کس چکر سے نکالنا ہے۔" جج نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اس کیلئے آپ کی کسی درخواست یا مشورے کی ضرورت نہیں......" پھر جج نے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"بیگ صاحب! پلیز پروسیڈ۔"

"کیا یہ درست ہے کہ وحید علی کی روبی سے شادی آپ ہی نے کرائی تھی؟" میں نے مراد خان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔

"جی یہ بات درست ہے۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اور اس میں بھی آپ کو میری بدنیتی نظر آ رہی ہوگی...... ہیں نا؟"

"میرے نظر آنے یا نظر نہ آنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آپ کتنے بدنیت ہیں یا کتنے صاف نیت ہیں اس کا فیصلہ کرنے کیلئے ہی یہ عدالت لگی ہوئی ہے۔"

وہ ناپسندیدہ نظر سے مجھے گھورنے لگا۔

میں نے اس کے انداز کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "یہ بات طے ہے کہ جب کوئی شخص دو افراد کی شادی کراتا ہے تو وہ ان دونوں افراد سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے...... آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟"

"جی...... یہ تو ایک اصولی بات ہے۔" وہ گول مول لہجے میں بولا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ وحید علی اور مقتول روبی سے بہت اچھی طرح آگاہ تھے؟"

"جی...... جی ہاں۔" وہ متذبذب انداز میں بولا۔

"وحید علی سے تو آپ کی پرانی دوستی ہے لہٰذا میں اس کے بارے میں آپ سے کوئی سوال نہیں کروں گا۔" میں نے کہا۔ "صرف اتنا بتا دیں کہ آپ مقتول کو کب سے جانتے ہیں؟"

"لگ بھگ دس سال سے۔" اس نے جواب دیا۔

"کس حوالے سے تھی یہ جان کاری؟"

"میں نے دس سال پہلے روبی کو ایک مکان دلوایا تھا۔ اس کے بعد ہمارے بیچ علیک

سلیک شروع ہوگئی تھی اور کبھی کبھار ہماری ملاقات بھی ہو جاتی تھی۔'' اس نے بتایا۔

''صرف علیک سلیک اور ملاقات یا...... اس سے زیادہ بھی آپ لوگوں میں کوئی ربط ضبط تھا؟'' میں نے ٹٹولنے والی نظر سے اسے دیکھا۔

وہ نگاہ چراتے ہوئے بولا۔ ''صرف علیک سلیک!''

''میری ٹھوس معلومات کے مطابق' مقتول روبی کا تعلق حیدرآباد کے ایک مخصوص علاقے سے تھا اور وہ تین سال پہلے ہی کراچی شفٹ ہوئی تھی۔'' میں نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔ ''پھر اس نے آپ کی مدد سے دس سال پہلے کراچی میں ایک مکان کیسے لے لیا تھا؟''

''م...... میں بھول گیا ہوں گا......'' وہ جلدی سے صورتحال کو سنبھالا دیتے ہوئے بولا۔ ''میں نے تین سال پہلے ہی اسے مکان دلوایا ہوگا۔''

''تین اور دس سال میں پورے سات سال کا فرق ہے۔'' میں نے زہرخند لہجے میں کہا۔ ''کوئی بھی پراپرٹی ایجنٹ اتنے بڑے فرق کو بھول نہیں سکتا۔ اس کا مطلب ہے' تم جھوٹ بول کر معزز عدالت کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کر رہے ہو......''

''وکیل کے بچے......'' وہ ایک دم آپے سے باہر ہو گیا۔ ''تم مجھے تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہو...... میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا......''

''یور آنر...... پوائنٹ ٹو بی نوٹیڈ......'' میں نے فاتحانہ نظر سے جج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مراد خان بھری عدالت میں مجھے قتل کرنے کی دھمکی دے رہا ہے...... ممکن ہے' اس نے روبی کو بھی موت کے گھاٹ اتارا ہو......''

مراد خان کی برداشت جواب دے گئی۔ وہ ہوش وحواس سے بے گانہ ہو کر کٹہرے سے نکلا اور میری جانب بڑھتے ہوئے وحشیانہ انداز میں چلایا۔ ''وہ تو گئی جہنم میں...... اب تمہاری بھی خیر نہیں ہے......''

عدالت کے کمرے میں اچانک ہی سنسنی خیز صورتحال پیدا ہوگئی تھی۔ میں مراد خان کی دھمکی سے ذرا بھی مرعوب نہیں ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھ تک پہنچتا' متعلقہ عدالتی عملے نے اسے قابو کر کے ہتھکڑی پہنا دی۔ وہ پولیس کی حراست میں پھنکارتے ہوئے غصیلی نظر سے مجھے گھورنے لگا۔

☆......☆......☆

گزشتہ پیشی پر مراد خان کے رویے نے تمام حقائق پر سے پردہ اٹھا دیا تھا۔ اس کا عمل گویا اس کا اقبال جرم تھا۔ عدالت کی ہدایت پر جب اسے پولیس کسٹڈی میں دیا گیا تو پھر پولیس کو اس کی زبان کھلوانے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

روبی اور مراد خان ایک ہی قماش کے لوگ تھے اور پچھلے تین سال سے وہ مل کر کام کر رہے تھے۔ وحید علی ان کا آٹھواں شکار تھا۔ روبی ایک پیشہ ور عورت تھی' اس لئے ان کی گاڑی بڑی ہموار چل رہی تھی لیکن اس کیس میں روبی نے سب کچھ اکیلے ہی ہڑپ کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا چنانچہ مراد خان اسے اپنے راستے سے ہٹانے پر مجبور ہو گیا۔ مراد نے کچھ اس انداز میں روبی کو موت کے گھاٹ اتارا کہ قربانی کے بکرے کے طور پر عمران علی کی گردن پھنس جائے اور تقریباً ایسا ہوا بھی تھا' لیکن عمران کی خوش قسمتی تھی کہ یہ کیس میرے پاس آ گیا تھا۔

برائی کا انجام کبھی خوشگوار نہیں ہوتا چاہے' اس کا ذمہ دار کوئی بھی ہو' حتیٰ کہ اگر چاند سے بھی کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو وہ بھی گہنا جاتا ہے۔ وہی چاند جس سے سب محبت کرتے ہیں اور اسے محبوب سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن جب اسی چاند کو گرہن لگتا ہے تو اس گہنائے ہوئے چاند سے سب خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔

(تمت بالخیر)

pakistanipoint.com Waheed Amir